إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ۚ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا

حیاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

حصّہ سوم

تالیف

ملّا واحدی

مکتبہ دینیات آصف علی روڈ نئی دہلی

قیمت [illegible] روپیہ [illegible] نئے پیسے

دُنیا کا سب سے بڑا انسان

۱۹۱۱ء میں بیروت کے مسیحی اخبار الوطن نے مسیحیوں کے سامنے یہ سوال پیش کیا تھا کہ "دنیا کا سب سے بڑا انسان کون ہے؟" اس کے جواب میں ایک مسیحی عالم داؤد مجاعص نے لکھا:

"دنیا کا سب سے بڑا انسان وہ ہے جس نے دس برس کے مختصر زمانے میں ایک نئے مذہب، نئے فلسفے، ایک نئی شریعت اور ایک نئے تمدن کی بنیاد رکھی۔ جنگ کا قانون بدل دیا اور ایک نئی قوم پیدا کی، اور ایک نئی طویل العمر سلطنت قائم کر دی، ان تمام کارناموں کے باوجود وہ اُمّی اور ناخواندہ تھا۔ وہ کون؟ محمد بن عبداللہ قریشی عرب اور اسلام کا پیغمبر۔ اس پیغمبر نے اپنی عظیم الشان تحریک کی ہر ضرورت کو خود پورا کر دیا اور اپنی قوم اور اپنے پیروؤں کے لئے اور اس سلطنت کے لئے جسے اُس نے قائم کیا تھا، ترقی اور دوام کے اسباب مہیا کر دیئے۔ اس طرح کہ قرآن اور احادیث میں وہ تمام ہدایات موجود ہیں جن کی ضرورت مسلمانوں کو دینی یا دنیاوی معاملات میں پیش آسکتی ہے۔

حج کا سالانہ اجتماع فرض قرار دیا تاکہ اہلِ استطاعت مسلمان ایک مرکز پر جمع ہو کر اپنے دینی و قومی معاملات میں باہم مشورے کر سکیں۔

زکوٰۃ فرض کر کے قوم کے غریب طبقے کی ضروریات پوری کیں۔

قرآن کی زبان کو دنیا کی عالم گیر اور دائمی زبان بنا دیا تاکہ وہ مسلمان اقوام کے باہمی تعارف کا ذریعہ بنے۔

قوم کے ہر فرد کو ترقی [illegible] قطعی یہ کہہ کر دیا کہ کسی مسلم [illegible]

[illegible]

پرورش [illegible] کی [illegible] ممکن نہیں ہے۔ اس طرح [illegible] بڑھ گیا جس کی وجہ سے قوم کا اپنا اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں نے ایک مدت تک اس اصول پر عمل کیا کہ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے۔

[illegible] اس نے آسان کر دیا۔ مسلمانوں کے لیے [illegible] ملکوں میں [illegible] سے زندگی گزارنے کی ذمہ داری یہ کہہ کر لے لی کہ تمام مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔[۵] اللہ کو سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کی اولاد کو سب سے زیادہ نفع پہنچائے۔

خاندانی [illegible] زندگی [illegible] اس کی نظر سے پوشیدہ نہیں رہی۔ اس نے نکاح و وراثت کے قوانین مقرر کیے۔ عورت کا مرتبہ بلند کیا۔ [illegible] فیصلہ کرنے کے راستے کھولے۔

بیت المال کا نظام قائم کر کے قومی دولت کو بے کار چلنے سے بچایا۔ علم کی اشاعت اس کی کوششوں کا بڑا حصہ رہی۔ اس نے حکمت کو مومن کا گمشدہ خزانہ کہا۔ اسی سبب سے مسلمانوں نے اپنی ترقی کے دور میں ہر دروازے سے علم حاصل کیا۔ کیا ان کا [illegible] انسان دنیا کی سب سے بڑی ہستی نہیں تھا؟

(سیرۃ النبی ص)

---

۵ الخلق عیال اللہ (مخلوق اللہ کا کنبہ ہے) کی طرف اشارہ ہے۔ [illegible]

فہرست مضامین

(مطبوعہ جدید پریس بلیماران دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

الحمد للہ کہ حیات سرورِ کائنات ﷺ کے دونوں حصے میری توقع سے زیادہ پسند کیے گئے۔[1] اللہ بھی قبول فرمائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ اگرچہ میں اپنے آپ کو کسی بات کا مستحق نہیں سمجھتا جس کا مستحق وہ ہیں جن کی تصنیفات سے میں نے استفادہ کیا ہے تاہم اللہ بڑا بے نیاز ہے۔ اس کی یہی عنایت کیا کم ہے کہ خواہ کتنا بھی معمولی سہی مگر اچھا کام مجھ سے لے رہا ہے بس اسی خیال میں اللہ سے آس لگائے بیٹھا ہوں۔

پچھلے دونوں حصوں کی تیاری کے وقت سیرۃ النبی ﷺ مصنفہ علامہ شبلیؒ و علامہ سید سلیمانؒ کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی پیشِ نظر تھیں لیکن اس تیسرے حصے کو جو زیادہ تر عہدِ چہارم و پنجم کا خلاصہ کہنا چاہیے۔ ہاں ایک مضمون "اسلام اور غیر مسلمین"

۱؎ پسندیدگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حیات سرورِ کائنات حصہ اول جنہوں نے اشتہار پڑھ کر خریدی تھی جب انہیں حیات سرورِ کائنات حصہ دوم کے چھپنے کی اطلاع صرف پوسٹ کارڈ کے ذریعہ دی گئی تو [illegible] سے حضرات نے حصہ دوم منگا لیا۔ یہ [illegible] چونکہ [illegible] اور سوائے [illegible] خواجہ حسن نظامیؒ کے ساتھ ہوئی۔ [illegible] بنعمۃ اللہ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

محمد حفیظ اللہ صاحب پھلواروی کی کتاب "اسلام اور غیر مسلم" سے مدد لی۔

واقعات کا جہاں تک تعلق ہے حصہ اول و دوم سیرۃ النبیؐ ہی کا خلاصہ تھا۔ اردو زبان میں مستند اسلامی تاریخ نویس شبلیؒ و سلیمانؒ سے بڑھ کر کوئی نہیں پیدا ہوا اور آج اسلامی تاریخ کی سند مل سکتی ہے تو شبلی و سلیمان کے جانشینوں ہی سے مل سکتی ہے۔ کبھی پوچھنا پڑ جاتا ہے تو نگاہ صرف رفقائے دار المصنفین کی طرف اٹھتی ہے۔ علامہ سید سلیمان کی رحلت کے بعد سے حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی دار المصنفین کے صدر ہیں۔ مولانا ازراہِ اخلاص ہمیشہ ہر سوال کا جواب دیتے رہے یا دلوا دیتے ہیں۔ حیات سرورِ کائناتؐ حصہ اول و حصہ دوم کے سلسلہ میں بھی ضروری مشورے اکثر پیش کیں۔

دلی کے ماہنامہ تحریک نے حیات سرورِ کائناتؐ کا ریویو مالک رام صاحب ایم اے سے لکھوایا تھا۔ مالک رام صاحب عربی جانتے ہیں اور ہندوستان میں ماہر اسلامیات مانے جاتے ہیں۔ مالک رام صاحب نے تحریر فرمایا:

"کتاب میں بعض باتیں ایسی ہیں جو تحقیقاً ٹھیک نہیں ہیں مثلاً

(۱) والدہ (بی بی آمنہ) حضور کو احمد کہہ کر پکارتی تھیں (۱:۲۲)۔ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں کہ آپ کا عَلَم "احمد" تھا۔ جو حدیث اس سلسلے میں پیش کی جاتی ہے (اور جس کا پہلا ٹکڑا مؤلف نے بھی نقل کیا ہے) اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اگر ہم "احمد" کو عَلَم تسلیم کرلیں تو "عاقب" اور "ماحی" بھی عَلَم ہونا چاہئیں۔ دراصل "محمدؐ" عَلَم تھا، اور باقی سب صفاتی نام ہیں۔ چنانچہ قرآن میں بھی آپ کا نام صرف "محمدؐ" ہی دیا گیا ہے۔

(۲) چاہِ زمزم کی دریافت کو حضرت اسمٰعیلؑ کی پیاس اور ایڑیاں

رگڑنے کا نتیجہ قرار دیا ہے (۱: ۳۰)۔ یہ واقعہ اور مصنفوں نے بھی لکھا ہے لیکن جب حضرت ابراہیمؑ، اسمعیلؑ اور ان کی والدہ ہاجرہ کو تنہا "وادی غیر ذی زرع" میں چھوڑ گئے ہیں، تو اس وقت حضرت اسمعیل کی عمر تیرہ چودہ برس کی تھی۔ کیا اس عمر میں بچے ایڑیاں رگڑا کرتے ہیں؟

(۳) حضرت خدیجہؓ۔ حضرت علیؓ۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت زیدؓ پہلے دن مسلمان ہو گئے (۱: ۲۰۷)۔ حضرت ابوبکرؓ کی حد تک یہ بات ضرور غلط ہے۔ جب آپؐ نے نبوت کا دعوے کیا ہے تو وہ مکہ میں تھے ہی نہیں۔ مجھے ٹھیک سا یاد نہیں۔ لیکن وہ ان ایام میں غالباً یمن گئے ہوئے تھے۔

اسی طرح کی اور مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

(۴) کتاب کا دوسرا حصہ کچھ رسول کریمؐ کی زندگی سے متعلق ہے اور کچھ اسلام کی بعض تعلیمات کی وضاحت ہے مثلاً اسلام اور عورت۔ اسلام اور فرقہ بندی، ختم نبوت وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان موضوعات کا سیرۃ النبیؐ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک سوانح عمری کا تعلق ہے وہ پہلی جلد میں مکمل ہو گئی اور اب جو کچھ بھی لکھا جائے گا وہ اسلامی تعلیمات، شریعت، علم کلام کے مسائل ہوں گے۔ مؤلف نے اس حصے کے شروع میں لکھا ہے کہ وہ آئندہ بھی اس موضوع پر لکھنا چاہتے ہیں۔ وہ شوق سے لکھیں، لیکن اس کا عنوان "حیات سرور کائنات صلعم" کی بجائے کچھ اور رکھیں۔ (مالک رام)

یہ ریویو مولانا دریابادی کی خدمت میں بھیج دیا گیا اور مولانا مجیب اللہ صاحب

کے

ندوی رفیق دارالمصنفین نے اعتراضوں کا جواب فراہم کر دیا۔ وزیا اس قابل ہے کہ مالک رام صاحب اور ماہنامہ تحریک کے ناظرین کی نمائش کر دوں۔ جواب درج ذیل کیا جاتا ہے، تاکہ حیات سرور کائنات کے قارئین جنہیں نے مالک رام صاحب کا ریویو پڑھا ہو، وہ جواب بھی پڑھ لیں۔

میں نے گوپال متل صاحب ایڈیٹر تحریک کو لکھا:

مکرمی: تسلیمات عرض ہے۔

مالک رام صاحب نے آپ کے رسالہ تحریک بابت جنوری ۱۹۵۷ء میں میری تالیف "حیات سرور کائنات" پر تبصرہ کیا تھا۔ تبصرے میں کچھ ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے مجھے حضرت مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی کو لکھنا پڑا کہ دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ان باتوں کا جواب دلوا دیں۔ چنانچہ مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دارالمصنفین کا جواب آگیا ہے۔

جواب بہت مفصل اور طویل ہے۔ میں مالک رام صاحب کے سلسلے اس کا خلاصہ اپنے الفاظ میں ارسال کر رہا ہوں۔ آپ اگر اسے تحریک میں شائع بھی فرما دیں تو اچھا ہے جنہوں نے تبصرہ پڑھا ہے انہیں جواب پڑھ لینا چاہیے۔

سب سے پہلے مالک رام صاحب کی توجہ قرآن مجید کی آیت "یاتی من بعدی اسمہ احمد" کی طرف دلائی جاتی ہے قرآن مجید نے عنصری طرح احمد کا بطور علم ذکر کیا ہے۔ احمد ہمارے پیشوا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ نام ہے جو متعدد انبیا کی زبانوں پر رہا ہے (۲) یہ امر تحقیق طلب ہے کہ چاہ زمزم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے

ایڑیاں رگڑنے سے نکلا تھا تو یہ بالکل بھی صحیح نہیں ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ وادیٔ غیر ذی زرع پہنچتے وقت تیرہ چودہ برس کے تھے

توراۃ کے باب پیدائش ۲۱ آیت ۱۴ تا ۱۶ میں ہے :

"ابراہیمؑ نے صبح سویرے اٹھ کر روٹی اور
پانی کی ایک مشک ہاجرہ کے کاندھے پر
دھری اور اس لڑکے کو بھی"

بالکل یہی بیان حضرت ابن عباس کا (بخاری کتاب الانبیاء) میں ہے "حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ اور ان کے شیر خوار بچے اسمٰعیلؑ کو لے کر چلے اور جہاں آج خانہ کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام کے قریب چھوڑ کر چلے گئے"

کاندھے پر تیرہ چودہ برس کا لڑکا نہیں دیا جاتا۔

چاہ زمزم کے متعلق ایک روایت اور مشہور ہے کہ پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہ کے ادھر ادھر دوڑنے پر حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور انہوں نے ایڑی ماری اور پانی ابلنے لگا۔ مگر امام طبری نے حضرت اسمٰعیلؑ کے ایڑیاں رگڑنے کو سوت پھوٹنے کا ذریعہ بتایا ہے اور حضرت اسمٰعیلؑ کا شیر خوار ہونا قریباً تمام مورخین اسلام نے تسلیم کیا ہے۔

توراۃ کے بعض بیانات کے خلاف "جو بات" بے شک ہے اسے یوں مطابق کیا جاتا ہے کہ مکہ پہنچنے کے وقت حضرت اسمٰعیلؑ بچے تھے۔ پانی کے واقعے اور تعمیر خانہ کعبہ کے وقت جوان ہو گئے تھے۔

(۳) کچھ تذکرہ نویسوں کا خیال ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

بعثت نبوی ہے تو حضرت ابوبکرؓ یمن میں تھے لیکن محقق مؤرخ اس کو نہیں مانتے۔ زرقانی اور صاحب ریاض النضرہ نے تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ حضورؐ کے اہل خانہ کے علاوہ جو لوگ فوراً اسلام لائے ان میں مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشہور صحابی نے حضرت ابوبکرؓ کا جو قصیدہ لکھا تھا اس کا ایک مصرعہ ہے:

واول الناس منهم صدق الرسلا

(۴) کسی شخص کی سیرت نگاری کا حق ادا نہیں ہو سکتا جب تک ان تعلیمات کو نہ پیش کیا جائے جو اس نے یادگار چھوڑی ہیں۔ تعلیمات کو دوسرے کارناموں سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اسلام کی جملہ تعلیمات ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملی ہیں اور قطعی حضورؐ کی سیرت میں شامل ہیں۔ جس طرح حضورؐ کی ذات اسوہ ہے اسی طرح حضورؐ کی تعلیمات بھی اسوہ ہیں۔ چنانچہ متقدمین حضورؐ کے ذاتی حالات کا نام شمائل نبوی رکھا کرتے تھے، اور حضورؐ کے کارناموں کے لئے کتاب السیر کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔

خیر طلب

واقدی

مسلمان تذکرہ نگاروں نے ایک ایک کر کے حیات سرور کائنات کے مستند پہلے

لہ محققین نے مختلف احادیث اور آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ عورتوں میں، حضرت علیؓ بچوں میں، حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابوبکرؓ پہلے آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول (مومن) بنے (دیکھئے ارشاد الساری شرح البخاری، فتح الباری)

کو تسلیم ہے۔ یہ شیخ رح و سید سلیمان رح کا صدقہ ہے۔ زبان اور بیان زور استدلال
کی جس قدر تعریف ہوئی ہے اس کے بارے میں تبصرہ نگاروں کا ممنون ہوں، حوصلہ
افزائی سے لکھنے کی قوت بڑھتی ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور رسولؐ
کے نام اور ذکر کا مشغلہ کرتے رہنے کے سوا مجھے تو کچھ نہیں آتا۔

واحدی

اللہ کا اسلامی تصوّر

یوں تو دلّی کی بے پڑھی لکھی عورتیں تک بولا کرتی تھیں کہ "اللہ کو دیکھا نہیں، عقل سے پہچانا" لیکن انسان وحی کی روشنی اور مدد کے بغیر اللہ کا تصوّر کرتا ہے تو اسے اللہ بس انسانی حسن اور وجاہت کا ایک انتہائی مکمل مجسمہ نظر آتا ہے اس تصور کی اللہ نے صرف تین لفظ کہہ کر تردید اور نفی فرمادی ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کوئی شے اُس کی مماثل نہیں ۔

تمہارا دیکھنا اور سننا آنکھوں اور کانوں کا محتاج ہے اور آنکھیں روشنی کی اور کان ہوا کے محتاج ہیں ۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا اندھی ہوجانے والی آنکھوں اور بہرے ہوجانے والے کانوں کا محتاج نہیں ہے ۔

تمہارا دیکھنا اور سننا ناقص اور عارضی ہے ۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا نقص اور عارضیت سے پاک ہے ۔ تمہارا دیکھنا اور سننا نقلی ہے ۔ اللہ کا دیکھنا اور سننا، اصلی اور حقیقی ۔

تم کوئی کام اللہ کے عطا کردہ اعضاء سے بے نیاز ہوکر نہیں کرسکتے اور یہ اعضا بالآخر واپس لے لیے جاتے ہیں ۔ اللہ اعضاء سے بے نیاز ہے ۔ اللہ اعضا کا خالق ہے ۔ اعضا کا ضرورت مند نہیں ہے ۔ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ

شَيْئًا أَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی کا وجود میں آنا چاہتا ہے تو اسے حکم دیتا ہے ہوجا۔ سو وہ ہو جاتی ہے۔

جس طرح تمام اشیاء پہچانی جاتی ہیں، اللہ اس طرح نہیں پہچانا جاتا۔ اللہ کی ذات کے متعلق تو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ پہچاننے کا جو حق ہے اے اللہ ہم تیری ذات کو اتنا نہیں پہچان سکے۔ اللہ کی ذات پہچانی کیسے جاتی۔ اللہ کسی شئے کے مماثل نہیں ہے۔ پھر حضور کیونکر فرما دیتے کہ اللہ ایسا ہے لیکن شئے حقیقی اللہ ہی ہے۔ دوسری اشیاء کی حقیقت اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول ہے: اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْكِ الْاِدْرَاكِ اِدْرَاكٌ ۔ اللہ کی ذات کا ادراک نہ کرسکنا اللہ کی ذات کا ادراک ہے۔

اکبر الہ آبادی نے شاید اسی قول کو یوں منظوم کیا تھا۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے[1]

شیخ سعدی شیرازیؒ کا شعر ہے ؎

اے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہرچہ گفتہ اند شنیدیم و خواندہ ایم

(اے وہ ذات پاک جو خیال، قیاس اور وہم سے بالا ہے اور

---

[1] اسی سلسلے میں حضرت اکبر کا ایک شعر اور یاد رکھنے کے لائق ہے فرماتے ہیں:

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے
خدا کیا ہے، خدا ہے، اور کیا ہے

ہماری جملہ گفت و شنید اور ہمارے کل علم و عرفان سے ماورا رہے)
اللہ ہر شئے سے زیادہ ہمارے قریب ہے اس لئے کہا ہے نَحْنُ اَقْرَبُ
اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ - ہم رگ جان سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں
اللہ ہمارے اتنے قریب ہے کہ دکھائی نہیں دیتا۔ جیسے آنکھ اپنے آپ
کو اور بہت زیادہ قریب کی شئے کو نہیں دیکھتی۔ دیکھنے کے لئے تھوڑا سا فاصلہ چاہئے
ہے ویسے ہی موجودہ آنکھوں سے اللہ کی ذات کا دیکھنا محال ہے۔ آفتاب پر بھی اچٹتی
ہوئی نظر پڑ سکتی ہے۔ پھر آفتاب سے عظیم تر آفتابوں کے خالق پر نظر ٹھہرنی کہاں
ممکن ہے۔ البتہ جس طرح آفتاب کی روشنی سے آفتاب کا پتہ چلتا ہے اور آفتاب
کے اور ہمارے درمیان حجاب آجائے تو آفتاب کا وجود اوجھل ہو جاتا ہے، اسی
طرح اللہ کے اور ہمارے درمیان سے حجابات ہٹیں تو اللہ کے پرتو اور اللہ کی نشانیاں
اور اللہ کے اوصاف دکھائی دے سکتے ہیں۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَفِيْٓ
اَنْفُسِكُمْ ۭ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝

ماننے والوں (اور کج بحثی نہ کرنے والوں) کے لئے زمین میں (اللہ کے
وجود اور اللہ کی قدرت کی) بے شمار علامات ہیں۔ اور (علامات تو
تمہارے (اپنے) اندر موجود ہیں۔ کیا وہ تمہیں سجھائی نہیں دیتیں۔

اپنی اصلیت اور انجام کو سوچنے اور اپنے گرد و پیش کی ایسی چیزوں کو جو
انسانوں کی ساختہ نہیں ہیں، آنکھیں کھول کر دیکھنے سے اللہ کی شان سمجھ میں
آسکتی ہے اور اسلام نے اسی غور و تفکر کے ذریعے اللہ کا عرفان کرایا ہے۔
اپنی پیدائش پر غور کرنے سے اللہ کا وجود اور نشاۃ ثانی (موت کے بعد
کی پیدائش) دونوں سمجھ میں آجاتے ہیں۔ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ النَّشْاَةَ الْاُوْلٰى

فَلَوۡلَا تَذَكَّرُوۡنَ ۔ تم اپنی پیدائش سے واقف ہو تو اسی پر دوسری پیدائش کو کیوں نہیں قیاس کر لیتے ۔

موٹی سی بات ہے ۔ جس نے ایک دفعہ پیدا کر دیا اُسے دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے ۔

نقاشِ نقشِ ثانی بہتر کشد ز اوّل

دوسری پیدائش کے وقت بنے بنائے انسان میں فقط روح پھونکنی ہوگی ۔ یا اجزا کو جمع کر کے روح پھونک دی جائے گی ۔ پہلی پیدائش کے وقت تو کچھ بھی نہ تھا ۔

انسان اپنے آپ کو کچھ کا کچھ خیال کئے بیٹھا رہے تو اسے اللہ کا سراغ کبھی نہیں مل سکتا ، جیسے جیسے ہم اپنی حقیقت اور حیثیت کا احساس کرتے ہیں ۔ ویسے ویسے ہمارے اور اللہ کے درمیان سے پردے ہٹتے ہیں ۔ اور اللہ کی ہر ایک مخلوق ، اللہ اور اللہ کی شان کا پتہ دیتی نظر آتی ہے[۵۱] شیخ سعدیؒ کہہ اٹھتے ہیں :

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

مجدد سرہندیؒ پکارتے ہیں : " ہمہ از اوست " اور محی الدین ابن عربی چلّاتے ہیں : " ہمہ اوست[۵۲] "

---

۵۱ انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیمؑ کو — ڈاکٹر الہ آبادی ،

۵۲ یہ تصوّر اور عقیدہ ہر شخص کے بس کا نہیں ہے ۔ یہ ایک کیفیت ہے جو کسی کسی پر اور وہ بھی کبھی کبھی طاری ہو جاتی ہے ۔

خوشنما اثر کے خود وہ اپنے عرفان پر منحصر ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے صاف صاف فرمایا ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ یعنی جس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا اس نے اپنے رب کو نہیں پہچانا۔

انسان باقی مخلوقات سے یقیناً افضل اور فائق ہے، جمادات، نباتات اور حیوانات انسان کی برابری نہیں کر سکتے اور انسان اپنی قدر جانے اور جمادات نباتات اور حیوانات کو خادم بنائے رکھے۔ آقا نہ بنائے اور خالق کی ہدایت کے مطابق ان سے خدمت لے تو انسان کا مرتبہ مخلوقاتِ ارضی کیا معنی، مخلوقاتِ سماوی سے اعلیٰ ہے۔ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے میں قطعی شبہ نہیں لیکن اس اشرفیت کا عدم احساس بھی برا ہے اور حد سے بڑھا ہوا احساس بھی برا ہے۔ عدم احساس دریاؤں اور درختوں اور جانوروں کی پوجا کرا دیتا ہے اور حد سے بڑھا ہوا احساس اللہ سے سرکشی اور بغاوت کے راستے پر ڈال دیتا ہے۔ دیکھئے اللہ کیا کہہ رہا ہے: اِنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ہم نے انسان کو ایک قطرے سے پیدا کیا ہے (پیدا ہو کر) اب وہ (ہم سے) کھلم کھلا آمادۂ خصومت ہے۔ اور اللہ اپنے پیغمبرِ اعظم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہلواتا ہے: قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (اے رسول!) کہہ دو مجھے اپنے آپ کو بھی نفع و نقصان پہنچانے کی قدرت حاصل نہیں ہے جو اللہ چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے۔ اگر غیب کا حال جانتا ہوتا تو اپنے لیے بھلائیوں کا انبار لگا لیتا اور دکھ تو کبھی میرے نزدیک نہ پھٹکنے پاتا۔ میں تو فقط (لوگوں کو عذابِ) آخرت سے آگاہ کرنے والا اور اہلِ ایمان کو لذتِ آخرت کی خوش خبری دینے والا ہوں۔

وہ چیزیں جو انسانوں کی ساختہ نہیں ہیں، آج کل غیر مسلم اہل اسلام سے زیادہ دیکھتے ہیں اور غیر مسلم ان کی گہرائیوں میں زیادہ اترتے ہیں اور انسانوں کے رنگ ریشے کا بھی غیر مسلموں کو مسلمانوں سے زیادہ علم ہے لیکن غیر مسلموں کا زاویہ نگاہ عموماً مختلف ہوتا ہے۔ انہیں یہ سب چیزیں دیکھ کر اپنے حقیقی اور کم حیثیتی کا خیال نہیں آتا اور اللہ کی طرف ان کا دھیان نہیں جاتا۔

قریباً چالیس برس قبل کی بات ہے، میرے پھوپھی زاد بھائی قاری سرفراز حسین مرحوم اسلام پر لیکچر دینے انگلستان اور جاپان گئے تھے۔ واپس پہنچ کر انہوں نے وہاں کے کسی پروفیسر کا قصہ سنایا تھا۔ قاری صاحب اس پروفیسر سے اللہ کے وجود کے بارے میں گفتگو کرنے لگے۔ پروفیسر نے سادگی اور معصومیت کے ساتھ کہا۔ ابھی میں نے اس مسئلہ کو سوچا نہیں ہے۔ بعض اور کام کر رہا ہوں وہ نمٹ جائیں تو سوچوں گا ان کاموں سے پانچ سال کے اندر اندر فراغت و فرصت ملنے کی توقع ہے۔

دنیا بھر کی باتیں سوچیں اور نہ سوچا تو یہی کہ ہمیں کس نے بنایا ہے یا سوچا تو بیک جانے کی ذہنیت لے کر سوچا۔ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ان کی مثال اس کی سی ہے جنہوں نے (اندھیری رات میں راستہ دیکھنے کی غرض سے) آگ سلگائی (اور) جب (آگ نے) ان کے چاروں جانب روشنی کر دی تو اللہ نے ان کی روشنی سلب کر لی اور انہیں (ایسے) اندھیرے گھپ میں چھوڑ دیا کہ انہیں (خاک) نہیں دکھائی دیتا۔

محض وَفِي أَنْفُسِكُمْ ۚ أَفَلَا تُبْصِرُونَ کا خالی رٹنا بھی کافی نہیں ہے۔ کامیاب وہ ہوتے ہیں جو کتاب اللہ کو اس طریقے سے پڑھتے ہیں جس طریقے

لہ بے اختیار خود کو مختار تم سمجھ لو لیکن ہوئے یقیناً یہ اختیار پیدا

سے اُسے پڑھنا چاہئے۔ یَتْلُوْنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ یعنی مضامین قرآن پر غور کرتے ہیں۔ کاش جاپانی پروفیسر کی قسم کے لوگ قرآن پڑھتے۔ تاہم مطالب نہ پڑھنے سے خالی پڑھنا اور رٹنا بھی ٹھیک ہے۔ ان سے اچھی ذہنیت کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی ذہنیت کے حضرات اگر یہ سوچیں گے کہ ہم کبھی لاشئے تھے اور ایک دن ہمیں مرنا ہے موجودہ زندگی مستقل زندگی نہیں ہے تو وہ اللہ کو اور اللہ کی قدرت کو قطعی سمجھ جائیں گے۔ اپنی اصل سے بے خبر اور موت سے غافل رہنا عرفانِ رب میں عظیم ترین رکاوٹ ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام لاولد تھے۔ آخر عمر میں فکر دامن گیر ہوئی کہ وارث نہیں چھوڑ رہا ہوں۔ اللہ نے فرمایا۔ وارث ہم سے لو۔ یَا زَکَرِیَّآ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِنِ اسْمُہٗ یَحْیٰی۔ حضرت زکریا (ازراہِ تعجب) بولے: میں اچھا بڈھے پھونس اور بیوی بانجھ بیوی کے ہاں بیٹا ہو جائے گا۔ اللہ نے فرمایا بڈھے پھونس مرد اور بانجھ عورت کے ہاں بیٹا پیدا کرنا کون سی انوکھی بات ہے قَالَ کَذٰلِکَ ج قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ وَّ قَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا ۝ کہا۔ ہاں (بیٹا ہوگا۔ نیز) تمہارے رب نے فرمایا۔ یہ میرے لئے (بالکل سہل) ہے۔ (اے زکریا!) اس سے پہلے میں تمہیں (بھی تو) پیدا کر چکا ہوں (پیدا ہونے سے قبل) تم لاشئے تھے میں نے لاشئے کو شئے بنا دیا اور تم جیسی شئے بنا دیا۔

غرضیکہ اللہ وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور زندگی واپس لیتا ہے ھُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ۔ اپنے پیدا ہونے اور مرنے میں ہمیں مطلق دخل نہیں ہے ۔

اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اور اس دماغ ہی پر کون سا قابو ہے جس کا گھمنڈ سرکشیاں کرایا کرتا ہے۔ ذرا سی گھمیری دماغ کو معطل کر دیتی ہے۔ نہ دماغ پر قابو ہے نہ دل پر اور نہ کسی اور عضو پر، جو عضو کام کر رہا ہے، اللہ کی مہربانی سے کر رہا ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا
النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا
الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ
خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ۝
ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ۝

ارشاد ہوتا ہے: ہم نے ضرور یقیناً انسان (یعنی آدم) کو نہایت ہی عمدہ مٹی سے بنایا اور پھر ہم نے ان (کی نسل) کو نطفے کے ذریعے پیدا کیا جو ایک (محفوظ و) مضبوط جگہ ٹھہرتا ہے (اور) پھر ہم نے اس نطفے کو (اسی محفوظ و مضبوط جگہ میں) خون بستہ کی شکل دی (اور) ہم نے خون بستہ کو گوشت کا لوتھڑا کر دیا (اور) پھر ہم نے لوتھڑے کو ہڈیوں میں تبدیل کیا (اور) پھر ہم نے ان ہڈیوں کو گوشت (کا لباس) پہنا دیا (اور کھال چڑھا دی) (اور) پھر ہم نے اس ڈھانچے میں روح پھونک کر اسے ایک اور طرح کا جسم دے دیا۔ (نطفے، خون بستہ اور لوتھڑے وغیرہ سے بالکل مختلف صورت بخش دی) پس (سوچیئے) اللہ کتنا باعظمت (اور) کتنا اچھا خالق ہے، (اور اسی کے حکم سے) پھر تم (کبھی نہ کبھی ضرور بالضرور مر (بھی) جاؤ گے (اور صفحۂ ہستی سے نابود ہو جاؤ گے) اور (نابود ہونے کے بعد) قیامت کے دن پھر

زندہ کئے جاؤ گے (اور تم سے تمہارے اعمال کا حساب لیا جائے گا)۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِنَ
الْبَعْثِ فَإِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ
نُطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُضْغَةٍ
مُخَلَّقَةٍ وَغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ وَنُقِرُّ
فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُسَمًّى ثُمَّ
نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَ
مِنْكُمْ مَنْ يُتَوَفَّىٰ وَمِنْكُمْ مَنْ يُرَدُّ إِلَىٰ
أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا ط

لوگو! اگر تم (کو قیامت کا یقین نہیں آتا اور تم) دوبارہ زندہ ہونے کی بابت شک و شبہ میں ہو تو یہ تمہاری نادانی ہے۔ ذرا اپنی حالت پر نظر ڈالو کہ تمہیں کس طرح وجود ملا ہے) ہم نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ہے (یعنی زمین کو حکم دیا کہ تیرے اندر جتنے بیج بوئے گئے ہیں ان کی اتنی مقدار نکال اور اتنی مقدار سے پھل ترکاریاں اور اناج اگا۔ سو پھل، ترکاریاں اور اناج تمہاری غذا بنیں اور غذا کو خون بنا اور خون سے نطفہ) پھر نطفہ سے (خون بستہ کا ایک ٹکڑا بنا) پھر (اس خون کی) بوٹی سے (گوشت کی کبھی مکمل بوٹی جس سے اعضا پورے پورے بن سکیں اور کبھی ایک غیر مکمل بوٹی (اسی) پھر (اس) مکمل بوٹی سے اور نامکمل بوٹی سے (سلسلہ توالد و تناسل جاری کیا۔ اور یہ طریقہ توالد و تناسل ہم نے اس غرض سے رکھا ہے) تاکہ ہم تمہارے سامنے (اپنی قدرت کا ایک کرشمہ ظاہر کریں (اور) تمہیں بتا دیں کہ تمہاری اصلیت و حقیقت کیا ہے) اور ہم (جس نطفہ گوشت کو چاہتے ہیں نامکمل گرا دیتے ہیں اور) جس کو چاہتے ہیں ایک

مقررہ وقت تک زندہ رہ اور کئی کے پیٹ ہی میں گر جاتے ہیں۔ پیدائش کے بعد بچہ کی تربیت ہوتی ہے۔ بچپن میں پھر تمہارے جسم کی تربیت و نگرانی کرتے ہیں، تاکہ تم بھرپور توانائی تک پہنچو۔ اور تم میں سے بعض کو بعض لے لیے جاتے ہیں جو چھوٹی عمر میں مر جاتے ہیں، اور بعض ایسے ہیں کہ انہیں ناکارہ عمر، رذیل عمر تک پہنچایا جاتا ہے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد کچھ نہ سمجھیں۔ جیسے بے شعور دنیا میں آئے تھے ویسے ہی بے شعور دنیا سے رخصت ہوں۔

تربیت اور نگرانی کی تشریح یہ ہے کہ جس طرح پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پیٹ میں مدارج طے کرائے جاتے ہیں، اسی طرح پیدا ہونے کے بعد ماں کی چھاتیوں سے دودھ کے دو چشمے جاری ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے بندے اللہ کے بندوں کے ساتھ اللہ کے احکام کے مطابق سلوک کریں تو اللہ کے خزانے میں نہ آسائش بدن کے سامان کی کمی ہے اور نہ آسائش روح کے سامان کی۔ رزق عمر بھر آسانی سے مل سکتا ہے جس آسانی سے ابتدا تک امیر اور غریب کو ملتا ہے۔ بچے دودھ پیتے ہیں اور دودھ ختم کا ختم رہتا ہے۔ جتنی ضرورت زندگی کی آسانی سے مل سکتی ہیں۔ وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ۔ شرط صرف یہ ہے کہ اللہ کے احکام اور قوانین کی پابندی کی جائے اور رزق اللہ کے ہاتھ میں رکھا جائے زمیندار اور کارخانہ دار تاجر اور اہل اقتدار لوٹ نہ سکیں۔

خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَأَنزَلَ لَكُم مِّنَ الْأَنْعَامِ ثَمَانِيَةَ
أَزْوَاجٍ ۚ يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا
مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۖ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُونَ ○

اللہ نے تم (سب انسانوں) کو ایک انسان (یعنی آدم) سے پیدا کیا ہے۔ اسی انسان سے اس کا جوڑا نکالا اور تمہارے لیے (صرف ماں کے دودھ پر اکتفا نہیں کی) آٹھ نر مادہ چوپائے (اونٹ گائے، بھیڑ، بکری بھی) پیدا کر دیئے (تاکہ ماں کا دودھ چھٹنے کے بعد وہ چوپائے تمہیں دودھ دیا اور دوسری آسائش بہم پہنچائیں) اللہ (ایسا خالق ہے کہ) تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر تین اندھیروں (ماں کے جوفِ بدن بطن اور جھلی) کے اندر پیدا کرتا ہے۔ یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار اسی کی (دونوں جہان میں) حکومت ہے۔ (اور) اس کے سوا کوئی معبود (وزاع) نہیں ہے (پس) سے مونہہ موڑ کر کدھر جاتے ہو۔

اپنی پیدائش اور اپنے ہوش سنبھالنے تک کا زمانہ کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا۔ لیکن اور سینکڑوں کی پیدائش اور ہوش سنبھالنے کا زمانہ ہر شخص دیکھتا ہے اور ان سے کہا کرتا ہے کہ

بات بھی کرنی نہ آتی تھی تمہیں

یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

آج اینٹھتے اور اتراتے پھرتے ہو کل تن بدن کی خبر نہیں تھی۔ جانور کا بچہ سمجھدار ہوتا ہے تم اتنے بھی سمجھدار نہ تھے۔ مگر سب کچھ دوسروں سے کہا جاتا ہے۔ اپنی بابت خیال نہیں آتا کہ ہم خود کبھی ایسے تھے کہ رحمٰن و رحیم اللہ اگر ماں باپ کے دل میں محبت نہ ڈال دیتا تو چیلیں اٹھا لے جاتیں۔ آدمیوں میں نہ بیٹھانا تو جانوروں سے بدتر رہ جاتے صورت شکل عقل و

فراست، مال وزر، اقتدار و اختیار اللہ کی ویسی ہی نعمتیں ہیں جیساکہ پیدا کرنا اور وجود دینا ہے۔ اِن نعمتوں پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس کے بندوں کے ساتھ انسانیت سے پیش آنا چاہیئے۔ اللہ سے بغاوت نہیں کرنی چاہیئے اور اس کے بندوں سے فرعونیت نہیں برتنی چاہیئے خصوصاً اہلِ عقل کو
عقل کا کمال عقل کا گھمنڈ نہیں ہے عقل کی بے بضاعتی کا احساس ہے ؎

تم سمجھتے نہیں تو تم جانو
اپنے ہاتھوں تباہ ہو جاؤ

وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَالَہٗ مِنْ سَبِیْلٍ ○ اور جسے اللہ گمراہ رکھنا چاہے اس کے لئے ہدایت پانے کی کوئی سبیل نہیں ہے اور سمجھتے ہو تو لگے جو کچھ بیان کیا جائے گا وہ سب سمجھ میں آئے گا۔ اللہ چاہتا ہے کہ جو (گمراہ) تباہ (رہنے والا) ہو وہ (تمام) حجت کے بعد (گمراہ و) تباہ ہو، اور جو (دینِ حق پر) زندہ (رہنے والا) ہو وہ (بھی) دلیل (اور ثبوت) دیکھ کر زندہ رہے۔ لِیَهْلِكَ ○ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ؕ

انسان کی اولین غذا شہد ہے۔ ماں کے دودھ سے پہلے بچے کو شہد چٹایا جاتا ہے اور غذائے آخر بھی شہد ہے۔ مرتے وقت شہد دیتے ہیں اب مصنوعی دودھ اور مصنوعی شہد ملنے لگا ہے۔ لیکن مصنوعی ہر چیز ایسی ہے جیسے گھوڑے کی لید کو سکھا کر اور پیس کر کہا جائے کہ پسا ہوا دھنیا ہے۔ اصلی دودھ اور اصلی شہد اپنی اور مصنوعات کی طرح صرف اللہ پیدا کرتا ہے۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِىْ

مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا وَّ مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا
يَعْرِشُوْنَ ۙ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ
بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ
لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝

اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ تو پہاڑوں اور درختوں اور چھتریوں میں گھر بنالے (اور) پھر (اسے بنا یا کر) تو (ہمارے پیدا کئے ہوئے) سارے میووں میں سے (خوب) کھا (پی) اور اپنے رب کی راہ میں نہایت عاجزی سے چل پھر۔ (یعنی بارگاہِ ایزدی میں سرِ نیاز خم رکھ) اس (شہد کی مکھی) کے پیٹ میں سے گوناگوں رنگ کی پینے کی شے برآمد ہوتی ہے۔ جو لوگوں کے واسطے شفاہے۔ بے شبہ (یہ ایسی شے ہے کہ) اس میں سوچنے والوں کے لئے ہماری قدرت کی نشانی موجود ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝ اور (اے محمدؐ) جو مسلک ابراہیمی پر گامزن ہونے کے دعوے کرتے رہتے ہیں) تم انہیں ابراہیمؑ کا قصہ سنا دو (تاکہ وہ جانیں کہ ہمارے بندے ابراہیم کا مسلک کیا تھا) اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم (یہ) کس کی عبادت کیا کرتے ہو قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۝ انہوں نے جواب دیا ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان ہی پر (آسرا لگائے) بیٹھے ہیں۔ قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۝ ابراہیمؑ نے کہا۔ بھلا کسی ضرورت کے وقت جب تم انہیں پکارتے ہو اور ان سے مدد مانگتے ہو تو یہ تمہاری استدعا کو سنتے ہیں اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۝

یا تمہیں (کچھ) نفع و ضرر پہنچاتے ہیں۔ قَالُوْا بَلْ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۝ انھوں نے کہا (بلکہ) ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے (وہ ان کی پوجا کیا کرتے تھے) قَالَ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا كُنْتُمْ تَعْبُدُوْنَ ۝ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ ۝ ابراہیمؑ نے کہا۔ اچھا تم نے (کبھی) ان چیزوں کو جنہیں تم اور تمہارے بزرگان سلف پوجتے آئے ہیں (غور سے بھی) دیکھا ہے فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الَّذِيْ خَلَقَنِيْ فَهُوَ يَهْدِيْنِ ۝ وَالَّذِيْ هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ ۝ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ۝ یہ تو میرے حق میں اور ایک میرے حق میں کیا، تم سب پجاریوں کے حق میں) صریح دشمن ہیں (ان کی پوجا سے تم تباہ ہو رہے ہو اپنی عاقبت خراب کر رہے ہو) یہ ہمارے دوست نہیں دوست ہمارا صرف رب العالمین ہے جس نے مجھے (اور تمہیں اور کل کائنات کو پیدا کیا ہے۔ وہی میری رہنمائی کرتا ہے وہی ہے جو مجھے کھانا پینا دیتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو وہی مجھے شفا عطا فرماتا ہے وَالَّذِيْ يُمِيْتُنِيْ ثُمَّ يُحْيِيْنِ ۝ اور (وہی ہے جو مجھے موت دے گا (اور) پھر (قیامت کے دن) زندہ کر دے گا۔ وَالَّذِيْٓ اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ خَطِيْٓئَتِيْ يَوْمَ الدِّيْنِ ۝ اور جس سے مجھے توقع (رکھنی چاہئے اور) توقع ہے کہ (محض اپنے رحم و کرم سے) بروز قیامت میری ہر لغزش کو معاف کر دے گا

(اور انہیں ابراہیمؑ و نمرود کی گفتگو بھی سنا دو)

اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ

فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ط
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ج

جب ابراہیمؑ نے نمرود سے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو (سب کو) زندگی اور موت دیتا ہے تو نمرود بولا (یہ میں بھی کرتا ہوں) میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں (مجھے قدرت حاصل ہے کہ اگر کسی کو پھانسی ملنے والی ہو تو اس کی جان بخشی کر دوں اور جسے چاہوں پھانسی پر چڑھا دوں۔ نمرود کے اس لغو اور مہمل جواب پر) ابراہیمؑ نے (دوسری بات پیش کی اور) کہا۔ اللہ (روزانہ) مشرق سے سورج نکالتا ہے (تم ذرا ایک دن) اُسے مغرب سے نکال کر دکھا دو۔ یہ سن کر وہ کافر بھونچکا ہو گیا۔ (لیکن ایمان پھر بھی نہ لایا) اور اللہ (ایسے ہٹ دھرم اور) نا انصاف لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا۔

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي
السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ
عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّ بَاطِنَةً ط

(نادانو کیا تم کو (دنیا کی کسی شے میں اس کی قدرت کا جلوہ) نظر نہیں آتا۔ (کبھی تم اس بات پر غور کرتے ہو) کہ ارض و سمٰوٰت میں جو کچھ بھی ہے اللہ نے سب کو تمہارا تابعدار بنا رکھا ہے اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتیں بدرجۂ اتم تم پر نازل کر دی ہیں (مثلاً تمہارے اعضا اور اعضا کا باہم تناسب اور دیکھنے سننے کی ان گنت چیزیں اور قوت فہم و ادراک وغیرہ۔ پھر ابر کا آنا ہوا کا چلنا۔ آفتاب

له یہ ایسا جواب تھا جیسے آج کل کوئی کہے کہ میں مقررہ طریقے کی بجائے مادۂ تولید کو پچکاری کے ذریعے عورت کے رحم میں پہنچا کر انسان بنا سکتا ہوں۔

و ماہتاب کی درخشانی ۔ ان کا طلوع ہونا اور غروب ہونا، تاروں کی چمک دمک
جنگلوں کی خشکی تری ۔ دریاؤں کی روانی و طغیانی، پہاڑوں کی بلندی، زمین
کی پستی وحوش وطیور کی حیات و ممات، کیڑے مکوڑے، شجر، حجر، غرضیکہ کائنات
کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو تمہاری خدمت گزاری کے لئے حاضر نہ ہو اور دنیا میں
کوئی انقلاب ایسا رونما نہیں ہوتا جو تمہارے جسم یا تمہاری روح کو نفع نہ پہنچاتا
ہو۔ بہت سی چیزیں تمہارے جسم کی زندگی اور تازگی کا باعث ہیں اور بہت سی
تمہاری روح کو بالیدگی بخشتی ہیں اور بہت سی تبدیلیاں تمہیں عبرت کا سبق
دیتی ہیں (اور عقل سکھاتی ہیں)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ
وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ
وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ؕ

(اے انسان!) کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ اللہ (کبھی) رات کو دن میں داخل کر دیتا
ہے (اور کبھی) دن کو رات میں داخل کر دیتا ہے (کبھی دن کو رات سے بڑا بنا دیتا
ہے اور کبھی رات کو دن سے بڑا بنا دیتا ہے) اور نہ یہ (دیکھا کہ) اس نے
آفتاب و ماہتاب کو (ایسا) مسخر کر لیا ہے (کہ) ہر ایک (برابر اپنا) دورہ لگاتا
رہتا ہے۔ اور (نہ) یہ (جانا) کہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کی اللہ کو پوری خبر ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ
مِنْ دُوْنِهِ الْبَاطِلُ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ
الْكَبِيْرُ ؕ

یہ (تمام انتظامات) اس امر کی دلیل ہیں کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور (نیز) اس بات

کی (دلیل) کہ شرک کرنے والے اللہ کے سوا جن کو پوجتے ہیں وہ باطل ہیں، اور (نیز) اس بات کی (دلیل) کہ اللہ ہی کی ذات بزرگ اور برتر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○

(اے انسان!) کیا تو نے یہ نہیں دیکھا کہ کشتی دریا میں چلتی ہے (اور) اللہ کی مہربانی سے (ڈوبتی نہیں، حالانکہ اور بہتیری ڈوب جاتی ہیں) اور اللہ کشتی کو چلانے کے لیے ہوا بھیجتا ہے محض (اس غرض سے) کہ وہ تم (دنیا والوں) کو اپنی (قدرت کاملہ کی) کچھ نشانیاں دکھائے (بے شک) اس میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی بڑی بڑی) نشانیاں ہر اس شخص کے لیے (موجود) ہیں جو (حق پسند اور مخلص اور) صابر شاکر ہے۔

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ؕ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا كُلُّ خَتَّارٍ كَفُوْرٍ ○

(صابر شاکر ہے۔ اور (ان دو دلوں اور عیاروں کی طرح نہیں ہے کہ) جب (کشتی میں بیٹھے ہوئے ہوں اور پانی کی) موج سائبانوں کے مثل ان کے سر پر چھا جائے (اور انہیں اپنی جانوں کے لالے پڑ جائیں) تو (اس وقت تو مرد کے واسطے) اللہ ہی کو اسی کے مطیع (و منقاد) بن کر پکارنے لگیں۔ لیکن جب (اللہ انہیں (پانی سے) بچا کر خشکی کی طرف لے آئے تو بعض تو (خیر) راہ راست پر آ جائیں، اور (باقی رب کے سب ان کی انجادت و سرکشی میں لگ جاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ) فریبی جھوٹوں (اور احسانات کی) ناشکری کرنے والوں کے سوا کوئی بھی ہماری (قدرت و حکمت کی) نشانیوں کا انکار نہیں کر سکتا (اور ہماری) اطاعت اور فرمانبرداری سے

منحرف نہیں ہو سکتا۔)

قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ۝

(اے محمدؐ! لوگوں سے) پوچھو (تو) کہ (جب تم) برّی اور بحری مصائب (میں پھنس جاتے ہو تو اُن) سے تمہیں کون نجات دیتا ہے جسے دل ہی دل میں گڑگڑا، گڑگڑا کر پکارتے ہو، اور کہتے ہو کہ اگر تو نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا تو ہم ضرور اس کا شکر ادا کریں گے۔ (انہیں بتاؤ کہ اس مصیبت سے اور اس کے علاوہ ہر مصیبت سے اللہ تمہیں بچا سکتا ہے (مصیبت کے وقت اللہ ہی کو تم پکارتے ہو مگر زبان سے شکرگزاری کا وعدہ کر کے پھر تم ناشکرگزار رہتے ہو اور اپنی نجات کو دوسرے اسباب پر محمول کرتے ہو اور شرک کے مرتکب ہوتے ہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝

اے لوگو! عقل کا راستہ اختیار کرو اور اے عقل کے راستے پر آئے ہوؤں! تم ہی پھر سوچو۔ عبادت کا سزاوار وہی ہونا چاہیے یا نہیں جو پالنے والا اور خالق

ہے ۔ لہٰذا اپنے پالنے والے کی عبادت کرو جس نے تم کو پیدا کیا اور ان کو (بھی) جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں (اس عبادت گزاری سے تم صراطِ مستقیم پا لوگے اور) عجب نہیں (کہ عذاب سے) بچ جاؤ (اللہ وہ ہے) جس نے تمہیں اور تمہارے آباؤ اجداد کو صرف پیدا ہی نہیں کیا بلکہ تمہارے (اور تمہارے آباؤ اجداد کے) لئے (زمین و آسمان پیدا کرکے) زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنا دیا۔ اور آسمان سے پانی برسایا۔ پھر اس کے ذریعے تمہارے کھانے کے واسطے پھلوں کو پیدا فرمایا (دیکھو ایسے خالق۔ قادر اور رازق) اللہ کا کسی کو شریک (اور ہم پلہ) مت بناؤ (اتنی موٹی باتیں تو) تم سمجھ سکتے ہو۔

أَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ
لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ
ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُنْۢبِتُوْا
شَجَرَهَا ءَ إِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ
قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ۝

(سوچو تو) آسمان اور زمین کو آخر کس نے پیدا کیا ہے اور آسمان سے تمہارے واسطے پانی (کس نے) اتارا ہے (تمہاری زندگی کے سامان مہیا کرنے کے لئے مینہ کون برساتا ہے۔ کیا ہمارے علاوہ کوئی اور تمہارے خیال میں ہے) پھر اس (پانی) سے ہم نے بارونق (اور خوشنما) باغ اگائے۔ (اور تو خیر کیا خود) تم میں یہ طاقت نہیں تھی کہ (باغ تو باغ)، ان (باغوں) کے درختوں (میں کا ایک درخت، بلکہ درخت کی ایک پتی) کو پیدا کر دیتے۔ تو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود (شریک) ہے (جو ایسی قدرت رکھتا ہو۔ ہرگز نہیں)

ہے لیکن کافرانہ ذہنیت رکھنے والے سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتے بلکہ یہ (تو) وہ لوگ ہیں کہ سمجھ بھی لیتے ہیں تو، راہِ حق سے پھر جاتے ہیں (اور کج روی اختیار کرتے ہیں۔ انہیں کج روی کی عادت پڑ گئی ہے۔)

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ

بھلا زمین کو (رہنے سہنے کے قابل اور تمہارا) ٹھکانا کس نے بنا دیا اور (کس نے) اُس کے درمیان (جگہ جگہ) ندیاں، نہریں بہائیں۔ اور (کس نے اس کے ہلنے جلنے کو روکنے کے لئے (اس پر) اٹل پہاڑ کھڑے کر دیئے اور (کس نے) دو دریاؤں (اور دو سمندروں) کے درمیان پردہ (قائم) کر دیا (کہ وہ ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے کہیں آبادی کی خاطر دو دریاؤں اور دو سمندروں کے درمیان دور تک خشکی چلی گئی ہے۔ کہیں دو میٹھے اور کھاری پانی پاس پاس موجود ہیں اور میٹھے کا کھاری پر اور کھاری کا میٹھے پر اثر نہیں ہونے دیا جاتا۔ بتاؤ) کیا ہم کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے (جو یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ ہرگز نہیں) لیکن ان (کافرانہ ذہنیت رکھنے والے) لوگوں میں اکثر (ایسے جاہل ہیں کہ اس قدر واضح حقیقتوں کو بھی) نہیں جانتے (اور جاننے کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے)

اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ؕ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ؕ

(بھلا) کون ہے جو مضطر (اور بے قرار) کی فریاد سنتا ہے اور (اس کی) مصیبت

کو دفع کر دیتا ہے جب وہ مضطرب و بے قرار ہو کر التجا کرتا ہے اور کون
تمہیں بناتا ہے (تم انسانوں) کو زمین میں (اپنا) نائب بنا لیتے ہو (کہ زمین کے
مالک بنے بیٹھے ہو۔ بولو، بولو کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود ہے جس
نے یہ کرم اور احسانات کئے ہیں۔ ہرگز نہیں) تم نصیحت (تو) کم (ہی) قبول
کرتے ہو۔

اَمَّنْ یَّهْدِیْكُمْ فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ
یُّرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ
ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝

اچھا کون ہے جو خشکی اور تری کی تاریکیوں میں (ستاروں اور دیگر طریقوں سے)
تمہیں راستہ سجھاتا ہے اور (گھٹائیں لانے والی ٹھنڈی ٹھنڈی) ہواؤں کو (موسم
بہار کا) فرحت (جاں فزا) دینے کے لئے اپنے (باران) رحمت کے آگے
آگے کون بھیجتا ہے۔ (کیا) ہے اللہ کے ساتھ کوئی (اور) معبود؟
لوگ جیسے جیسے شرک کرتے ہیں اللہ (کی شان) اس سے بہت
(بلند اور) بالا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ
وَالْاَفْـِٕدَةَ ؕ

اور اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل بنائے (تاکہ
حق بات کو کانوں سے سنو، آنکھوں سے دیکھو اور دل سے یقین کرو)

كَیْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاكُمْ
ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ ثُمَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ق

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ
سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝

تم کیونکر اللہ کا انکار کرتے ہو۔ تم بے جان تھے تو اس نے تمہیں جان بخشی۔ پھر تمہیں وہ موت دے گا اور پھر تمہیں [illegible] کرے گا اور [illegible] [illegible] کے بعد حساب [illegible] کے [illegible] کے پاس [illegible] ہوگا۔ اوّل سے آخر تک [illegible] اور [illegible] محتاج ہے [illegible] قرآنی اور [illegible] [illegible]

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ
بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ
وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝

[illegible] (گھومتی ہوئی) زمین [illegible] کوئی تو ہے جس کے ہاتھ میں ان کا [illegible]

جہاز کو پانی پر تیرنا کس نے سکھایا۔ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب تو نہیں تیر سکتیں۔ پھر کسی کا تیرنا اور کسی کا نہ تیرنا کیا بتاتا ہے کیا لکڑی نے تیرنا تم سے سیکھا ہے؟ اچھا دیکھو، اس پانی میں (کچھ نظر آتا ہے) جو اللہ آسمان سے برساتا ہے (اور) پھر جس سے سوکھی ہوئی زمین کو شاداب کر دیتا ہے اور اس پر ہر نوع کے جانوروں کو پھیلا دیتا ہے (شاید کچھ نظر آجائے اور شاید کچھ عقل کام دے جائے) اور (ہاں) ہواؤں کے (رخ) بدلنے میں (اللہ کو تلاش کرو) اور بادلوں میں (بھی) کہ زمین و آسمان کے درمیان (کیسے پابند) مسخر ہیں۔ (یہ تمام چیزیں) اہلِ عقل (اور اہلِ بصیرت) کے واسطے (اللہ واحد کی قدرت کے) نشانات ہیں (بارش لانے والا - ہواؤں کو ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھیرنے والا اور بادلوں کو معلق اور بادلوں کی پرواز کو قابو میں رکھنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے)

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ ۚ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا ۚ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝ (اللہ) ایسا (صانعِ بے مثال) ہے کہ اس نے ایک اندازے کے ساتھ (یعنی اندھا دھند نہیں، جتنی ضرورت تھی اُتنا) آسمان سے پانی اُتارا (ہاں، ہم نے آسمان سے پانی اُتارا (اور) اُس سے مردہ بستی میں جان ڈالی (خشک زمینوں کو سیراب کر کے سبزہ اور کھیتیاں اُگائیں۔ زمین بھی مردہ سے زندہ ہوئی اور اس کے باشندے فاقوں سے مر جاتے، ان میں بھی زندگی پیدا ہوئی جس طرح یہ مردہ زمین از سرِ نو زندہ کی گئی ہے) اسی طرح تم (قیامت کے دن مدفنوں سے زندہ کر کے) نکالے جاؤ گے۔

هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝ وہی ماں کے پیٹوں میں جیسی چاہتا ہے تمہاری صورتیں

گھڑ دیتا ہے (جتنی انسانی پیکر) اور کسی کو بانجھ بنا دیتا ہے۔ یاد رکھو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ (بڑا) زبردست (اور) دانا ہے۔

وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ○ اور ہم نے ہر چیز کو جوڑے جوڑے (کر کے) بنایا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (آسمان کے مقابل زمین، آفتاب کے مقابل ماہتاب، نر کے مقابل مادہ، کیا ہماری قدرت کا کرشمہ نہیں ہیں۔ ان جوڑوں ہی کے ذریعے دنیا آباد ہے)

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ أَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہاری جنس سے تمہارے لئے بیویاں بنائیں اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے پیدا کئے۔ (بیویاں نہ ہوتیں تو دنیا کیسے بستی)

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ط يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ط يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ إِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاءُ الذُّكُوْرَ ○ أَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّإِنَاثًا ج وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاءُ عَقِيْمًا ط إِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ○ آسمانوں کی اور زمین کی بادشاہی اللہ کی ہے۔ وہ (قادرِ مطلق ہے) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے دیتا ہے یا بیٹے اور بیٹیاں ملا کر (دونوں صنف کی اولاد) عطا کرتا ہے۔ اور جسے چاہتا ہے بانجھ کر دیتا ہے (کہ اس کے اولاد نہیں ہوتی) بلاشبہ اللہ دانائے کُل اور قادرِ مطلق ہے۔

وَالَّذِيْ خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْفُلْكِ وَالْأَنْعَامِ مَا تَرْكَبُوْنَ ○ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ثُمَّ تَذْكُرُوْا نِعْمَةَ رَبِّكُمْ إِذَا اسْتَوَيْتُمْ عَلَيْهِ وَتَقُوْلُوْا سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ

نَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ۙ وَاِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ۝

ہے (خالق یکتا) اس لیے کہ اس نے سب ہی طرح کی چیزیں پیدا کی ہیں
چنانچہ تمہارے واسطے کشتیاں اور چوپائے (بھی) مہیا کیے ہیں جن پر
تم سوار ہوتے ہو (اور چوپایوں کو ایسا بنایا) کہ تم ان کی پیٹھ پر (آرام اور
اطمینان سے) بیٹھ سکو اور جب تم سوار ہو تو اپنے پروردگار کے احسان و
کرم کو یاد کرو اور بے ساختہ) تمہاری زبان پر آجائے کہ سبحان اللہ کیا
پروردگار ہے کہ) اس نے اس (سواری) کو ہمارا مسخر کر دیا ورنہ ہم ایسی
طاقت نہ رکھتے کہ اسے مسخر کر لیتے اور (ان نعمتوں سے چند روز فائدہ
اٹھا کر) بلاشبہ ہم اپنے پروردگار کے پاس واپس جانے والے ہیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَالْاَنْعَامَ
خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ
حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ
تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۭ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝
وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۭ وَيَخْلُقُ مَا لَا
تَعْلَمُوْنَ ۝ اللہ نے انسان کو ایک (گندے) نطفہ سے پیدا کیا اور پھر اسے
عقل و حکمت اور قوت و طاقت مرحمت فرمائی) تو وہ بجائے شکر کے اللہ کی قدرت
کی باتوں میں حجت و تکرار کرنے لگا اور خالق (رزق دینے والے) کے بارے میں بحث
اور جھگڑنے لگا حالانکہ اس خالق کا احسان سمجھ لیں تو بجائے اس کے
بحث کرنے والا) تمہارے لیے چوپایوں کو پیدا کیا جن (کی کھال) اور اون
میں تم لوگوں کو جاڑے کا لباس ہے اور (بہت سے) منافع ہیں اور ان میں سے
(بعض بعض) چوپایوں کو تمہارے لیے حلال کر دیا انہیں تم کھاتے ہو اور

ان میں تمہارے لئے ایک طرح کی زینت بھی ہے خصوصاً جس وقت کہ تم
انہیں شام کو جنگل سے گھروں کی طرف واپس لاتے ہو اور جس وقت کہ صبح کے
وقت انہیں جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور وہ تمہارے بوجھوں کو اٹھا کر
لاد کر ایسے ایسے دور دراز شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تم
اپنی جانوں کو تکلیف دئے بغیر نہیں پہنچ سکتے - بے شک تمہارا پروردگار
نہایت شفقت کرنے والا نہایت مہربان ہے۔ اسی نے تمہارے لئے
گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کو پیدا کیا تاکہ ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے
لئے باعث زینت بھی ہیں اور (ان چیزوں کے علاوہ) وہ ایسی ایسی چیزیں پیدا
کرتا رہتا ہے جن کو تم (ان کی پیدائش سے پہلے) نہیں جانتے - وعلی اللہ
قصد السبیل ومنہا جائر ولو شاء لہداکم اجمعین ۝ ھو
الذی انزل من السماء ماء لکم منہ شراب ومنہ شجر فیہ
تسیمون ۝ ینبت لکم بہ الزرع والزیتون والنخیل والاعناب ومن
کل الثمرات ان فی ذلک لآیۃ لقوم یتفکرون ۝ وسخر لکم
اللیل والنہار والشمس والقمر والنجوم مسخرات
بامرہ ان فی ذلک لآیات لقوم یعقلون ۝ وما ذرا لکم
فی الارض مختلفا الوانہ ان فی ذلک لآیۃ لقوم یذکرون ۝
وھو الذی سخر البحر لتاکلوا منہ لحما طریا وتستخرجوا منہ حلیۃ
تلبسونہا وتری الفلک مواخر فیہ ولتبتغوا من فضلہ
ولعلکم تشکرون ۝ والقی فی الارض رواسی ان تمید بکم
وانہارا وسبلا لعلکم تہتدون ۝ وعلامات وبالنجم
ہم یہتدون ۝ افمن یخلق کمن لا یخلق افلا تذکرون ۝

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝
وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ
دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ اَمْوَاتٌ غَيْرُ
اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ
فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۝

(الغرض مندرجہ بالا) اور (مندرجہ ذیل مخلوقاتِ الٰہیہ پر غور کرنے سے اللہ کی قدرت اور وحدانیت اور بے مثل اور شرک سے مبرّا و منزہ ہونے کا پورا پورا پتہ چل جاتا ہے اور صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ) سیدھا راستہ (دین اسلام کا ہے، کیونکہ وہ توحید کی تعلیم دیتا ہے اور کفر و شرک کے نقائص بیان کرتا ہے، اس کا بیان کرنا اور اس کا سمجھانا) اللہ کے ذمے ہے۔ اور بعض رستے ٹیڑھے (پڑ گئے اور منزلِ مقصود سے کوسوں دور) ہیں۔ (ان کی کجی اور خرابی کا حال بیان کرنا بھی اللہ کے ذمے ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنے پیغمبر محمدؐ اور اپنی کتاب قرآن کے ذریعے حق و باطل میں تمیز اور حق کی تعیین کردی) اور اگر اللہ چاہتا (اور اس کی مرضی یہ ہوتی کہ تم میں سے کوئی بھی گمراہ نہ رہے) تو اللہ تم سب کو سیدھے ہی رستے پر چلاتا۔ (مگر جسے سیدھا راستہ اختیار کرنا ہے وہ اللہ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر اختیار کرے، نشانیوں کی کمی نہیں) وہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی آتارا جس میں سے کچھ (تو تمہارے) پینے (کے کام) کا ہے اور (کچھ ایسا ہے کہ) اس سے (میدانوں اور باغوں میں گھاس اگتی اور درخت (پیدا ہوتے) ہیں جن میں تم (اپنے مویشیوں کو) چراتے ہو (نیز) وہ اسی (پانی) سے تمہارے لئے (ہرے بھرے) کھیت اور زیتون اور کھجور (کے درخت) اور انگور (کی بیلیں) اور ہر قسم کے پھل (پھول) اگاتا ہے (بعض کو تم جانتے ہو

اور بعض کو نہیں جانتے) بے شبہ ان (تخلیقات) میں غور کرنے والے لوگوں
کے لئے (اللہ کی وحدانیت اور قدرت و عظمت کی بہت بڑی) نشانی (موجود)
ہے۔ اس نے شب و روز اور آفتاب و ماہتاب کو تمہارے (منافع و فوائد
کے) تابع کر دیا ہے اور اسی طرح ستارے بھی اس کے حکم سے تمہارے منافع و فوائد کے تابع
بنے ہوئے ہیں۔ بے شبہ عقل مند لوگوں کے لئے ان (چیزوں) میں بھی
(اللہ کی قدرت کی بڑی بڑی) نشانیاں ہیں۔ اور (ان کے علاوہ) جو مختلف
شکل و صورت اور رنگ (روپ) کی چیزیں اس نے تمہارے نفع کے لئے
زمین پر اگائی ہیں بے شبہ ان میں (بھی) دھیان دینے والے لوگوں کے
لئے نشانیاں ہیں۔ اور اسی نے (دریا اور) سمندر پر بھی تمہارا تسلط کر دیا تاکہ
تم اس میں سے تازہ (تازہ) گوشت (یعنی مچھلیاں پکڑ پکڑ کر) کھاؤ اور اس
میں سے زیور (یعنی جواہرات) نکالو جنہیں تم پہنتے ہو۔ اور (اے انسان!) تو کشتیوں
کو دیکھتا ہے کہ پانی میں (کس طرح پانی کو) چیرتی ہوئی چلتی ہیں۔ اور (دریا و سمندر
کو تمہارے قبضے میں اس واسطے بھی کر دیا) تاکہ تم اس ذریعے سے دور دراز ملکوں
میں جا سکو اور تجارت وغیرہ کر سکو اور) اس کا فضل (روزی) تلاش کرو اور تاکہ تم
(ہماری ان بے شمار عنایات پر ہمارا) شکر ادا کرتے رہو اور اسی نے زمین میں
پہاڑ (میخوں کے مانند) ٹھونک دیے تاکہ زمین تم کو لے کر ڈگمگائے نہیں اور نہریں اور
راستے (بنائے) تاکہ تم منزل مقصود تک پہنچ سکو اور (راستہ کا پتہ چلانے کے لئے
بھی پہاڑوں اور درختوں کی نشانیاں (مقرر کیں) اور ستاروں سے بھی لوگ
رستے کا پتہ چلاتے ہیں (ستارے بھی اسی قدرت والے نے بنائے ہیں) تو
کیا جو (قدرت والا ایسی ایسی چیزوں کو) پیدا کرے (وہ) اس کے برابر
(خیال کئے جانے کا مستحق) ہے جو (اس قسم کی چیزوں میں سے) (ایک چیز بھی)

بنا سکے (اللہ کے سوا کوئی مٹی کا ذرہ اور جسم کا بال تک پیدا نہیں کر سکتا۔ نادانو!
تو کیا (یہ گناہ ہے جو اتنا سمجھانے پر بھی) تم نصیحت نہیں پکڑتے (دیکھو) تمہاری
ہر چیز اور یہ نعمت ہے اور (اللہ کی مہربانی کی یہ حالت ہے کہ) اگر تم اللہ
کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو (کبھی) ان کو پورا شمار میں نہ لا سکو گے۔ بے شک اللہ
غفور و رحیم ہے (جو سرکشی کے باوجود تمہیں نعمتوں پر نعمتیں عنایت فرماتا ہے۔ جس
سے نعمتیں تمہاری بڑھتی جاتی ہیں۔ اس سے یہ نہ سمجھنا کہ اللہ کو تمہاری سرکشی کی
خبر نہیں ہے۔ اللہ تمہاری مخفی باتوں سے بھی واقف ہے اور ظاہری باتوں سے بھی۔
اور خوب جانتا ہے۔ قیامت کے دن تمہیں سرکشی کی سزا ملے گی) اور اللہ کے سوا جن
کو یہ (نادان) پرستش کرتے ہیں وہ (ان چیزوں میں سے جنہیں ہم نے گنوایا
ہے) کوئی چیز (بھی تو) نہیں پیدا کر سکتے۔ اور وہ (پیدا کیا کریں گے) خود پیدا
کئے جاتے ہیں۔ (وہ تو) بے جان مردے ہیں اور (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ قیامت
کب آئے گی اور کب لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ (اے جادۂ مستقیم
سے بھٹکنے والو! سمجھ سے کام لو۔) تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پس
جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ان کے دل (ایک واقعی اور ہونے والی بات
کا) انکار کرتے ہیں اور وہ لوگ (حق کی طرف سے روگردانی اور) سرکشی
کرنے والے ہیں۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ط نُسْقِيكُمْ مِمَّا فِي بُطُونِهِ
مِنْ بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِلشَّارِبِينَ ۝ وَمِنْ ثَمَرَاتِ
النَّخِيلِ وَالْأَعْنَابِ تَتَّخِذُونَ مِنْهُ سَكَرًا وَرِزْقًا حَسَنًا ط إِنَّ
فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝ اور (تمہیں عبرت حاصل کرنی ہو تو
کائنات کے ذرے ذرے میں عبرت کا سامان موجود ہے۔ چنانچہ

تمہارے لئے مویشیوں میں عبرت (حاصل کرنے کی ایک خاص بات) ہے۔ (دیکھو)
ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (بھرا ہوا) ہے اس میں سے ہم ایسا خالص دودھ
نکال کر تم کو پلاتے ہیں کہ پینے والوں کے حلق سے (نہایت) آسانی کے
ساتھ اتر جاتا ہے (اور مزے میں بے حد خوش گوار ہوتا ہے) اور (علیٰ ہذا)
کھجور کے پھلوں اور انگوروں سے (بھی عمدہ عمدہ) کھانے پینے کی چیزیں ملتی ہیں۔
تم ان (کے شیرے) سے شراب (بھی) بناتے ہو اور نفیس غذا (بھی) تیار
کرتے ہو۔ لاریب سمجھ دار لوگوں کے واسطے اس میں بھی نشانِ عبرت ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ
ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ج ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ
ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ
وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ
رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ اور وہی تو ہے جو رات کے وقت تمہیں (سلا کر)
مردے (کی مانند) کر دیتا ہے[1] اور دن میں جو (جو) کچھ تم کرتے ہو اس کی خبر
رکھتا ہے۔ وہ (چاہے تو تمہیں دوبارہ جاگنا نصیب نہ ہو سکے، مگر) صبح پھر
اٹھا کر کھڑا کر دیتا ہے تاکہ (زندگی کی) معینہ میعاد پوری ہو جائے (زندگی
کی میعاد پوری کرکے) تم کو اس کے پاس واپس جانا ہے (وہاں) وہ بتائے گا،

لے نیند در حقیقت زندگی کی موت ہے اور زندگی کی طرح اللہ کا بہت بڑا احسان ہے۔
زندگی کو اپنی گود میں پرورش کرنے والی ماں، تھکے ہوؤں کے لئے راحت اور پریشانیوں
کے لئے سامان کی کوشش ہونی چاہیے کہ پوری زندگی کی موت بھی مثل نیند کے راحت اور
سکون کا موجب بن جائے بلکہ نیند سے زیادہ اور بے حد راحت و سکون کا موجب

(کہ دنیا میں) تم کیا کیا کرتے تھے (اور اس کا کیا بدلہ ہے) وہ اپنے بندوں پر (اس قدر) غالب ہے (کہ اس کے قبضہ و اختیار سے کوئی باہر نہیں ہے) وہ تم پر نگراں فرشتے متعین کرتا ہے (جو تمہاری حفاظت رکھتے ہیں) یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی (کی میعادِ زندگی ختم ہوتی ہے اور اس) کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے (ہمارے حکم کی تعمیل میں) کوتاہی نہیں کرتے ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ؕ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ۝ (مرنے کے بعد سب) اپنے حقیقی کارساز اللہ کے پاس واپس کردئیے جائیں گے (اور خوب سن لو اور مت بھولو کہ فیصلہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ حساب لینے میں بہت تیز ہے (دیر نہیں لگاتا)

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ۝ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ۝ (لوگو! اللہ ہی) ہے جو (زمین کے اندر سے) دانے اور گٹھلی کو پھوڑ کر نکالتا ہے (اور ان حقیر سی چیزوں سے تنا ور درخت پیدا کرتا ہے۔ وہی) بے جان (اور مردہ) سے زندہ (اور جاندار چیز) کو نکالتا ہے اور (وہی) زندہ سے مردے کا نکالنے والا ہے۔ (اور لوگو!) یہی تو (تمہارا) اللہ ہے۔ پھر تم (اس معبودِ برحق کو چھوڑ کر ادھر ادھر) کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہو (وہی) صبح کا نمودار کرنے والا ہے اور (اسی نے)

رات کو آرام کے لیے اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے بنایا ہے۔ یہ (رات اور دن اور ماہ و سال کے) اندازے (اسی) زبردست (اور) دانا کے باندھے ہوئے ہیں۔ اور وہی ہے جس نے (سہولت بہم پہنچانے کو) تمہارے واسطے ستارے بنا دیئے ہیں کہ تم خشکی اور تری کی تاریکیوں میں ان کے ذریعے رستہ معلوم کر سکو۔ (ان دلائل سے) ہم نے ان لوگوں کے لیے جو (ذرا بھی) عقل رکھتے ہیں (اپنی) نشانیوں کو خوب صاف کر دیا ہے۔ اور سنو، اللہ وہ ہے جس نے (صرف) ایک شخص (آدم) سے تم (سب کو) پیدا کیا، پھر (پیدا ہونے کے بعد) تمہارے دو ٹھکانے ہوتے ہیں، دنیا اور آخرت۔ سو آخرت مستقل رہنے کی جگہ ہے اور (دنیا) تھوڑے عرصے رہنے کی جگہ۔ ہم نے (اپنی) نشانیوں کو ان لوگوں کے لیے جو غور و فکر کرتے ہیں تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝ اور وہی ہے جس نے آسمان سے

پانی برسایا (بہ صورت بارش) پھر اس (پانی) کے ذریعے ہم نے ہر قسم کی نباتات اگائی (اور)
پھر ہم نے اس (نباتات) میں سے ہری ہری شاخیں نکالیں (اور) شاخوں
میں سے ہم (ایسے) خوشے نکالتے ہیں (جن کے) دانے ایک دوسرے
پر چڑھے ہوتے (لپٹے ہوتے ہیں) اور کھجور کے گابھے سے (ایسے) خوشے (پیدا
کرتے) ہیں، جو (پھلوں کے بوجھ سے زمین کی طرف) جھکے پڑتے ہیں اور (اسی برسائے ہوئے
پانی سے) ہم نے انگور اور زیتون اور انار (وغیرہ) کے باغ (کھڑے کر دیئے
جن کے پھل) ایک دوسرے سے مشابہ بھی ہیں اور نہیں بھی مشابہ (پھل ہونے
کے اعتبار سے سب پھل ہیں لیکن ذائقہ ایک ایک کا جدا ہے۔ لوگو! (ذرا) ہر
درخت کے پھل کو دیکھو (تو سہی) کہ جب وہ (درخت) پھل لاتا ہے (تو کس
طرح لاتا ہے) اور پھر اس (پھل) کے پکنے کو دیکھو کہ وہ کس طرح پکتا ہے۔
اگر غور و فکر کی عادت ہو اور عقل و دانش سے کام لیا جائے تو ان چیزوں میں
اہل ایمان کے لیے (اللہ کی قدرت کی نشانیاں ہی) نشانیاں ہیں۔ اور لوگوں
نے اس کے برخلاف) اللہ کے ساتھ جنوں کو شریک ٹھہرا لیا ہے۔ حالانکہ جنوں کو
(بھی) اللہ نے پیدا کیا ہے (وہ اس کے شریک کیا ہو سکتے ہیں) اور (یہی نہیں،
ان لوگوں نے بغیر کسی معلومات کے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں فرض کر رکھی
ہیں۔ اللہ ان باتوں سے جن کی یہ لوگ اس کی طرف نسبت کرتے ہیں) پاک اور
برتر ہے۔ وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے۔ (اور) اس کی اولاد ممکن کیوں کر
ہے جب کہ اس کی کوئی بیوی (ہی) نہیں ہے۔ (وہ تو خالق ہے) اور ہر چیز کو
اسی نے پیدا کیا ہے اور وہی (اپنی مخلوقات میں سے) ہر شے کے متعلق (ہر قسم کا)
علم رکھتا ہے۔ یہی اللہ (جس کی اتنی صفتیں بیان کی گئی ہیں) تمہارا پروردگار
ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے (وہی) ہر شے کا پیدا کرنے والا ہے

لہٰذا تم اُس کی (اور فقط اس کی) عبادت کرو۔ اور وہی ہر چیز کا (یعنی پیدا شدہ تمام
مخلوقات کا) نگہبان ہے (مخلوق کی) آنکھیں اُسے نہیں دیکھ سکتیں اور وہ
(سب کی) آنکھوں کو دیکھتا ہے۔ وہ نہایت باریک بین (اور) باخبر ہے۔
آیتیں اور بھی بہت ہیں۔ قرآن مجید کا مقصد اللہ کا تصور کرانا ہے۔ اور
آیتوں کی کیا کمی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سامنے آ جاتا یا سامنے
آ جاتا تو اس کے ملنے میں ہماری سمجھ کا کیا کمال ہوتا۔ یہاں ہم بھیجے اس لیے
گئے ہیں کہ ہمارے حسنِ عمل کی جانچ کی جائے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ
اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔ مگر اللہ تعالیٰ نے سمجھانے میں کسر نہیں چھوڑی ہے۔
میں "اللہ کا اسمائی تصور" کے نام سے الگ کتابچہ ترتیب دے رہا
ہوں۔ تمام آیتوں کو شمار کر کے کتابچہ تیار کر رہا ہوں گا۔ مضمون ختم ہونے کو آ گیا ہے
کافی ہیں۔ اور یہ مضمون ہی کتابچہ بن جائے گا۔ ذیل میں سورۃ رحمٰن کا کچھ حصہ
نقل کر کے مضمون ختم کیا جاتا ہے۔
اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ (وہ بادشاہ قادر و قیوم جس کی بارگاہ
کے آگے سب ہستیوں اور پیغمبر گنہگاروں کی گردنیں جھکی ہیں بڑا ہی رحمٰن اور رحیم ہے جس نے
(جہالت کے اندھیرے سے علم کی روشنی میں لانے کے لیے) قرآن (عظیم الشان) کی
تعلیم کا شیوہ اختیار فرمایا۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (اور تعلیم
اور امر و نہی کی اشاعت کے لیے ایک باختیار مخلوق درکار تھی۔ لہٰذا اس نے
انسان کو پیدا کیا۔ اور چونکہ تعلیم و تعلم کے لیے اظہار خیال پر قدرت ہے (لازم)
اس نے انسان کو قوت گویائی عطا کی۔ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝
وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ ۝ (اور اسی مقصد تعلیم و تعلم یا افہام و تفہیم اور
دیگر جہانی منافع کی غرض سے حرکاتِ شمس و قمر (اس نے) ٹھیک ٹھیک حساب سے

(مقرر کی) ہیں (تاکہ جو لوگ قرآن کے مضامین میں غور و خوض نہیں کر سکتے وہ آسمان
کے حالات دیکھ کر ہی نتیجے تک پہنچ جائیں) اور (باطل پرستی چھوڑ کر خلاق عالم کی
پرستش کرنے لگیں، بے شک و شبہہ وہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا معبود
ہے یہ سوکھے) جھاڑ جھنکاڑ اور (ہرے بھرے) درخت (اسی کو) سجدہ کرتے ہیں۔
وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ ۙ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ○ اور انسان
کے حال پر جو اس کی مہربانی ہے وہ بے انتہا ہے) اس نے (سائبان کی طرح)
آسمان کو بلند کیا۔ اور (خرید و فروخت میں آسانی کی خاطر) ترازو کو وضع کیا
تاکہ تم تولنے میں حد سے نہ گزر جاؤ۔ وَاَقِيْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا
الْمِيْزَانَ ○ اور (ٹھیک) ٹھیک انصاف (اور ایمانداری) کے ساتھ تولو۔
اور تول میں (کبھی) کمی نہ کرو۔ وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ ۙ فِيْهَا فَاكِهَةٌ
وَّالنَّخْلُ ذَاتُ الْاَكْمَامِ ۖ اور اس نے (اپنی) مخلوقات (کے آرام کے
لئے) زمین کو (فرش کی طرح) بچھایا۔ اس میں (انواع و اقسام کے) میوے اور
(تمہاری مرغوب) کھجوریں (پیدا ہوتی) ہیں جن پر غلاف کی طرح چھلکے ہوتے
ہیں۔ وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۚ اور (اس زمین میں) دانہ (اناج
پیدا ہوتا) ہے جس کے ساتھ بھس اور خوشبودار پھول (بھی ہوتے)
ہیں۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ تو (اے جن و انس) تم اپنے پروردگار
کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَّارِ ۙ
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○ اس
نے انسان کو ٹھیکری جیسی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا اور جن کو شعلہ زدہ آگ سے پیدا
کیا۔ تو (بولو اے جن و انس!) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا انکار کرو گے
رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ○

وہ مالک ہے مشرقوں کا اور وہ مالک ہے مغربوں کا پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت کا) انکار کروگے۔ مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۙ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اس نے دو (مختلف الصفات) سمندروں کو (اس طرح) ملا دیا ہے (کہ دیکھنے میں) وہ (ایک اور) ملے ہوئے ہیں (لیکن حقیقتاً بالکل الگ ہیں) ان دونوں کے درمیان آڑ ہے (جس کی وجہ سے) دونوں (باہم) گڈمڈ نہیں ہوتے پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں کا (اور کس کس قدرت کا) انکار کروگے يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ان دونوں (سمندروں) میں سے موتی اور مونگے (وغیرہ) نکلتے ہیں (جن سے تم جڑاؤ زیور اور دوسرے زیب و زینت کے سامان تیار کرتے ہو) پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت) کا انکار کروگے۔ وَلَهُ الْجَوَارِ الْمُنْشَئٰتُ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ اور سمندر میں پہاڑوں جیسے (یہ) چلنے والے جہاز جو (قائم رہتے) ہیں اور ڈوبتے نہیں یہ بھی اسی (بزرگ و برتر) کے (حکم سے قائم رہتے) ہیں پس اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت) کا انکار کروگے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ۚ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ (مگر یاد رکھو) زمین پر جو (نعمت بھی ہے اور جو شے بھی) ہے (ایک نہ ایک دن) وہ فنا ہونے والی ہے اور تمہارے پروردگار کی ذات جو بزرگی اور عظمت والی ہے (صرف وہی) باقی رہے گی۔ پس اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت) کا انکار کروگے اور اس کی مہربانیوں کی کہاں تک ناشکری کرتے رہوگے يَسْـَٔلُهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ ۚ فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝ ارض و سماوات میں جو ہے (اگرچہ بظاہر کسی کے سامنے بھی دستِ سوال دراز کرے، درحقیقت) وہ

اسی سے سوال کرتا ہے (اور اسی سے مدد و نصرت حاصل کرتا ہے کیونکہ جس کے سامنے دستِ سوال دراز کیا جاتا ہے وہ خود اس کے محتاج ہیں۔ سائل اور مسئول دونوں کا خالق و مالک وہی ہے) وہ ہر روز (اور ہر آن ایک نئی) شان میں (جلوہ گر) ہوتا ہے۔ (کسی کو سائل بنا دیتا ہے کسی کو مسئول) پس تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس قدرت) کا انکار کرو گے۔ سنفرغ لکم ایہ الثقلان ۝ فبای آلاء ربکما تکذبان ۝ عنقریب ہم (دنیا کے کارخانے کو ختم کر کے) تمہارے (حساب کتاب کے) لئے فارغ ہوئے جاتے ہیں۔ پھر (اس وقت دیکھیں گے کہ) تم اپنے پروردگار کی کن کن نعمتوں (اور کس کس کرشمۂ قدرت) کا انکار کرو گے۔

اس قسم کی آیات سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے، لیکن عام شعور نے اگر غور نہیں کیا ہے تو ان آیتوں کبھی اللہ کو سمجھنے اور ماننے کے لئے کافی ہیں۔ سیدھی بات یہ ہے جیسے کہ ابتداً کہی گئی کہ اللہ کو سمجھنا اور ماننا اس وقت ممکن ہے کہ انسان اپنی بابت غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے۔ جو اللہ کا تصور کیا ہے کا جو چاندی سونے کے چند ٹکڑے۔ ذرا سا اقتدار، اور تھوڑا سا علم حاصل ہوتے ہی اپنی حقیقت کھول جاتا ہے اور یہ آیت پڑھنا ہے ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا۔ حقیقت یہ ہے کہ (ہر) انسان پر دہر میں ایک وقت ایسا گزر چکا ہے کہ وہ قابلِ ذکر شے نہیں تھا۔

ایمان و عمل

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مذاق اور چھیڑ کے طور پر کہا "تمہارے پیغمبر صاحب تمہیں ہر بات کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں"۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے فرمایا "ٹھیک ہے۔ حضور نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رُخ مت بیٹھو، دائیں ہاتھ سے طہارت نہ کرو۔ کم از کم تین ڈھیلے لو۔ اور فرمایا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے طہارت نہیں ہوتی"۔

کچھ خیال ہے، انسان کتنی عمر میں پاکی اور ناپاکی کا فرق سمجھتا ہے اور ماں کے کتنے سمجھانے سے سمجھتا ہے۔ ماں کو اس کی ماں نے سمجھایا تھا اور اس ماں کو اس کی ماں نے۔

سمجھانے کا یہ سلسلہ کہیں تو جا کر ٹھہرنا چاہیئے، آخر کوئی تو تھا جس نے پاکی اور ناپاکی کا فرق سب سے پہلے محسوس کیا، یا جسے اللہ نے براہ راست محسوس کرایا۔ نبی ہی ہے پہلا وہ شخص جس نے صرف پاکی اور ناپاکی کیا، انسان

کو پوری انسانیت کے سبق ایک ایک کر کے پڑھانے شروع کیے، انبیاء
بتدریج یہ سبق نہ پڑھاتے رہتے تو انسان رفع حاجت کے بعد جانوروں
کی طرح اٹھ کھڑے ہوا کرتے۔

پھولوں اور پھلوں اور جانوروں کی نسل میں خوبیاں بڑھانے کی تدبیریں تو ہم آپ بھی سوچتے ہیں لیکن انسانوں کو انسان بنانے کا کام انبیاء اور ان کے حقیقی متبعین کے سوا کسی نے نہیں کیا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معلم آخر اور خاتم نبوت ہیں۔ حضورؐ کے ہاتھوں سے دین کی تکمیل کی گئی ہے، لہذا انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور ایمان و عمل کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو حضورؐ سے چھوٹ گیا ہو۔ حضورؐ نے وفات سے چند دن قبل اپنی الوداعی تقریر میں ارشاد فرمایا تھا کہ "میں تمہیں اتنے روشن راستے پر چھوڑے جاتا ہوں جس کی رات بھی دن جیسی ہے" قد ترکتکم علی البیضاء لیلها کنهارها

قرآن اور حدیث میں بلند اور متمدن اقوام ہی کے لئے نہیں پست اور غیر متمدن اقوام کے لئے بھی تعلیمات و ہدایات ہیں۔ اللہ کے ساتھ تعلق ہو یا اللہ کے بندوں کے ساتھ، عقائد ہوں یا عبادات، آداب مدنیت ہوں یا خانگی قصے حضورؐ کی ہمہ گیر تعلیم سب پر حاوی ہے۔

حضورؐ کی تعلیم کے دو حصے ہیں، ایک کا تعلق خالق سے ہے دوسرے کا مخلوق سے۔ پھر خالق سے تعلق دو شقوں میں منقسم ہے، عقیدہ اور عبادت اور مخلوق سے تعلق بھی دو شقوں میں منقسم ہے۔ معاملہ اور اخلاق۔

عقیدے کی پختگی کا نام ایمان ہے۔ اور عبادت، معاملہ، اور اخلاق تینوں کی بجا آوری کا نام عمل یا عمل صالح ہے۔

عقیدے کا اثر عمل ہی پر نہیں چہرے تک پر پڑتا ہے۔ انسان کا
چہرہ ظاہر کر دیتا ہے کہ دماغ میں کیا سمایا ہوا ہے اور عمل تو قطعی عقیدے
کے مطابق رہتا ہے۔ جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے
آئے تھے۔ جب جان گئے کہ حضرت موسیٰ نبی ہیں تو فرعون کا خوف انہیں
حضرت موسیٰ کی پیروی سے نہ روک سکا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ
ہمیں چاہے کاٹ ڈالو، ہم تو اب اللہ کے ہو چکے۔

قَالُوا لَن نُّؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ
الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنتَ
قَاضٍ ط إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ط
إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ط وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ط

انہوں نے فرعون سے کہا۔ ہم اللہ کی قدرت کے واضح دلائل کے بعد
جو ہمارے سامنے آ گئے ہیں ہم (تیری) کوری باتوں کو، اور اس خالق
(کو) جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھ کو ہرگز (ہرگز) ترجیح نہیں
دیں گے۔ پس جو (ارادہ) ہو تو ہمارے ساتھ کرنے والا ہے کر ڈال۔
(ہمیں پرواہ نہیں) تو جو کچھ کر سکتا ہے، اس دنیا کی (چند روزہ)
زندگی میں کر سکتا ہے (اور) ہم اپنے (دونوں جہان کے) مالک پر
ایمان لے آئے ہیں تاکہ وہ ہماری (اگلی پچھلی) خطاؤں کو اور (اس) خطا کو
(بھی) جادوگری کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاف فرما دے
اور ہمیں اپنی راحت دے۔ تیرا انعام بھی فانی ہے اور تیری ایذا بھی
بھی فانی ہے، اور اللہ (کی داد و دہش) تجھ سے بہتر اور باقی ہے۔

کا عذاب وعتاب تیری ایذا دہی سے) بہت زیادہ (دیر) باقی رہنے والا ہے۔

خیر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کا عمل عقیدے کے تابع ہوا کرتا ہے۔ عقیدہ بنیاد ہے۔ عمل عمارت

قرآن مجید نے جہاں جہاں عملِ صالح کا نام لیا ہے وہاں ایمان کا پہلے ذکر کیا ہے۔ عمل ناقابلِ قبول ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایمان شامل نہیں ہے۔ ایمان کے بغیر عمل حسنِ خلوص سے محروم رہتا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ایک بڑے بہادر شخص نے آکر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اپنی طرف سے لڑنے کی اجازت دے دیجیے۔ حضورؐ نے پوچھا تم مسلمان ہو؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری مدد نہیں درکار۔ مسلمان اس کی بہادری کے خیال سے اُسے شریک کرنے کے متمنی تھے۔ مگر حضورؐ نے دو دفعہ اس کی درخواست نامنظور فرمائی، حضورؐ کی بے نیازی سے وہ حضورؐ کا گرویدہ ہو گیا اور ایمان لے آیا غرض کہ اللہ اور رسول حُسنِ خلوص کے بغیر معمولی عمل کیا، جہاد جیسے عمل کو بھی قبول نہیں کرتے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَاتِ عمل کی کسوٹی نیت ہے دو آدمی کسی اچھے کام میں چندہ دیں۔ ایک اللہ کی خوشنودی کے واسطے اور دوسرا نمائش اور ناموری کے واسطے، آپ اللہ کی خوشنودی کے خواہش مند کو نمائش و ناموری کے خواہش مند سے زیادہ خوش اور بشاش پائیے گا۔ اس کے پاس اللہ کے ہاں سے رسید سی آجائے گی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُبْطِلُوا صَدَقَاتِكُمْ
بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ
رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ط
كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ
فَتَرَكَهُ صَلْدًا ط لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِمَّا
كَسَبُوا ط

اے مسلمانو! اپنی خیراتوں کو احسان جتا جتا کر اور اُلاہنے دے دے کر اس طرح رائگاں مت کرو۔ جس طرح وہ رائگاں کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کی غرض سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا ——— (کہ نیکیوں کی جزا دینے والا بھی کوئی ہے اور نیکیوں کی جزا ملنے کا بھی کوئی دن مقرر ہے)۔ اُس کی خیرات مثل اس چٹان کے ہے جو بس اتنی مٹی سے ڈھکی ہوئی ہو کہ ذرا سا پانی اُس پر برسا اور مٹی دھل کر پتھر رہ گیا جس پر اگر کچھ بویا جائے گا، تو وہ اُگے گا نہیں۔

أَوْ كَظُلُمَاتٍ فِي بَحْرٍ لُجِّيٍّ يَغْشَاهُ مَوْجٌ مِنْ
فَوْقِهِ مَوْجٌ مِنْ فَوْقِهِ سَحَابٌ ط ظُلُمَاتٌ
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ط إِذَا أَخْرَجَ يَدَهُ لَمْ
يَكَدْ يَرَاهَا ط وَمَنْ لَمْ يَجْعَلِ اللَّهُ لَهُ نُورًا
فَمَا لَهُ مِنْ نُورٍ ط

یا اُن کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں اندھیرا چھایا ہوا ہو۔ اور موج پر موج اُٹھ رہی ہو، اور اوپر بادل چھایا ہو

یعنی معمولی اندھیرا نہیں) اندھیروں پر اندھیرے ہوں کہ اس میں (انسان)
ہاتھ نکالے تو ہاتھ نہ سجھائی دے (یاد رکھو جسے اللہ نے نور نہیں دیا،
اس کے لئے نور ہے ہی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ
يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ
لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا۔

جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کے مانند ہیں، جو
میدان میں (دور سے نظر آتا ہے اور جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے)
مگر جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی نہیں ہوتا۔

قرآن، حدیث نے علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یہ کیسے
ممکن ہے کہ ہمیں کسی جگہ سانپ کے ہونے کا علم ہو اور ہم وہاں بے دھڑک
گھسے چلے جائیں، علیٰ ہذا ہمیں علم ہو کہ فلاں کام کی جزا جنت ہے، اور
فلاں کام کی سزا جہنم، تو ہم جنت ہی میں جانے کا کام کریں گے جہنم میں
جانے کے کام نہیں کریں گے، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ ہمارے
علم کا چھوچھرا پن اور قصور ہے، علم الیقین کے مرتبے تک نہیں پہنچا ہے۔[1]

لہ یہ الگ بات ہے کہ یقین کے مرتبے پر پہنچ کر بھی انسان پورا حق عبدیت ادا نہیں کر سکتا۔
یقین کے بھی مراتب ہیں۔ انبیا کا یقین، صدیقین کا یقین، اولیا کا یقین اور عوام کا یقین۔
حق عبدیت درجہ بدرجہ ہی ادا ہوتا ہے۔ انبیا بھی دعوے نہیں کرتے کہ ہم نے حق عبودیت
ادا کر دیا۔ اور ہم عوام تو بہرحال عوام ہیں۔ گناہ سے ہم نہیں بچ سکتے مگر بہرحال
میں کچھ اور بات کہہ رہا تھا۔

علم کی بجائے سراب غم حاصل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں علم جب آتا ہے تو عمل کو زور پکارتا ہے۔ عمل اگر آ جاتا ہے، تو علم ٹھہرتا ہے ورنہ خود بھی چلا جاتا ہے۔

اسلام میں عمل کی بڑی اہمیت ہے، جس طرح عمل بغیر ایمان کے راکھ کا ڈھیر ہے جسے ہوا اڑا کر لے جاتی ہے۔

اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ٱشْتَدَّتْ بِهِ ٱلرِّيحُ فِى يَوْمٍ عَاصِفٍ

اسی طرح ایمان بغیر عمل کے متعلق ارشاد ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ط

(اے مسلمانو!) کیا تمہیں گمان ہے کہ تم جنت میں (یوں ہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم کو ابھی ان لوگوں کے سے حالات پیش نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ

(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالےٰ نے (ابھی) انہیں نہیں پرکھا ہے جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔

ایمان کے پانچ اصول سکھائے گئے ہیں:

(۱) اللہ پر ایمان (۲) رسولوں پر ایمان (۳) فرشتوں پر ایمان (۴) صحیفوں پر ایمان (۵) آخرت اور جزا و سزا پر ایمان۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کسی نے بنایا ہے، ہم خود بخود نہیں بن گئے ہیں۔ ہر شئے کسی نہ کسی کے بنانے سے بنتی ہے۔ وہ ہمارا خالق ہی ہمارا الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت اور اطاعت کا مستحق نہیں ہے۔

ساری دنیا اللہ تعالےٰ نے ہمارے لئے پیدا کی ہے اور ہم کو اپنے لئے پیدا کیا ہے، جمادات، نباتات، اور حیوانات کا مقصد تخلیق انسان کے کام آنا ہے، لکڑی چولہے میں سلگاوٴ یا لکڑی کا صندوق تیار کر لیا، لکڑی کا مقصد تخلیق پورا ہو گیا۔ انسان کا مقصد تخلیق جمادات، نباتات اور حیوانات کے کام آنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت و طاعت کرنا ہے۔

اِنَّ الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاِنَّكُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ

اگر انسان کا مقصد تخلیق، اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں ہے، تو انسان بے مقصد اور عبث مخلوق ہے، اشرف المخلوقات کا بے مقصد اور عبث ہونا عقل میں نہیں آتا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کیا ہے، اور تم کو (مرکر) ہمارے پاس نہیں آنا۔ (تمہارا مقصد پیدائش ہماری عبادت و اطاعت ہے)

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

جن وانس کو عبادت واطاعت کے سوا کسی مقصد سے پیدا نہیں کیا گیا۔

(۲) اللہ ایسا خالق ہے کہ اپنی ہر صناعی میں ہم تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج ہیں مگر اسے اپنی صناعی میں کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے، مکڑی کو جال تلنا، اور شہد کی مکھی کو محال لگانا بھی اللہ نے سکھایا ہے، اور انسان کو بھی صناعی کی قابلیت و قدرت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ مگر جن مصنوعات پروردگار سے انسان صناعی کا کمال دکھاتا ہے، ان پر اللہ کا قبضہ ہے۔ انسان ریت کے ذرے سے بمب بنا سکتا ہے، لیکن ریت کا ذرہ نہیں بنا سکتا، مادہ تولید کو پچکاری کے ذریعے رحم میں پہنچا سکتا ہے، مگر مادۂ تولید تیار نہیں کرسکتا۔

(۳) اللہ ایک ہے۔ اللہ کو شریک و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تنہا کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی ملکیت حقیقی اور پکّی ہے، ڈانواڈول اور چھن جانے والی نہیں ہے[۵]۔ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عزت، دولت اور حکومت بخش دیتا ہے، اور جس کو نااہل دیکھتا ہے اسے ان نعمتوں سے محروم کردیتا ہے۔

شریعت کی تاسیس، حلال وحرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امرونہی کے احکام، یہ سب اللہ کے کام ہیں اور رسول ان کے

۵۔ خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں
خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے "صاحب" بھی مرتے ہیں (اکبرؔ)

مبلغ اور شارح ہوتے ہیں۔

عالم الغیب صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیب داں نہیں ہے۔

(۴) اللہ ہماری ظاہر و پوشیدہ اور خلوت و جلوت کی تمام حرکات سے باخبر ہے۔ ہمارے عام اعضا (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو بھی گناہوں سے پاک رہنا چاہیئے اور خاص اعضا (دل و دماغ) کو بھی نامناسب خواہشوں سے بچنا چاہیئے۔

(۵) جسے اللہ نے اچھائی کہا ہے، وہ اچھائی ہے اور جسے اللہ نے برائی کہا ہے وہ برائی ہے۔ ہمیں اچھائی کی طرف دوڑنا چاہیئے اور برائی سے بھاگنا چاہیئے، اس واسطے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

اللہ پر اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان اسلام کا اصل الاصول ہے۔ تیرہ برس تک روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوئے لیکن نماز شروع ہی میں فرض کر دی گئی تھی۔ اللہ کے آگے سر فوراً ہی جھکا دیا گیا تھا۔ اور پھر تیرہ برس مسلسل صرف اللہ کے آگے سروں کو جھکانے اور شرک، شائبات شرک[۵۱] اور توہماتِ شرکیہ[۵۲] کے استیصال میں صرف

---

[۵۱] عمل کیا تو جائے اللہ کے لئے۔ مگر اس میں نمود و نمائش اور ریا کا شائبہ

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

کردئیے۔ حتیٰ کہ نماز میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا کے ساتھ حبیب اللہ نہیں کہلوایا، عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کہلوایا۔ حالانکہ حضورؐ حبیب اللہ ہیں۔ اور نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنی لازمی کردی جس کی ایک آیت ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ یعنی (اے پروردگار!) ہم فقط تیرے ہی آگے سر جھکاتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار اتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ اور گناہوں کو تو اگر چاہے گا معاف کردے گا لیکن اپنے انکار اور اپنی وحدانیت کے انکار کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اللہ شرک کو یقیناً معاف نہیں کرے گا، اور شرک کے علاوہ جس کا جو گناہ چاہے گا معاف کردے گا۔

سجدہ تعظیمی اور سجدہ محبت جائز رہ چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو اُن کے والدین نے سجدہ محبت کیا تھا مگر شریعتِ محمدیہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱) ... جائے، یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے مسلمان کو ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہیے کسی اور کی خوشنودی چاہی بھی جائے تو وہ اللہ کے لئے ہی چاہی جائے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق چاہی جائے۔

لہ مثلاً پرندوں کی بولی سے فال لینا پرندوں کے اُڑنے سے فال لینا، ایسے توہمات کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شیطانی باتیں فرمایا ہے۔

نے ان سجدوں سے منع فرما دیا تاکہ توحید خالص کی تکمیل ہو جائے۔
بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں" حضورؐ نے کہا۔ تم مجھے مشیت میں اللہ کا ہمسر اور مقابل بناتے ہو۔ کہو "جو اللہ تنہا چاہے"۔ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ
اللہ چاہے اور محمد چاہیں کے درمیان اور کا لفظ استعمال کرنے سے حضورؐ ہمیشہ روکا کرتے تھے، اور کی بجائے پھر کا لفظ کہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اللہ چاہے۔ پھر محمدؐ چاہیں۔
ایک دفعہ حضورؐ کی موجودگی میں کوئی صحابی تقریر کر رہے تھے اُن کی زبان سے نکلا "جس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی۔ اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی" "ان دونوں" کا لفظ سننا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ تقریر بند کرو۔ تم بُرے خطیب ہو۔
"ان دونوں" کے لفظ سے سامعین پر یہ اثر پڑ سکتا تھا، کہ "اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کا حکم یکساں ہے، صحابی نے جس طرح "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت" کہا تھا، اسی طرح "اللہ اور رسول کی نافرمانی کہنا چاہیے تھا، حضورؐ نے اللہ سے برابری کے اس نازک فرق کا احساس کیا، اور اسے گوارا نہیں فرمایا۔

رسولوں پر ایمان

رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے۔

اللہ نے انہیں ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر کیا تھا۔ رسول اللہ تعالیٰ کی نشان دہی کرتے تھے۔ اور ہمیں اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے، نیز ہمارے سامنے اپنا نمونہ پیش فرماتے تھے کہ اس طرح کی زندگی گزارو۔

انسانوں کو جو کچھ آتا ہے، اس کی بنیاد رسولوں نے ڈالی ہے رسول نہ ہوتے تو ہم ایک بات بھی نہ جانتے اور جانوروں سے بدتر قسم کی زندگی بسر کرتے۔ انسانوں کو انسان رسولوں کے ذریعے بنایا گیا ہے اور انسانی عقل کو نشو و نما رسولوں کے ذریعے دی گئی ہے۔

ہر قوم کو دعوےٰ ہے کہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہم ہیں، ہدایت کی گئی تو ہمیں کی گئی۔ نبی اور پیغمبر آئے تو ہمارے ہاں آئے، باقی دنیا اس سعادت سے محروم ہے۔ ہم تنہا وہ برگزیدہ اور منتخب لوگ ہیں جنہیں اللہ نے مخاطبت کا شرف بخشا اور مخاطب بنایا

بنی اسرائیل نبوت و پیغمبری اپنا ورثہ سمجھتے ہیں، ہندؤں کے نزدیک پرمیشور کسی کی رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو فقط ان کی، اور کے کان میں پرمیشور کے الفاظ پہنچ جائیں تو اس کے کان بہرے کر دینے چاہئیں زردشتیوں نے جلوہ نورانی کا صرف اپنے تئیں مستحق قرار دے لیا۔ اور عیسائی تو خداوند کے فرزند ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے لئے ہادی بھیجے گئے وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے، جس میں (بیدار اور) ہوشیار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ (اے محمدؐ!) ہم نے تم سے قبل کتنے ہی رسول اُن کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہدایتِ ربانی اور نورِ یزدانی کو عرب کے ساتھ مختص نہیں کہا اور دینِ اسلام کو صرف اپنی چیز نہیں فرمایا بلکہ ارشاد کیا کہ جو پیغمبر آتا تھا دینِ اسلام ہی لے کر آتا تھا۔ تمام انبیا ازلی صداقت اور ابدی سچائی ہی کی طرف بلاتے رہے، بخاری کی حدیث ہے کہ تمام انبیا ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور مائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک ہے

اَلْاَنْبِیَاءُ اِخْوَۃٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّھَاتُھُمْ شَتّٰی وَدِیْنُھُمْ وَاحِدٌ۔

عیسائی دوسرے پیغمبروں کا انکار کر کے عیسائی رہ سکتا ہے۔ یہودی کے لئے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علاوہ کسی پیغمبر کا ماننا لازمی نہیں ہے[۵۷]۔ زردشتی تمام دنیا کو بحرِ ظلمات کہہ کر بھی زردشتی ہیں اور ہندو تمام دنیا کو ملیچھ کہہ کر ہندو، لیکن مسلمان مسلمان اس وقت ہوگا، جب وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی رسالتوں کا اقرار کرے گا۔ مسلمانوں کو ایمان لانا پڑتا ہے کہ حضورؐ کی طرح اور نبی اور پیغمبر بھی آئے تھے جن میں سے کچھ کے نام بتا دیئے گئے ہیں اور بہت سوں کے نام نہیں بتائے گئے۔ جملہ نبی اور پیغمبر ہمارے حضورؐ کی طرح سچے تھے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ۔ ہم ان میں سے کسی کے ساتھ فرق

---

۵۷ چنانچہ عیسائی اور یہودی حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ کے وجود تک سے بے خبر ہیں، اور یہودی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے وجود کے تو منکر ہیں، لیکن انہیں پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔

نہیں برتتے یعنی ایسا نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، بہت سے یہودی حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے تیار تھے، بشرطیکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نبیوں کی فہرست سے نکال دیا جاتا، مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ
وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ
وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ
وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا
بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ
حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں (یعنی اللہ کو مانیں اور رسولوں کو نہ مانیں) اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو مانیں گے اور بعض (رسولوں) کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس (معاملہ) میں بیچ کا کوئی راستہ نکالیں۔ یہ لوگ یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے اور اسلام کی فراخ حوصلگی کا ثبوت ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں یکساں ہیں۔ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے، گورے بھی اللہ کے ہیں اور کالے بھی اللہ کے ہیں۔ حضور نے فرمایا: لوگو! تم سب ایک باپ (آدم) کی اولاد ہو (یعنی تمام انسان بحیثیت مخلوق مساوی ہیں)

امتیاز کی چیز بس ایک ہے تقوےٰ : اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں غیر مادی اور سراپا اطاعت و فرماں بردار اُن کے بہت سے فرائض ہیں، اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفارت کرنا مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ بننا اور کائنات کو قانونِ الٰہی کے مطابق چلانا[۱]

فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن ہم اُنہیں نظر آتے ہیں ہمارے اعمال نامے وہی تیار کرتے ہیں جو روزِ جزا ہم کو دکھائے جائیں گے کسی چیز کے نظر نہ آنے سے اس کے وجود میں شبہ نہیں کرنا چاہیئے، ہم نے لندن، نیویارک اور ماسکو کہاں دیکھا ہے مگر ہم ان کے وجود کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے کہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ آج کل کے بڑے پُررونق اور اہم شہر ہیں، فرشتوں کی خبر اللہ تعالیٰ

---

۱ جس طرح اللہ کی پھونکی ہوئی ہماری روح ہمیں متحرک رکھتی ہے، اسی طرح فرشتے جو غیر مادی مخلوق یعنی ارواح ہیں، کائنات کو متحرک رکھتے ہیں ہم چونکہ کسی قدر با اختیار بنائے گئے ہیں، ہماری حرکتوں میں اختلاف اور تضاد ہو جاتا ہے۔ فرشتے مطلق بے اختیار ہیں، اس لئے باقی کائنات کی حرکات یک رنگ اور یکساں ہیں۔ ہمارے سوا کائنات کی کوئی شے اللہ کا قانون نہیں توڑتی، اور اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں جاتی۔

ایمان وعمل

ایک دفعہ مشرکین نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مذاق اور چھیڑ کے طور پر کہا "تمہارے پیغمبر صاحب تمہیں ہر بات کی تعلیم دیتے ہیں حتیٰ کہ رفع حاجت کا طریقہ بھی بتاتے ہیں"۔ حضرت سلمان رضؓ فارسی نے فرمایا "ٹھیک ہے۔ حضور نے ہمیں ہدایت کی ہے کہ رفع حاجت کے لئے بیٹھو تو قبلہ رُخ مت بیٹھو، دائیں ہاتھ سے طہارت نہ کرو، کم از کم تین ڈھیلے لو۔ اور فرمایا ہے کہ ہڈی اور گوبر سے طہارت نہیں ہوتی"۔

کچھ خیال ہے ، انسان کتنی عمر میں پاکی اور ناپاکی کا فرق سمجھتا ہے اور ماں کے کتنے سمجھانے سے سمجھتا ہے ۔ ماں کو اس کی ماں نے سمجھایا تھا اور اس ماں کو اس کی ماں نے ۔

سمجھانے کا یہ سلسلہ کہیں جا کر ٹھہرنا چاہیئے ، آخر کوئی تو تھا جس نے پاکی اور ناپاکی کا فرق سب سے پہلے محسوس کیا ، یا جسے اللہ نے براہِ راست محسوس کرایا۔ نبی ہی ہے پہلا وہ شخص جس نے صرف پاکی اور ناپاکی کیا ، انسان

کو پوری انسانیت کے سبق ایک ایک کر کے پڑھانے شروع کئے ، انبیاء بتدریج یہ سبق نہ پڑھاتے رہتے تو انسان رفع حاجت کے بعد جانوروں کی طرح اٹھ کھڑے ہوا کرتے۔

پھولوں اور پھلوں اور جانوروں کی نسل میں خوبیاں بڑھانے کی تدبیریں تو ہم آپ بھی سوچتے ہیں لیکن انسانوں کو انسان بنانے کا کام انبیاء اور ان کے حقیقی متبعین کے سوا کسی نے نہیں کیا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم معلّمِ آخر اور خاتمِ نبوت ہیں۔ حضورؐ کے ہاتھوں سے دین کی تکمیل کی گئی ہے، لہٰذا انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور ایمان و عمل کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو حضورؐ سے چھوٹ گیا ہو۔ حضورؐ نے وفات سے چند دن قبل اپنی وداعی تقریر میں ارشاد فرمایا تھا کہ "میں تمہیں اتنے روشن راستے پر چھوڑے جا رہا ہوں جس کی رات بھی دن جیسی ہے قَدْ تَرَكْتُكُمْ عَلَى الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا كَنَهَارِهَا

قرآن اور حدیث میں بلند اور متمدن اقوام ہی کے لئے نہیں پست اور غیر متمدن اقوام کے لئے بھی تعلیمات و ہدایات ہیں - اللہ کے ساتھ تعلق ہو یا اللہ کے بندوں کے ساتھ عقائد ہوں یا عبادات ، آدابِ مدنیت ہوں یا خانگی قصے حضورؐ کی ہمہ گیر تعلیم سب پر حاوی ہے۔

حضورؐ کی تعلیم کے دو حصے ہیں ، ایک کا تعلق خالق سے ہے دوسرے کا مخلوق سے - پھر خالق سے تعلق دو شقوں میں منقسم ہے ، عقیدہ اور عبادت اور مخلوق سے تعلق بھی دو شقوں میں منقسم ہے - معاملہ اور اخلاق۔

عقیدے کی پختگی کا نام ایمان ہے - اور عبادت ، معاملہ اور اخلاق نقشوں کی بجا آوری کا نام عمل یا عمل صالح ہے۔

غصّہ ہے کا اثر عمل ہی پر نہیں چہرے تک پر پڑتا ہے۔ انسان کا
چہرہ ظاہر کر دیتا ہے کہ دماغ میں کیا سمایا ہوا ہے اور شعور تو قطعی عقیدے
کے مطابق رہتا ہے۔ جادوگر جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے
آئے تھے۔ جب جان گئے کہ حضرت موسیٰ نبی ہیں تو فرعون کا خوف انہیں
حضرت موسیٰ کی پیروی سے نہ روک سکا اور انہوں نے صاف کہہ دیا کہ
ہمیں چاہے کاٹ ڈالو، ہم تو رب اللہ کے ہو چکے۔

قَالُوا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا مِنَ
الْبَيِّنَاتِ وَالَّذِي فَطَرَنَا فَاقْضِ مَا أَنْتَ
قَاضٍ ط إِنَّمَا تَقْضِي هَٰذِهِ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ط
إِنَّا آمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطَايَانَا وَمَا أَكْرَهْتَنَا
عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ط وَاللَّهُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ط

انہوں نے فرعون سے کہا (اللہ کی قدرت کے) واضح (دلائل) کے بعد
جو ہمارے سامنے آئے ہیں ہم (تیری کوری باتوں کو) اور اس (خالق
زمانہ) پر جس نے ہمیں پیدا کیا ہے، تجھ کو ہرگز (ہرگز) ترجیح نہیں
دیں گے۔ پس جو (بدسلوکی) تو (ہمارے ساتھ) کرنے والا ہے کر ڈال،
(ہمیں پروا نہیں) تو (جو کچھ کر سکتا ہے) اس دنیا کی (چند روزہ)
زندگی ہی پر ختم ہے (رہے) ہم (تو) اپنے (پروردگار) پر
ایمان لائے ہیں تاکہ وہ ہماری (اگلی پچھلی تمام) خطائیں معاف کرے اور (بالخصوص)
اس گناہ کو کہ جادوگری کو جس پر تو نے ہمیں مجبور کیا تھا، معاف فرمائے
(اور آخرت میں) اچھی راحت دے۔ تیرا انعام بھی فانی ہے اور تیری ایذا دہی
بھی فانی ہے، اور اللہ (کی داد و دہش تجھ سے) بہتر ہے اور باقی رہنے والی۔

کا عذاب وعتاب تیری ایذادہی سے) بہت زیادہ (دیر) باقی رہنے والا ہے۔

خیر میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انسان کا عمل عقیدے کے تابع ہوا کرتا ہے۔ عقیدہ بنیاد ہے۔ عمل عمارت

قرآن مجید نے جہاں جہاں عملِ صالح کا نام لیا ہے وہاں ایمان کا پہلے ذکر کیا ہے۔ عمل ناقابلِ قبول ہے۔ اگر اس کے ساتھ ایمان شامل نہیں ہے۔ ایمان کے بغیر عملِ حسنِ خلوص سے محروم رہتا ہے۔

غزوہ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کل تین سو تیرہ تھی۔ ایک بڑے بہادر شخص نے آکر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اپنی طرف سے لڑنے کی اجازت دے دیجیئے۔ حضورؐ نے پوچھا تم مسلمان ہو؟ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا، مجھے تمہاری مدد نہیں درکار۔ مسلمان اس کی بہادری کے خیال سے اُسے شریک کرنے کے متمنی تھے۔ مگر حضورؐ نے دو دفعہ اس کی درخواست نامنظور فرمائی۔ حضورؐ کی بے نیازی سے وہ حضورؐ کا گرویدہ ہو گیا اور ایمان لے آیا غرض کہ اللہ اور رسول حُسنِ خلوص کے بغیر معمولی عمل کیا، جہاد جیسے عمل کو بھی قبول نہیں کرتے اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ عمل کی کسوٹی نیت ہے دو آدمی کسی اچھے کام میں چندہ دیں۔ ایک اللہ کی خوشنودی کے واسطے اور دوسرا نمائش اور ناموری کے واسطے، آپ اللہ کی خوشنودی کے خواہش مند کو نمائش و ناموری کے خواہش مند سے زیادہ خوش اور بشاش پائیے گا۔ اس کے پاس اللہ کے ہاں سے رسید سی آجائے گی۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے :-

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم
بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ
رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ
فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ
فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا
كَسَبُوا۟ ۗ

اے مسلمانو! اپنی خیراتوں کو احسان جتا جتا کر اور اُلاہنے دے دے کر اس طرح رائگاں مت کرو جس طرح وہ رائگاں کرتا ہے جو لوگوں کو دکھانے کی غرض سے اپنا مال خرچ کرتا ہے اور اللہ پر اور روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتا ——— (کہ نیکیوں کی جزا دینے والا بھی کوئی ہے اور نیکیوں کی جزا ملنے کا بھی کوئی دن مقرّر ہے) اُس کی خیرات مثل اس چٹان کے ہے جس پر اتنی مٹی سے ڈھکی ہوئی ہو کہ ذرا سا پانی اُس پر برسا اور مٹی دھل کر پتھر رہ گیا جس پر اگر کچھ بویا جائے گا، تو وہ اُگے گا نہیں۔

أَوْ كَظُلُمَٰتٍ فِى بَحْرٍ لُّجِّىٍّ يَغْشَىٰهُ مَوْجٌ مِّن
فَوْقِهِۦ مَوْجٌ مِّن فَوْقِهِۦ سَحَابٌ ۚ ظُلُمَٰتٌۢ
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۗ إِذَآ أَخْرَجَ يَدَهُۥ لَمْ
يَكَدْ يَرَىٰهَا ۗ وَمَن لَّمْ يَجْعَلِ ٱللَّهُ لَهُۥ نُورًا
فَمَا لَهُۥ مِن نُّورٍ ۗ

یا اُن کے کاموں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گہرے سمندر میں اندھیرا چھایا ہوا ہو۔ اور موج پر موج اُٹھ رہی ہو، اور اوپر بادل چھایا ہو

یعنی معمولی اندھیرا نہیں) اندھیروں پر اندھیرے ہوں کہ اس میں (انسان)
ہاتھ نکالے تو ہاتھ نہ سجھائی دے (یاد رکھو) جسے اللہ نے نور نہیں دیا،
اس کے لئے نور ہے ہی نہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۢ بِقِيْعَةٍ
يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓي اِذَا جَاۗءَهٗ
لَمْ يَجِدْهُ شَيْـــًٔا۔

جنہوں نے اللہ کا انکار کیا ان کے کام اس سراب کے مانند ہیں، جو
میدان میں (دور سے نظر آتا ہے اور جس کو پیاسا سمجھتا ہے کہ پانی ہے'
مگر جب اس کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں پانی نہیں ہوتا۔

قرآن، حدیث نے علم و عمل کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ یہ کیسے
ممکن ہے کہ ہمیں کسی جگہ سانپ کے ہونے کا علم ہو اور ہم وہاں بے دھڑک
گھسے چلے جائیں، علیٰ ہذا ہمیں علم ہو کہ فلاں کام کی جزا جنت ہے' اور
فلاں کام کی سزا جہنم، تو ہم جنت ہی میں جانے کا کام کریں گے جہنم میں
جانے کے کام نہیں کریں گے، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو یہ ہمارے
علم کا چھوٹا پن اور قصور ہے، علم یقین کے مرتبے تک نہیں پہنچا ہے۔[1]

---

[1] یہ الگ بات ہے کہ یقین کے مرتبے پر پہنچ کر بھی انسان پورا حق عبدیت ادا نہیں کر سکتا۔
یقین کے بھی مراتب ہیں۔ انبیا کا یقین، صدیقین کا یقین، اولیا کا یقین اور عوام کا یقین۔
حق عبدیت درجہ بدرجہ ہی ادا ہوتا ہے۔ انبیا بھی دعوے نہیں کرتے کہ ہم نے حق عبودیت
ادا کر دیا۔ اور ہم عوام تو بہر حال عوام ہیں۔ گناہ سے ہم نہیں بچ سکتے مگر یہاں
میں کچھ اور بات کہہ رہا ہوں۔

علم کی بجائے سراپ علم حاصل ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، علم جب آتا ہے تو عمل کو ضرور پکارتا ہے۔ عمل اگر آجاتا ہے، تو علم ٹھیرتا ہے ورنہ خود بھی چلا جاتا ہے۔

اسلام میں عمل کی بڑی اہمیت ہے، جس طرح عمل بغیر ایمان کے راکھ کا ڈھیر ہے جسے ہوا اُڑا کرلے جاتی ہے۔

اَعۡمَالُهُمۡ كَرَمَادِ ۟ اشۡتَدَّتۡ بِهِ الرِّيۡحُ فِىۡ يَوۡمٍ عَاصِفٍ

اسی طرح ایمان بغیر عمل کے متعلق ارشاد ہے۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَـنَّةَ وَلَـمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِكُمۡ ؕ

(اے مسلمانو!) کیا تمہیں گمان ہے کہ تم جنت میں (یوں ہی) داخل ہو جاؤ گے، حالانکہ تم کو ابھی ان لوگوں کے سے حالات پیش نہیں آئے، جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تُتۡرَكُوۡا وَلَـمَّا يَعۡلَمِ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ جَاهَدُوۡا مِنۡكُمۡ

(مسلمانو!) کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے (ابھی) انہیں نہیں پرکھا ہے جنہوں نے تم میں سے جہاد کیا ہو۔

ایمان کے پانچ اصول سکھلائے گئے ہیں:

(۱) اللہ پر ایمان (۲) رسولوں پر ایمان (۳) فرشتوں پر ایمان (۴) کتابوں پر ایمان (۵) آخرت اور جزا و سزا پر ایمان۔

اللہ پر ایمان

اللہ پر ایمان کے معنی یہ ہیں کہ ہمیں کسی نے بنایا ہے، ہم خود بخود نہیں بن گئے ہیں۔ ہر شئے کسی نہ کسی کے بنانے سے بنتی ہے۔ وہ ہمارا خالق ہی ہمارا الٰہ ہے۔ اس کے سوا کوئی اور عبادت اور اطاعت کا مستحق نہیں ہے۔

ساری دنیا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے پیدا کی ہے اور ہم کو اپنے لئے پیدا کیا ہے، جمادات، نباتات، اور حیوانات کا مقصد تخلیق انسان کے کام آنا ہے، لکڑی چولھے میں سلگادی یا لکڑی کا صندوق تیار کر لیا، لکڑی کا مقصد تخلیق پورا ہو گیا۔ انسان کا مقصد تخلیق جمادات، نباتات اور حیوانات کے کام آنا نہیں ہے بلکہ اللہ کی عبادت و اطاعت کرنا ہے۔

اِنَّ الدُّنْیَا خُلِقَتْ لَکُمْ وَاِنَّکُمْ خُلِقْتُمْ لِلْاٰخِرَةِ

اگر انسان کا مقصد تخلیق، اللہ کی عبادت و اطاعت نہیں ہے، تو انسان بے مقصد اور عبث مخلوق ہے۔ اشرف المخلوقات کا بے مقصد اور عبث ہونا عقل میں نہیں آتا۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ

کیا تم خیال کرتے ہو کہ ہم نے تمہیں بے مقصد اور عبث پیدا کیا ہے، اور تم کو (مرکر) ہمارے پاس نہیں آنا۔ (تمہارا مقصدِ پیدائش ہماری عبادت و اطاعت ہے)

مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ

جن و انس کو عبادت و اطاعت کے سوا کسی مقصد سے پیدا نہیں کیا گیا۔

(۲) اللہ ایسا خالق ہے کہ اپنی ہر صناعی میں ہم تو اس کی بنائی ہوئی چیزوں کے محتاج ہیں مگر اُسے اپنی صناعی میں کسی چیز کی احتیاج نہیں ہے۔ مکڑی کو جال تننا، اور شہد کی مکھی کو چھال لگانا بھی اللہ نے سکھایا ہے، اور انسان کو بھی صناعی کی تا بابیت و قدرت اللہ نے عطا فرمائی ہے۔ مگر جن مصنوعات پروردگار سے انسان صناعی کا کمال دکھاتا ہے، اُن پر اللہ کا قبضہ ہے۔ انسان ریت کے ذرّے سے بمب بنا سکتا ہے، لیکن ریت کا ذرہ نہیں بنا سکتا، مادہ تولید کو پچکاری کے ذریعے رحم میں پہنچا سکتا ہے، مگر مادّہ تولید تیار نہیں کر سکتا۔

(۳) اللہ ایک ہے۔ اللہ کو شریک و مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تنہا کل کائنات کا خالق اور مالک ہے۔ اس کی ملکیت حقیقی اور پکی ہے، لازوال اور چھن جانے والی نہیں ہے۔[۵] بندوں میں سے جسے چاہتا ہے عزت، دولت اور حکومت بخش دیتا ہے، اور جس کو نااہل دیکھتا ہے اسے ان نعمتوں سے محروم کر دیتا ہے۔

شریعت کی تاسیس، حلال و حرام کی تعیین، جائز و ناجائز کی تفریق، امر و نہی کے احکام، یہ سب اللہ کے کام ہیں اور رسول اُن کے

۵: خدا کے باب میں کیا آپ مجھ سے بحث کرتے ہیں
خدا وہ ہے کہ جس کے حکم سے "صاحب" بھی مرتے ہیں (اکبرؔ)

مبلغ اور شارح ہوتے ہیں۔

عالم الغیب صرف اللہ ہے۔ اللہ کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ

(اے پیغمبر) کہہ دو کہ اللہ کے سوا آسمان اور زمین میں کوئی غیب داں نہیں ہے۔

(۴) اللہ ہماری ظاہری، پوشیدہ اور خلوت و جلوت کی تمام حرکات سے باخبر ہے۔ ہمارے عام اعضا (ہاتھ پاؤں وغیرہ) کو بھی گناہوں سے پاک رہنا چاہیئے اور خاص اعضا (دل و دماغ) کو بھی نامناسب خواہشوں سے بچنا چاہیئے۔

(۵) جسے اللہ نے اچھائی کہا ہے وہ اچھائی ہے اور جسے اللہ نے برائی کہا ہے وہ برائی ہے۔ ہمیں اچھائی کی طرف دوڑنا چاہیئے اور برائی سے بھاگنا چاہیئے، اس واسطے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔

اللہ پر اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان اسلام کا اصل الاصول ہے۔ تیرہ برس تک روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض نہیں ہوئے لیکن نماز شروع ہی میں فرض کر دی گئی تھی۔ اللہ کے آگے سر فوراً ہی جھکا دیا گیا تھا۔ اور پھر تیرہ برس مسلسل صرف اللہ کے آگے سروں کو جھکانے اور شرک، شائبات شرک[۵۱] اور توہماتِ شرکیہ[۵۲] کے استیصال میں صرف

---

[۵۱] عمل کیا تو جائے اللہ کے لئے۔ مگر اس میں نمود و نمائش اور ریا کا شائبہ (باقی صفحہ ۹۵ پر)

کئے گئے۔ حتیٰ کہ نماز میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا کے ساتھ حبیب اللہ نہیں کہلوایا، عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ کہلوایا۔ حالانکہ حضورؐ حبیب اللہ ہیں۔ اور نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی لازمی کردی جس کی ایک آیت ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ۔ یعنی (اے پروردگار) ہم تیرے ہی آگے سر جھکاتے ہیں اور فقط تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

شرک اور اللہ کی وحدانیت کا اقرار اتنا اہم معاملہ ہے کہ اللہ اور گناہ ہوں گے تو اگر چاہے گا معاف کردے گا لیکن اپنے انکار اور اپنی وحدانیت کے انکار کو معاف نہیں کرے گا، ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ

اللہ شرک کو یقیناً معاف نہیں کرے گا، اور شرک کے علاوہ جس کا جو گناہ چاہے گا معاف کردے گا۔

سجدہ تعظیمی اور سجدہ محبت جائز رہ چکا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے والدین نے سجدہ محبت کیا تھا مگر شریعتِ محمدیہ

(بقیہ نوٹ صفحہ [illegible]) آتے ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے مسلمان کو ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرنا چاہئے کسی اور کی خوشنودی چاہی بھی جائے تو وہ اللہ کے لئے ہی چاہی جائے یعنی اللہ کے حکم کے مطابق چاہی جائے۔

لہ مثلاً پرندوں کی بولی سے فال لینا پرندوں کے اڑنے سے فال لینا، ایسے توہمات کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیطانی باتیں فرمایا ہے۔

نے ان سجدوں سے منع فرما دیا تاکہ توحید خالص کی تکمیل ہو جائے۔

بخاری میں ایک روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کسی نے عرض کیا "جو اللہ چاہے اور آپ چاہیں" حضورؐ نے کہا۔ تم مجھے مشیئت میں اللہ کا ہم سر اور مقابل بناتے ہو۔ کہو "جو اللہ تنہا چاہے" مَا شَاءَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ

اللہ چاہے اور محمد چاہیں کے درمیان اور کا لفظ استعمال کرنے سے حضورؐ ہمیشہ روکا کرتے تھے، اور کی بجائے پھر کا لفظ کہنے کی ہدایت فرماتے تھے۔ اللہ چاہے۔ پھر محمدؐ چاہیں۔

ایک دفعہ حضورؐ کی موجودگی میں کوئی صحابی تقریر کر رہے تھے اُن کی زبان سے نکلا "جس نے اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کی اس نے ہدایت پائی، اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی" "ان دونوں" کا لفظ سننا تھا کہ حضورؐ نے فرمایا۔ تقریر بند کرو۔ تم بُرے خطیب ہو۔

"ان دونوں" کے لفظ سے سامعین پر یہ اثر پڑ سکتا تھا، کہ "اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کا حکم یکساں ہے، صحابی نے جس طرح "اللہ اور رسولؐ کی اطاعت" کہا تھا، اسی طرح "اللہ اور رسول کی نافرمانی کہنا چاہیے تھا، حضورؐ نے اللہ سے برابری کے اس نازک فرق کا احساس کیا، اور اسے گوارا نہیں فرمایا۔

رسولوں پر ایمان

رسولوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے۔

اللہ نے انہیں ہماری ہدایت و رہنمائی کے لئے مقرر کیا تھا، رسول اللہ تعالیٰ کی نشان دہی کرتے تھے۔ اور ہمیں اللہ کے پیغام پہنچاتے تھے، نیز ہمارے سامنے اپنا نمونہ پیش فرماتے تھے کہ اس طرح کی زندگی گزارو۔

انسانوں کو جو کچھ آتا ہے، اس کی بنیاد رسولوں نے ڈالی ہے رسول نہ ہوتے تو ہم ایک بات بھی نہ جانتے اور جانوروں سے بدتر قسم کی زندگی بسر کرتے۔ انسانوں کو انسان رسولوں کے ذریعے بنایا گیا ہے اور انسانی عقل کو نشوونما رسولوں کے ذریعے دی گئی ہے۔

ہر قوم کو دعوے ہے کہ اللہ کے محبوب ہیں تو ہم ہیں، ہدایت کی گئی تو ہمیں کی گئی۔ نبی اور پیغمبر آئے تو ہمارے ہاں آئے، باقی دنیا اس سعادت سے محروم ہے۔ ہم تنہا وہ برگزیدہ اور منتخب لوگ ہیں جنہیں اللہ نے مخاطبت کا شرف بخشا اور مخاطب بنایا۔

بنی اسرائیل نبوت و پیغمبری اپنا ورثہ سمجھتے ہیں۔ ہندؤں کے نزدیک پرمیشور کسی کی رہنمائی کرنا چاہتا ہے تو فقط ان کی، اور کے کان میں پرمیشور کے الفاظ پہنچ جائیں تو اس کے کان بہرے کردینے چاہئیں زردشتیوں نے جلوہ نورانی کا صرف اپنے تئیں مستحق قرار دے لیا۔ اور عیسائی تو خداوند کے فرزند ہیں، لیکن قرآن کہتا ہے: وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ہر قوم کے لیے ہادی بھیجے گئے وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ۔ کوئی قوم ایسی نہیں ہے جس میں (بیدار اور) ہوشیار کرنے والا نہ بھیجا گیا ہو۔ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ رُسُلًا إِلَىٰ قَوْمِهِمْ (اے محمدؐ!) ہم نے تم سے قبل کتنے ہی رسول ان کی اپنی اپنی قوم میں بھیجے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایتِ ربانی اور نورِ یزدانی کو عرب کے ساتھ مختص نہیں کہا اور دینِ اسلام کو صرف اپنی چیز نہیں فرمایا بلکہ ارشاد کیا کہ جو پیغمبر آتا تھا دینِ اسلام ہی لے کر آتا تھا۔ تمام انبیا ازلی صداقت اور ابدی سچائی ہی کی طرف بلاتے رہے، بخاری کی حدیث ہے کہ تمام انبیا ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے، اور مائیں مختلف ہیں، اور ان کا دین ایک ہے

اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ لِعَلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ۔

عیسائی دوسرے پیغمبروں کا انکار کرکے عیسائی رہ سکتا ہے۔ یہودی کے لئے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے علاوہ کسی پیغمبر کا ماننا لازمی نہیں ہے[1]۔ زردشتی تمام دنیا کو بحرِ ظلمات کہہ کر بھی زردشتی ہیں اور ہندو تمام دنیا کو ملیچھ کہہ کر ہندو، لیکن مسلمان مسلمان اس وقت ہوگا، جب وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی رسالتوں کا اقرار کرے گا۔ مسلمانوں کو ایمان لانا پڑتا ہے کہ حضورؐ کی طرح اور نبی اور پیغمبر بھی آتے تھے جن میں سے کچھ کے نام بتا دیے گئے ہیں اور بہت سوں کے نام نہیں بتائے گئے۔ جملہ نبی اور پیغمبر ہمارے حضورؐ کی طرح سچے تھے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ۔ ہم ان میں سے کسی کے ساتھ فرق

---

[1] چنانچہ عیسائی اور یہودی حضرت ہودؑ اور حضرت شعیبؑ کے وجود تک سے بے خبر ہیں، اور یہودی حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے وجود کے تو معترف ہیں، لیکن انہیں پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔

نہیں برتتے، یعنی ایسا نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں، بہت سے یہودی حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے تیار تھے، بشرطیکہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو نبیوں کی فہرست سے نکال دیا جاتا، مگر یہ کیسے ممکن تھا۔ ارشاد باری تعالےٰ ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ
وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ
وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ
وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا
بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ
حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کے منکر ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں یعنی اللہ کو مانیں اور رسولوں کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض (رسولوں) کو مانیں گے اور بعض (رسولوں) کو نہیں مانیں گے اور چاہتے ہیں کہ اس (معاملہ) میں بیچ کا کوئی راستہ نکالیں۔ یہ لوگ یقیناً کافر ہیں، اور ہم نے کافروں کے واسطے ذلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ عقیدہ اسلام کی خصوصیت ہے اور اسلام کی فراخ حوصلگی کا ثبوت ہے۔ اسلام سکھاتا ہے کہ دنیا کی تمام قومیں یکساں ہیں۔ عرب کو عجم پر اور عجم کو عرب پر فوقیت نہیں ہے، گورے بھی اللہ کے ہیں اور کالے بھی اللہ کے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا: لوگو! تم سب ایک باپ (آدم) کی اولاد ہو (یعنی تمام انسان بہ اعتبار خلقت مساوی ہیں)

امتیاز کی چیز بس ایک ہے تقویٰ : اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان یہ ہے کہ وہ بھی اللہ کی مخلوق ہیں غیر مادی اور سراپا مطیع و فرماں بردار اُن کے بہت سے فرائض ہیں، اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان سفارت کرنا مادیت اور روحانیت کے مابین واسطہ بننا اور کائنات کو قانونِ الٰہی کے مطابق چلانا[1]۔

فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے، لیکن ہم اُنہیں نظر آتے ہیں ہمارے اعمال نامے وہی تیار کرتے ہیں جو روزِ جزا ہم کو دکھائے جائیں گے کسی چیز کے نظر نہ آنے سے اس کے وجود میں شبہ نہیں کرنا چاہیئے، ہم نے لندن، نیویارک اور ماسکو کہاں دیکھا ہے مگر ہم ان کے وجود کا یقین رکھتے ہیں، اس لئے کہ دیکھنے والوں نے بتایا ہے کہ آج کل کے بڑے پُر رونق اور اہم شہر ہیں، فرشتوں کی خبر اللہ تعالیٰ

---

[1] جس طرح اللہ کی پھونکی ہوئی ہماری روح ہمیں متحرک رکھتی ہے، اسی طرح فرشتے جو غیر مادی مخلوق، یعنی ارواح ہیں، کائنات کو متحرک رکھتے ہیں ہم چونکہ کسی قدر با اختیار بنائے گئے ہیں، ہماری حرکتوں میں اختلاف اور تضاد ہو جاتا ہے۔ فرشتے مطلق بے اختیار ہیں، اس لئے باقی کائنات کی حرکات یک رنگ اور یکساں ہیں۔ ہمارے سوا کائنات کی کوئی شئے اللہ کا قانون نہیں توڑتی، اور اللہ کی مرضی کے خلاف نہیں جاتی۔

روزی کمانے میں مل جائے گا۔ روزی کمانے میں اللہ کو اور اللہ کے احکام کو یاد رکھنا بہت بڑی عبادت و ریاضت ہے۔ کچھ لوگ اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں یا جو واقعی خدمتِ خلق کے واسطے اپنے آپ کو وقف کر دیں یا جو بیسے کہ دین پڑھتے رہتے ہوں جن سے خلق اللہ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ مدد قبول کر سکتے ہیں لیکن بھیک مانگنے کی انہیں بھی اجازت نہیں ہے، کوئی خود مدد کرے تو یہ قبول کر لیں۔ سوال کی ذلت اٹھانی پڑے تو انہیں بھی تلاش معاش کا وقت نکالنا چاہئے۔

دنیا میں کوئی انسان کھانے اور کپڑے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا لیکن ہمہ تن اپنے آپ کو دنیا میں محو کر دینا بدبختی ہے۔ دنیا بہ مرتبۂ دولت مندوں سے آخرت پر ملنے والے درجہ بہتر ہیں۔ اسلام اعتدال کی راہ سکھاتا ہے، اور اللہ کے احکام کے مطابق دنیا سے تعلق رکھنے کو دین قرار دیتا ہے۔ معاش اس خیال سے حاصل کی جائے کہ معاد کی طرف متوجہ رہنے کے لئے معاش کی طرف سے اطمینان ضروری ہے۔

ذیل میں حضرت امام غزالی کے مضامین کی مدد سے ان آداب کا خلاصہ پیش کرتا ہوں جن کا اسلام نے روزی کمانے کے سلسلے میں ہمیں پابند کیا ہے:

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص نفع بڑھانے کی غرض سے چالیس دن غلہ روک لے وہ بعد میں اگر سارا غلہ خیرات بھی کر دے گا تو کفارہ نہیں ہوگا۔ چالیس دن غلہ روکنا اللہ سے بیزاری کا اظہار ہے، اور اللہ تو اس سے بیزار رہتے ہی۔

ایک حدیث ہے کہ غلہ کو آج کے بھاؤ بیچ دینا اور [illegible]

کا انتظار نہ کرنا ایسا ہے جیسے غلام خرید کر آزاد کر دیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہ کی ہدایت تھی کہ محتکر (یعنی ذخیرہ اندوز) کے گودام کو آگ لگا دو۔ محتکر کو ملعون کہا گیا ہے۔ آخرت میں بھی وہ سزا کا مزہ چکھے گا اور دُنیا میں بھی اس پر اللہ کی لعنت کا مینہہ برسے گا۔

دین تھوڑے نفع کی صورت میں قائم رہ سکتا ہے۔ نفع کا ہوکا دین کی چولیں ہلا ڈالتا ہے۔ کسان کو جس نے غلّہ اگایا ہے، تھوڑی ڈھیل دی گئی ہے۔ کسان غلّہ روک کر بیچ سکتا ہے۔ لیکن مستحسن کسان کے لئے بھی یہی کہ غلّہ جلد از جلد خلق اللہ کے پاس پہنچائے۔ دوسری ضروریاتِ زندگی کے تاجروں اور صنّاعوں کی انسانیت، شرافت اور دینی مردانگی بھی اسی میں ہے کہ زیادہ نفع کے لالچ سے دور رہیں۔

ضروریات کی چیزیں بھاؤ چڑھانے اور خوب کمانے کے خیال سے کوئی بند کر کے رکھے تو اس سے بڑھ کر خلق اللہ پر اور کیا ظلم ہوگا، اور پھر غلّہ تو ایسی چیز ہے اس پر حیاتِ انسانی کا دارومدار ہے غلّہ کی چور بازاری اور انسانوں کے قتل عام میں فرق نہیں ہے۔

غلّہ اور دیگر اشیائے ضروری تجّار روکتے جب ہیں جب اُن کی پیداوار میں کمی آتی ہے، گویا پیداوار کی کمی کی مصیبت پر اور مصیبت لاتے ہیں۔ پیداوار بہ افراط ہو تو حتکار (ذخیرہ اندوزی) حرام نہیں ہے مگر مکروہ اس صورت میں بھی ہے کیونکہ نیت بہر صورت یہی ہوتی ہے کہ شاید دیر کرنے سے زیادہ نفع مل جائے گا۔ عادی محتکر کو ہمیشہ انتظار رہتا ہے کہ خلق اللہ کب مصیبت میں پھنسے اور کب اس کے وارے نیارے ہوں۔

ایک اور بات ہے جو بے حد معمولی سمجھی جاتی ہے، لیکن وہ معمولی نہیں ہے۔ دکان دار اپنی غفلت سے کھوٹے سکے لے لیتے ہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ خمیازہ دوسرے بھگتیں۔ جانتے بوجھتے دوسروں کو کھوٹے سکے دے دیتے ہیں۔ کچھ لینے والا تیسرے کو دیتا ہے، اور تیسرا چوتھے کو۔ دغا بازی کی ابتدا کرنے والے کو معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک کھوٹے سکے کا چکر چلتا رہے گا اپنے کیے کی سزا کے علاوہ درمیانی دغا بازوں کے گناہ کی سزا بھی ابتدا کرنے والے کے حصہ میں آتی رہے گی، ایک کھوٹا سکہ چلانا سو سکوں کی چوری سے بدتر ہے۔ چوری کا گناہ مر کر ختم ہو جاتا ہے، کھوٹے سکے چلانے کا گناہ ممکن ہے مر کر بھی ختم نہ ہو۔ کھوٹے سکے کا چکر مرنے کے بعد بھی تو جاری رہ سکتا ہے۔ کتنا بدنصیب ہے وہ شخص جو خود مر جائے اور اس کا گناہ نہ مرے۔

بعض صاحبان واضح کر دیا کرتے ہیں کہ یہ سکہ جو ہم نے دیا ہے کھوٹا ہے۔ اس سے ان کی ذمہ داری نہیں ہٹتی۔ کھوٹے سکہ کا ضائع کر دینا ہی ٹھیک ہے۔ دوسرے کی بابت کون جانتا ہے کہ وہ کھوٹا سکہ لے کر اسے چلائے گا یا تبرک بنا کر رکھے گا۔

کھوٹے سکے میں چاندی سونا ہو تو چاندی سونے کی قیمت البتہ وصول کی جا سکتی ہے مگر سکے کی نہیں —— چاندی سونے کی قیمت بھی اس سے لی جائے جس پر کامل بھروسہ ہو کہ سکے میں سے چاندی سونا نکالے گا، سکہ چلائے گا نہیں۔ ورنہ یوں سمجھئے کہ انگور شراب کشید کرنے والے کے ہاتھ یا ہتھیار رہزن کے ہاتھ بیچ دے۔

خرید و فروخت میں ایک اصول ملحوظ رکھنا لازم ہے کہ دوسرے

کے ساتھ وہ معاملہ نہیں کروں گا جو میرے ساتھ ہوتا تو میں اُسے بُرا سمجھتا،
ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند۔

دغا بازی تاجر کرے یا کسی اور پیشے کا آدمی کرے یکساں ہے
حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ رفو کرانے کی بابت کیا ارشاد ہے
فرمایا۔ اپنے پہننے کے کپڑوں کو رفو کرنا اور کرانا جائز ہے لیکن دکاندار
بیچنے کے کپڑوں میں رفو کرائے، اور رفو کو گاہک سے چھپائے تو یہ
حرام ہے۔

کسی شئے کی تعریف میں مبالغہ کرنا جھوٹ بولنا ہے۔ خریدار شئے
کی حقیقت سے واقف ہے تو کوئی لفظ بھی زبان سے نہ نکالو فضول گوئی
بیہودگی ہے۔ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جو لفظ زبان سے نکالے گا، اس کی
بابت اس سے باز پرس کی جائے گی (کہ فلاں لفظ کہنے کی کیا مجبوری
تھی)، اگر عبث گفتاری کی ہے تو عذر مسموع نہیں ہوگا۔ ہاں، گاہک
مال کے متعلق سوال کرے تو اس کی جو واقعی خوبی ہو وہ بتا دو لیکن
مال میں عیب اور نقص ہو تو اُسے بغیر سوال کے ظاہر کر دینا لازم ہے
اور پوشیدہ رکھنا فریب کاری ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گیہوں والے
کی دکان پر تشریف لے گئے اور انبار کے اندر ہاتھ ڈال کر گیہوں دیکھنے
لگے۔ انبار اندر سے تر تھا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ تری کیوں ہے۔ دکاندار
نے عرض کیا۔ بھیگا ہوا گیہوں ہے۔ حضور نے فرمایا۔ تم نے اوپر خشک
گیہوں رکھے ہیں، گیلے گیہوں اُوپر نہیں رکھے۔ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا

جو فریب کاری کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بعض تاجر مال بیچتے وقت قسمیں کھایا کرتے ہیں۔ جھوٹی قسم کھانا نہ صرف گناہ کبیرہ ہے بلکہ سچی قسم کھانا بھی اچھی بات نہیں ہے۔ مال بیچنے کے لئے اللہ کا نام استعمال کرنا خلاف ادب ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں لَا وَاللّٰہ اور بلیٰ وَاللّٰہ کہنے والے سوداگروں کو دیکھ کر افسوس ہوتا ہے اور ہمیشہ جو ہمیشہ ہر وقت ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں دلالی اور سود لیتے رہتے ہیں وہ بھی قابل افسوس ہیں۔ ایک حدیث ہے کہ جو شخص اللہ کی قسمیں کھا کھا کر مال بیچے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی طرف نگاہ نہیں کرے گا۔

عیب چھپانا۔ چیزوں میں ملاوٹ کرنا۔ خریدنے اور بیچنے کی ترازو میں الگ الگ رکھنا۔ کپڑا خریدتے وقت ڈھیلا ناپنا اور بیچتے وقت کھینچ کر ناپنا۔ قصاب کا اس بے کار ہڈی کو گوشت کے ساتھ تولنا جسے تولنے کا رواج نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام حرکتیں حرام ہیں۔ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ۔ بڑا نادان ہے وہ انسان جو ذرا سی رقم کے بدلے جنت سے دست بردار ہو جاتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم تھا کہ قافلوں کے شہر میں داخلے سے پہلے قافلے والوں سے سودا مت کیا کرو انہیں شہر کا بھاؤ معلوم نہیں ہوتا اور تم ان سے مال سستا خرید لیتے ہو۔ قافلے والوں کو حق ہے کہ شہر میں آنے اور بھاؤ جاننے کے بعد بیع فسخ کر دیں۔

تنہا نفع اٹھانے کو بھی حضورؐ نے منع فرمایا ہے کہ ایک آدمی سارا مال خرید ڈالا تاکہ دوسروں کو جس بھاؤ چاہے دے۔ مال سستا

ہونے کا فائدہ سب کے حصے میں آنا چاہیئے۔
حضورؐ نے یہ سازباز بھی ناجائز قرار دی کہ مال حقیقتاً نہیں خریدا اور ظاہر کیا کہ خرید لیا ہے اور اس قیمت میں خریدا ہے تاکہ لوگ دھوکے میں آکر قیمت بڑھا دیں۔
سہل انگاری میں مال مہنگا خرید لیا ہے تو بھی بازار کے بھاؤ بیچنا چاہیئے۔ آپ کی غفلت اور غلطی کا دوسرے خمیازہ نہیں بھگت سکتے۔
المختصر فریب اور دغابازی کی جتنی شکلیں ممکن ہیں، وہ اسلام کے خلاف ہیں۔
روزگار میں برکت کی دعا مانگنی چاہیئے۔ برکت یہ ہے کہ قلیل روزگار سے کثیر بہرہ مندی ہو۔ برکت کے لئے ایمان داری پہلی شرط ہے دغابازی کی کمائی تو خود ہی باقی نہیں رہتی اس میں برکت ہی کہاں ہوگی کوئی نہ کوئی حادثہ پیش آ جاتا ہے تو دغابازی کی کمائی کو لے ڈوبتا ہے لوگ چند روزہ چاندی سونے کی خاطر عاقبت کی مستقل زندگی نثار کر دیتے ہیں مگر چاندی سونا ان سے موہنہ موڑ کر چلتا ہوتا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: مسلمان دین کو دنیا پر بھینٹ چڑھانے کے بعد کلمہ لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ پڑھتا ہے، تو اللہ کہتا ہے۔ یہ جھوٹ بول رہا ہے۔ دل میں اس کے کچھ ہے، زبان پر کچھ ہے۔
حضورؐ سے کسی صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا کیجئے میں جو دعا مانگوں وہ قبول ہو جایا کرے حضورؐ نے فرمایا۔ دعا حلال روزی کھانے والے کی قبول ہوتی ہے۔ محض ہاتھ پھیلا دینے سے قبول نہیں ہوتی

اور فرمایا۔ جو شخص حلال و حرام میں فرق نہیں کرتا اس کی تو نشتیں اور فرض اور اس کے تصدقات نہیں قبول کئے جاتے۔ اور فرمایا اگر کوئی شخص دس درہم کا کپڑا خریدتا ہے اور دس درہم میں ایک درہم حرام کا شامل کر دیتا ہے تو جب تک وہ کپڑا اس کے جسم پر رہے گا اُس کی نماز قبول نہیں ہو گی اور فرمایا جس بدن کی نشو و نما مال حرام کھانے سے ہو اُسے آگ میں جلنا ہی چاہیئے اور فرمایا جو لوگ اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ چیز کہاں سے آئی ہے اور کیوں کر آئی ہے، انہیں حق تعالےٰ بھی دوزخ میں ڈالتے وقت پرواہ نہیں کرے گا۔ اور فرمایا طالبِ حلال کے لیے محنت کر کے جب مسلمان تھک جاتا ہے اور سوتا ہے تو اس کے گناہ بخش دئے جاتے ہیں اور جب وہ صبح اُٹھتا ہے تو اللہ اس سے خوش اور راضی ہوتا ہے، اور فرمایا۔ اللہ تعالےٰ کہتا ہے جو حرام سے پرہیز کرتے ہیں مجھے قیامت کے دن اُن سے حساب لیتے شرم آئے گی۔

قرآن مجید میں ہے: اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ اللہ تعالےٰ مسلمانوں کو عدل و احسان کا حکم فرماتا ہے۔ اور یہ جس قدر بیان کیا گیا اس سے واضح ہو گیا ہو گا کہ کسب اور تجارت میں عدل کی راہ کیا ہے۔ آگے احسان کی راہ بتائی جاتی ہے، اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے بالکل قریب ہے، جس شخص نے عدل کیا اس نے بھی اپنا دین سنوار لیا، مگر احسان کچھ اور ہی چیز ہے عدل تو فرض ہے۔ عدل نہیں کیا جائے گا تو آدمی گرفت میں آئے گا۔

لیکن احسان فرض نہیں ہے۔ البتہ احسان کا ثواب بے حساب ہے خریدار ضرورت کی وجہ سے زیادہ قیمت خوشی دینی چاہیے، اور تاجر زیادہ قیمت نہ لے اسے احسان کہتے ہیں۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ تجارت کرتے تھے انہوں نے ساٹھ درہم کے بادام خریدے۔ خریدتے ہی باداموں کا بھاؤ ڈیوڑھا ہو گیا۔ لیکن حضرت سری سقطی نے نوّے درہم لینے قبول نہیں کئے۔ فرمایا۔ میں پانچ درہم فی سینکڑہ سے زیادہ منافع نہیں لیتا۔ ساٹھ کے تریسٹھ لوں گا، نوے نہیں لوں گا۔

حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کی دکان میں مختلف قیمتوں کے کپڑے تھے ان کی عدم موجودگی میں ایک تھان پانچ درہم کا دس درہم میں بک گیا۔ انہیں معلوم ہوا تو خریدار کو ڈھونڈتے پھرے اور جب وہ ملا تو اس سے کہا کہ یہ پانچ درہم واپس لو یا میرے ساتھ چلو، میں دس درہم والا تھان بدل دوں گا۔

دوسری قسم احسان کی یہ ہے کہ ضرورت مندوں سے اُن کی چیز گراں قیمت پر خرید لی جائے۔ جیسے بیوہ عورتوں کا کاتا ہوا سوت یا اکثر غریب بچے خوانچہ لگایا کرتے ہیں۔ انہیں زیادہ قیمت دینا صدقہ کرنے سے افضل ہے۔ مال دار سے خوب چکائے۔ لیکن غریب دکان دار کو دانستہ زیادہ قیمت دے دی جائے۔

تیسری قسم احسان کی یہ ہے کہ مال کسی کو قرض دیا ہے اور وہ تنگ دستی کی وجہ سے قیمت ادا نہیں کر سکتا۔ اُسے مہلت پر مہلت دینی چاہیئے اور اس کے ساتھ سختی نہیں برتنی چاہیے۔

چوتھی قسم احسان کی یہ ہے کہ مقروض قرض کی ادائیگی میں جلدی کرے
اور قرض دینے والے کو تقاضے کی تکلیف نہ دے۔ حدیث ہے کہ
جو شخص قرض دینے کی نیت رکھتا ہے۔ فرشتے اس کے قرض کی ادائیگی
کی دعا کرتے ہیں۔ اگر قرضدار قرض ادا کر سکتا ہے اور خواہ مخواہ ادائیگی
میں دیر لگاتا ہے تو وہ گنہگار رہے، خواہ نمازیں پڑھتا رہے اور
روزے رکھتا رہے۔ ادا کر سکنے کی صورت میں قرض ادا نہ کرنا ایسا گناہ
ہے جو جاگتے ہی نہیں سوتے میں بھی۔ خدا اس پر لعنت بھیجتا ہے۔
قرض خواہ کو رضامند رکھ کر قرض ادا کرنا چاہیئے۔

پانچویں قسم احسان کی یہ ہے کہ جس سے معاملہ کیا جائے وہ اگر
معاملے کو فسخ کرنا چاہے تو اس کے حق پر نہ ہونے کے باوجود محض اس
کی خاطر سے فسخ منظور کر لے

چھٹی قسم احسان کی یہ ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کو یہ سوچ کر
قرض دے کہ جب تک وہ ادا کرنے کے قابل نہ ہوگا میں نہیں مانگوں
گا اور مقروض مر گیا تو معاف کر دوں گا۔ کہیں یادداشت نہیں رکھوں گا
تاکہ میرے ورثا ایسے مقروض کو نہ ستانے پائیں۔

مسلمانوں کو اپنے پیشے کی بابت معلوم رہنا چاہیئے کہ کیا
حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ ایک پیشہ بھی دنیا میں ایسا نہیں ہے جس
کی بابت اسلام ہدایت نہ دے سکتا ہو۔ احتیاط اور پرہیزگاری کے بھی مدارج ہیں
اور حلال و حرام کے بھی مدارج ہیں۔ سب انسان بھی احتیاط پر پورے نہیں اتر سکتے
اور تمام حرام و حلال بھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ مثلاً کسی امیر کا مال غصب
کر لینے اور کسی درویش کا مال غصب کر لینے میں فرق ہے۔ مال کسی کا بھی غصب

کیا جائے گناہ ہے، لیکن درویشوں اور یتیموں کا مال غصب کرنا گناہ عظیم ہے۔ ویسے بزرگانِ سلف تو مستحبات تک میں سخت احتیاط برتتے تھے احتیاط کی حد کردیتے تھے۔ وہ صرف یہی نہیں دیکھتے تھے کہ دودھ کس سے خریدا ہے اور قیمت کہاں سے ادا کی ہے بلکہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ جس بکری کا دودھ ہے اس نے غیر کے کھیت میں تو نہیں چرا ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ بیت المال کا مشک تول رہی تھیں۔ تول چکیں تو ہاتھوں میں مشک کی خوشبو بس گئی تھی انہوں نے ہاتھ اپنی چادر پر مل لئے۔ حضرت عمر وہ چادر خود دھونے بیٹھ گئے اور جب خوشبو اڑ گئی، تب چادر اوڑھنے کو دی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے مشک رکھا گیا تو انہوں نے ناک بند کرلی اور فرمایا "یہ کل مسلمانوں کا مال ہے۔ میں اکیلا اس کی خوشبو سے لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔"

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے مریدوں کو امراء کے ہاں کی آرائشیں دیکھنے سے روکا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تم یہ آرائشیں دیکھنے ہو تو امراء سمجھتے ہیں کہ ہم نے دیکھنے دکھلانے کے لائق کام کیا ہے اور پھر وہ اور اسراف کرتے ہیں تمہیں اسراف کی تحریک کا گناہ گار نہ بننا چاہیئے۔ بزرگانِ سلف کا قول تھا کہ ظاہر کی آرائش خلق کی نظارہ گاہ ہے اور باطن کی آرائش خالق کی نظارہ گاہ ہے۔

زیادہ احتیاط کرنے والا اللہ سے زیادہ ڈرتا ہے، لہٰذا وہ زیادہ ماجور ہوگا۔ لیکن جو معمولی شریعت کا بھی پابند نہیں رہتا وہ غصب کرتا ہے وہ فاسق ہے۔ اسے سزا ملے گی۔

بہر حال اسلام معاملات کو عبادات سے کم اہمیت نہیں دیتا، بلکہ نماز کے سوا، عبادات میں تو کچھ گنجائش ہے بھی۔ روزہ بعض حالات میں قضا کیا جاسکتا ہے اور بعض حالات میں ترک کیا جاسکتا ہے۔ زکوٰۃ اور حج سے کثیر حضرات مستثنیٰ ہیں اور نفلی عبادتوں کا تو ذکر کیا۔ لیکن معاملات میں گنجائش نہیں ہے: اللہ چاہے گا تو شرک کے علاوہ اپنے تمام حقوق نظر انداز فرمادے گا لیکن حقوق العباد معاف ہوں گے تو عباد (بندوں) ہی کے معاف کرنے سے معاف ہوں گے۔

معاملات اللہ کے احکام کے مطابق انجام دیئے جائیں تو خود عبادت ہیں۔ مومن کی پوری زندگی عبادت ہے۔ اللہ اپنے لئے ہم سے کوئی شئے طلب نہیں کرتا۔ اللہ ہماری عبادات کا ضرورت مند نہیں ہے۔ کلمہ توحید پڑھوانا ہمیں انسانیت سکھاتا ہے۔ وہ انسان کس کام کا جو خالق کو نہ جانے، جس نے وجود بخشا ہے، اُس کا احسان نہ مانے۔ نماز جاننے اور ماننے کی عملی شکل ہے۔ اور روزہ، زکوٰۃ اور حج کے فائدے بالکل عیاں ہیں، اور معاملات کے فائدے اور زیادہ عیاں۔

ماں باپ کبھی پسند نہیں کیا کرتے کہ ان کی اولاد ایک دوسرے کے ساتھ بدمعاملگیاں اور دغابازیاں کرے۔ ایک دوسرے سے بُرا برتاؤ کرے۔ ایک دوسرے کو ذبح کرنے لگے۔ اللہ بندوں کی بھلائی کا ماں باپ سے بڑھ کر خواہاں ہے اسلام کا مقصد یہی ہے کہ بندے بندوں پر ظلم نہ کریں۔ آپس میں سلوک اور محبت سے رہیں۔

غیر مسلموں کے ساتھ اُسے جو کرنا ہے، ان کے مرنے کے بعد کرے گا یہاں

اگر وہ اشاعت اسلام میں رخنے نہ ڈالیں تو ان سے اچھے برتاؤ اور خوش معاملگی
کا حکم ہے ۔ بدمعاملگی اسلام کے مقصد کو فوت کر دیتی ہے ۔

معاملات کاروبار تک محدود نہیں ہیں ، آپ نے کسی کی روپے پیسے
سے مدد کی ہے : لیکن ساتھ کے ساتھ اس پر جتلائے بھی جاتے ہیں ۔ اس کی
بابت ارشاد ہوا قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ
يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ○ اچھے الفاظ (اور عام طریقے)
اور درگزر (اس) خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے اذیت (اور دل آزاری
لگی) ہو ۔ اللہ غنی (اور) بردبار ہے (تم بھی غنی اور بردبار بنو) ۔

یا آپ غریبوں کے مقابلے میں امیروں کی طرف بہت توجہ کرتے ہیں ،
تو یاد کیجیے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے واقعے کو کہ حضور
نے یہ سوچ کر کہ سرداران قریش ایمان لے آئیں گے تو اشاعت اسلام کی
رکاوٹیں کم ہو جائیں گی ۔ سرداران قریش کی طرف توجہ رکھی تھی اور ایک
غریب نابینا صحابی کی طرف توجہ نہیں فرمائی تھی ۔ صحابی نابینائی کے باعث
موقع اور محل سے بے خبر تھے اور اپنی طرف متوجہ کیے جاتے تھے حضور
کو ان کی حرکت ناگوار گزری اور حضور کی تیوری چڑھ گئی ۔ وحی آئی :۔
عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ۙ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ○ تیوری چڑھائی : اور
مونہہ پھیر لیا ، کیونکہ ان کے پاس (ایک) اندھا آیا تھا (اور وہ اس
وقت آنکھوں والوں اور بڑی حیثیت کے لوگوں سے مصروف گفتگو تھے)

نماز

صفِ مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اس کی
یہ سمجھو تم اُسے اللہ کے دربار میں دیکھا

(اکبر الہ آبادی)

نماز کیا ہے ؟ مخلوق کا اپنے دل ، اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں سے اپنے خالق کے سامنے عبودیت کا اظہار ، اس رحمان ورحیم کی یاد اور اس کے بے انتہا احسانات کا شکریہ ، حسنِ ازل کی حمد و ثنا اور اس کی یکتائی اور بڑائی کا اقرار ۔

یہ اپنے محبوب سے مہجور روح کا خطاب ہے ۔ یہ اپنے آقا کے حضور میں جسم وجان کی بندگی ہے ۔ یہ ہمارے اندرونی احساسات کا عرض نیاز ہے ۔ یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے ، یہ خالق و مخلوق کے درمیان تعلق اور وابستگی کی گرہ ہے ۔ یہ بے چین روح کی تسکین ، مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس انسان کی آس ہے یہ

حساس و اثر پذیر طبیعت کی باطنی پکار ہے - یہ زندگی کا حاصل، اور ہستی کا خلاصہ ہے - (علامہ سید سلیمان ندوی)

دشمن کی فوجیں مقابل کھڑی ہیں، تیروں کا مینہہ برس رہا ہے، نیزوں اور تلواروں کی بجلیاں ہر طرف کوند رہی ہیں، سر، ہاتھ اور بازو کٹ کٹ کر گر رہے ہیں کہ نماز کا وقت آجاتا ہے - فوراً جنگ کی صفیں نماز کی صفیں بن جاتی ہیں اور اللہ اکبر کی آواز کے ساتھ موت اور حیات سے بے پروا ہو کر گردنیں جھکنے اور اٹھنے لگتی ہیں -

نور کا تڑکا ہے - دائرہ اسلام کا مرکز فاروق اعظمؓ امام نماز ہے پیچھے صحابہ کی صفیں قائم ہیں - دفعتہً ایک شقی خنجر بہ کف آگے بڑھتا ہے، اور خلیفہ پر حملہ آور ہو کر شکم مبارک کو چاک کر دیتا ہے - فاروق اعظم غش کھا کر گر پڑتے ہیں - خون کا فوارہ جاری ہو جاتا ہے مگر نماز کی صفیں نہیں ٹوٹتیں - حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت فاروق اعظم کی جگہ آتے ہیں اور نماز پوری کراتے ہیں - (ولہٗ)

اللہ اور اللہ کے رسولؐ پر ایمان لانے کے بعد، ایمان لانے کی پہلی نشانی، پہلی علامت اور پہلا مارکہ نماز ہے - حدیث ہے کہ ایمان اور کفر کے درمیان امتیاز نماز ہی سے ہوتا ہے - زکوٰۃ دینے کو سب نہیں دیکھتے - روزہ بھی چھپا رہ سکتا ہے - حاجی ہونے کا اظہار کرتے پھرنا تو کبھی کبھی برا لگتا ہے - لیکن نماز کے لئے حکم ہے کہ ظاہر کر کے پڑھو - تہجد اور اشراق وغیرہ کا ڈھنڈورا مت پیٹو مگر فرض نمازوں کے گواہ بناؤ - مسجد میں آؤ -

پانچ وقت کی نماز عورت مرد - بوڑھے جوان، امیر غریب،

بیمار اور تندرست ہر شخص کے لئے لازمی ہے۔ بیماری کی وجہ سے مسجد نہ جا سکو تو گھر میں پڑھو۔ کھڑے ہو کر نہ پڑھ سکو تو بیٹھ کر پڑھو۔ بیٹھ کر نہ پڑھ سکو تو لیٹے لیٹے پڑھو۔ پڑھو اور مرتے مرتے پڑھو۔ سوائے حیض و نفاس کے کسی وقت اور کسی حال میں نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں ہے۔

زکوٰۃ صرف اہلِ نصاب پر فرض ہے۔ روزہ انتہائی کمزوری ہو تو قضا کیا جا سکتا ہے یا اس کا فدیہ دیا جا سکتا ہے۔ حج دولت مند کرتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا۔ لیکن نماز کا معاملہ دوسرا ہے۔ قریباً اقرار کو توحید رسالت کے معنی کیا ہیں۔ اگر رسولؐ کی اتنی بات بھی نہ مانی جائے کہ اللہ کے آگے سر جھکاؤ " نماز وہ فرض ہے جو اسلام کے ساتھ ساتھ پیدا ہوا اور اس کی تکمیل اس شبستان قدس میں ہوئی جسے معراج کہتے ہیں " نماز عامۃ المسلمین کی معراج ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج سے اسلام مکمل ہرگز نہیں ہو جاتا۔ جو حضرات ارکانِ اسلام پر اسلام کو ختم سمجھتے ہیں وہ ناواقف اور سادہ لوح ہیں لیکن جو لوگ ارکانِ اسلام کی پرواہ نہیں کرتے اور بس معاملات کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے معاملات پابند ارکان مسلمانوں سے بدتر ہیں، اور وہ زیادہ ناواقف اور فریب خوردہ ہیں۔

مسلمانوں کی نمایاں پہچان نماز ہے۔ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ مسلمان اپنی نماز سے (غفلت اور تساہل نہیں برتتے) خبردار (اور ہوشیار) رہتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ نمازی (مسلمان) وہ جو اپنی نماز پر مداومت کرتے ہیں

(نماز ہمیشہ پڑھتے ہیں)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو توحید کے بعد پہلا حکم حضورؐ کو نماز کا ملا۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ اے چادر اوڑھنے والے! اُٹھو۔ لوگوں کو (عذابِ الٰہی سے) ڈراؤ۔ اور اپنے پروردگار کو تعظیم سے یاد کرو۔

"تعظیم سے یاد کرنا" نماز کی بنیاد تھی۔ پھر نماز آہستہ آہستہ تکمیل کے مدارج طے کرتی رہی اور روحانی معراج کی سرحد تک پہنچ گئی، اور جمادات، نباتات اور حیوانات کی پرستش اور ہر کس و ناکس کے سامنے سر جھکانے کے بدلے اس کی پرستش کی جانے لگی، جو حقیقتاً پرستش کا مستحق ہے۔ اللہ اور بندے کا ٹوٹا ہوا رشتہ جڑ گیا۔

ابتدائے اسلام میں نماز پڑھنا بہت دشوار کام تھا۔ نماز پڑھتے دیکھ کر دشمن ہلا بول دیتے تھے اور نرغہ کر لیتے تھے۔ بدبختوں نے ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت مبارک کے اوپر نماز کے دوران میں اونٹ کی اتنی بوجھل اوجھڑی ڈال دی تھی کہ حضورؐ بوجھ سے دب گئے تھے اور ہل نہیں سکتے تھے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تشریف لاکر اوجھڑی کو ہٹایا تھا، بدبخت گلے میں پھندا ڈال دیتے تھے اور اسے کھینچتے تھے۔ گلا گھٹ گھٹ جاتا تھا اور نماز پڑھتے وقت حضورؐ کا اور حضورؐ کی نماز کا مذاق اُڑانا، اور سیٹیاں اور تالیاں بجانا تو روز کی بات تھی، اسی وجہ سے حضورؐ نے صحنِ حرم کی بجائے غاروں میں اور دروں میں چھپ چھپ کر نماز پڑھنی شروع کر دی تھی

یا پھر رشتے کے سامنے ہیں اس فرض کو ادا کرتے تھے۔ دن کو حرم میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔ اسی لئے بار بار حکم آتا ہے۔ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اپنے گھر والوں پر نماز کی تاکید رکھو اور خود بھی اس پر جمے رہو۔ دشمنوں کے پریشان کرنے سے پریشان مت ہو۔

حکم ہے: وَقُومُوا لِلّٰهِ قَانِتِينَ۔ اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے ہوا کرو۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً۔ اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو۔ وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا۔ اور اس کو ڈر اور امید (کی ملی جلی کیفیت) کے ساتھ پکارو۔

قرآن مجید نے انسان کی اس فطرت کا جا بجا نقشہ کھینچا ہے اور سوال کیا ہے کہ جب کوئی مصیبت پڑتی ہے۔ مثلاً سمندر میں طوفان آتا ہے اور تمہارا جہاز طوفان میں پھنس جاتا ہے تو وہ کون ہوتا ہے جس سے تم فریاد کرنے لگتے ہو۔ انسانی فطرت اسی کی متلاشی ہے جس سے عرض نیاز کرے۔ جسے دل کی تمنائیں سنائے۔ جس کے آگے جھکے۔ جس کے قدموں میں سر رکھ دے۔ نماز روح کے اسی فطری مطالبے کا علاج ہے۔ دل کی گہرائیوں میں ایک ساز ہے جو نامعلوم انگلیوں کے چھونے سے بجتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کو بے آب و گیاہ ویران سرزمین میں اسی لئے آباد کرتے ہیں کہ وہاں بھی نظام صلوٰۃ قائم ہو جائے۔ (لِيُقِيمُوا الصَّلٰوةَ) ـــــ پھر حضرت ابراہیمؑ اپنے اور اپنی نسل کے لئے دعا مانگتے ہیں تو یہی کہ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ

الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۔ اے پروردگار! مجھے اور میری نسل کو نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا۔

حضرت اسمٰعیلؑ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے
وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ۔

حضرت شعیبؑ کو اُن کی قوم نے نمازیں کا طعنہ دیا تھا۔ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآءُنَا ۔ کیا تمہاری نماز تمہیں یہی سکھاتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جسے پوجتے آئے ہیں ہم اسے چھوڑ دیں۔

حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ میری (یعنی اللہ کی) یاد کے لئے نماز پڑھو۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

حضرت زکریاؑ کی نسبت فرمایا ہے: وَھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ فِی الْمِحْرَابِ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ ہیں۔ وَاَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ۔ اللہ نے مجھے نماز کا امر کیا ہے۔

غرض نماز نئی چیز نہیں ہے لیکن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو نماز کی معرفانہ شان مِٹ چکی تھی۔ سجدہ جو نماز کی جان ہے قطعی ترک کر دیا گیا تھا۔ سورۂ مریم میں انبیاءؑ کا نام بنام ذکر کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ۔ ان کے بعد اُن کی جگہ ایسے لوگوں نے لی جنہوں نے نماز کو برباد کر ڈالا، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی (اپنی من مانی کی۔ نماز کی حقیقت سے واسطہ

نہ رکھا اور نماز کی روح کو نکال باہر کیا ۔

قرآن مجید میں سو دفعہ سے زیادہ نماز کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی بجا آوری پر زور دیا گیا ہے ۔ نماز میں سستی اور کاہل رہنے کو نفاق کی علامت کہا ہے اور نماز ترک کرنے کو کفر کی علامت ۔ بتوں کی پوجا جنات کی دہائی اور فرشتوں کی خوشامد سے باز آؤ اور اپنا منہ ہر طرف سے پھیر کر ٹھیک دین توحید کی طرف کر لو ۔ وہی فطرت اللہ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔ اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں کے طریقے میں شامل نہ ہو ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں : "نماز دین کا ستون ہے ۔ جس طرح ستون کے گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے ۔ اسی طرح نماز کے ترک کرنے سے دل کی دینداری ختم ہو جاتی ہے حیات سرور کائنات کا حصہ اول ملاحظہ کیجئے ۔ طائف کے وفد نے حضور سے گفتگو شروع کی تو کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں ۔ ہمیں نماز جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیجئے ۔ حضور نے جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا لیکن نماز کے متعلق فرمایا "جس دین میں اللہ کے سامنے جھکنا نہ ہو، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے ۔

ایک حدیث ہے : نماز دل کی روشنی ہے ۔

ایک حدیث ہے : نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات سے آخری

الفاظ جو فرمائے وہ "نماز اور غلام" تھے۔ یعنی نماز اور غلام کا ضرور خیال رکھنا۔ نماز ادا ہوتی رہے اور غلاموں کے ساتھ میرا بتایا ہوا معاملہ لیا جائے۔

ایک حدیث ہے: نماز قرآن پڑھنے اور اللہ سے دھیان لگانے اور اس کی پاکی اور بڑائی بیان کرنے کا نام ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ آگاہ رہو کہ دل (فقط) اللہ کی یاد سے تسکین پاتے ہیں۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی ۙ وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے آپ کو پاک اور مزکّٰے کیا اور اللہ کا نام لیا اور نماز پڑھی۔

جب کوئی آفت آئے یا تکلیف ستائے تو وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ثابت قدمی اور نماز کے ذریعے (ہم سے یعنی اللہ سے) مدد مانگو۔

ایک حدیث ہے کہ تم اپنے پروردگار کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور وہ تو بہر حال تمہیں دیکھتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے: وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ (نماز کبھی مت ترک کرو) نماز کو ضرور بالضرور اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرو۔ نماز (اگر مداومت اور خشوع و خضوع اور حسنِ نیت و حضورِ قلب کے ساتھ ادا کی جائے تو) بیہودگیوں اور ناشائستہ حرکتوں (کے کرنے) سے باز رکھتی ہے۔

حضورِ قلب اور خشوع و خضوع تو بڑے اوصاف ہیں، محض مداومت کرنے والے نمازیوں کو دیکھ لیجئے۔ آج بھی معمولی نمازی اپنے درجے

اور مرتبے کے بے نمازی سے بہتر نکلے گا۔ مثلاً کلکٹر اور چپراسی کا نہ کیجئے نمازی کلکٹر اور بے نمازی کلکٹر کا کیجئے یا نمازی چپراسی اور بے نمازی چپراسی کا کیجئے۔

خیر نماز سے بیہودگیوں اور ناشائستہ حرکتوں، اخلاقی کمزوریوں اور نفسانی برائیوں کی کمی کا مشاہدہ آج بھی ہوتا ہے۔ بیہودگیاں اور ناشائستہ حرکتیں چھوڑ دینا ہی تزکیہ نفس ہے اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی۔ جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

نماز کے ثمرات اور برکات کے متعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دفعہ بطور تمثیل فرمایا کہ اگر کسی شخص کے گھر کے آگے صاف شفاف نہر بہتی ہو اور وہ شخص اس میں روزانہ پانچ وقت نہاتا ہو تو کیا اس کے بدن پر میل رہ سکتا ہے، صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ ___ ارشاد ہوا۔ نماز بھی اسی طرح انسان کے گناہ دھو دیتی ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ۔

نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں۔ یہ نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے ایک عمدہ نصیحت ہے۔

کاروبارِ زندگی کرتے وقت انسان کو یادِ الٰہی سے بچتے ہوئے ہم آپ بھی دیکھتے ہیں۔ نیکی کی عادت ہی کا مستقلاً تمد کر سکتی ہے۔ صحابہ کرام کی حالت یہی تھی کہ تجارت کا کاروبار اور خرید و فروخت کے مشاغل انہیں اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے تھے۔ ان کی شان میں اللہ کا ارشاد

ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔
ایسے لوگ جنہیں تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کے مشاغل اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

اسلام نے عبادت کی دو قسمیں رکھی ہیں۔ ایک عام تسبیح و تہلیل اور ذکرِ الٰہی، اس کے لئے نہ زمانے کی قید ہے، نہ مکان کی شرط ہے۔ نہ اٹھنے بیٹھنے کی پابندی ہے۔ یہ عبادت ہر قید و شرط کے بغیر، ہر لحظہ اور ہر وقت میں انجام پا سکتی ہے۔ دوسری قسم عبادت کی وہ ہے جو خاص شکل و صورت کے ساتھ، خاص اوقات میں ادا کی جائے۔ پہلا فرد عبادت انفرادی ہے۔ اسے جماعتی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ وہ تنہائی کا راز ہے جس کو اس طرح خاموشی سے ادا کرنا چاہیئے کہ ریا، اور نمائش کا شائبہ نہ پیدا ہو۔ دوسری قسم کی عبادت جماعتی اور متحدہ طریق کی عبادت ہے۔ اس کو جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا چاہیے پہلی قسم کی عبادت فرض نہیں ہے۔ دوسری قسم کی عبادت فرض ہے اسے ادا نہ کرنے پر عاقبت میں بھی سزا ملے گی اور دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے۔ اُسے جماعت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو ثواب گھٹ جاتا ہے۔

نماز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان کعبۃ اللہ کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے۔ نماز کے واسطے کوئی سمت مقرر نہ ہوتی اور مسلمان جس سمت چاہتے رخ کر کے نماز پڑھ لیا کرتے، کسی کا رُخ مغرب کی سمت رہتا کسی کا مشرق کی سمت اور کوئی شمال کی سمت رُخ کرتا اور کوئی جنوب کی سمت تو کیسا بھونڈا منظر

نظر آتا ۔ میں نے ایک دعوت میں ایسا منظر دیکھا ہے ۔ دسترخوان اتنا لمبا بچھایا گیا تھا ۔ جو جہاں بیٹھا تھا وہیں اس کا کھانا رکھ دیا گیا تھا ۔ مجھے تو بے ترتیبی بڑا بھونڈا لگا ۔ مگر مزا میرا اس تصور سے جی اٹھتا ہے کہ مختلف سمتوں میں نماز پڑھی جا رہی ہے ۔ سلیقہ اور شان اسی میں ہے کہ مسلمان ایک سیدھی سمت بیٹھے اور قرینے سے کھڑے ہوئے ایک سمت رخ کئے کھڑے ہیں ۔ نماز کی یہ خصوصیت دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک رخ پر یکجہتی اور ایک رنگ سکھاتی ہے اور وحدت کا راستہ دکھاتی ہے ۔ یہی نماز کا نتیجہ ہے ۔ نماز اقرار توحید کی عملی کیفیت کا اظہار ہے ۔ خاص طریقے خاص وقت اور خاص سمت اختیار کئے بغیر یہ اظہار نہیں ہو سکتا تھا اور مسلمانوں کی وحدت کا نظام قائم نہیں رہ سکتا تھا ۔ نماز نے کروڑوں جسموں کو متحد جسم بنا دیا ۔

انسان انسان کی تعظیم کرنی چاہتا ہے تو اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا ہے ۔ نماز میں قیام وہی تعظیم ہے ۔ ہم اللہ کو اپنے روبرو دیکھتے ہیں یا کم از کم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارے روبرو ہے ۔ ہم اللہ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں ۔ پھر اس کی کبریائی اور اس کا جلال ہم پر چھاتا ہے تو اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور بالآخر اپنی عاجزی اور اپنا تذلل محسوس کر کے اس کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں ۔ کس قدر فطرت کے مطابق ہیں نماز کی حرکتیں اور کتنا تال میل ہے ان حرکتوں اور ان دعاؤں میں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں ۔ دعاؤں اور حرکتوں سے انسان عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جاتا ہے ۔

روح اور جسم دونوں اللہ کے مخلوق ہیں ۔ انسانی زندگی کے

یہ دونوں چیزیں اللہ کے احسانات و انعامات سے یکساں گراں بار ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ روح اور جسم دونوں اپنے خالق اور اپنے پروردگار کے حضور تعظیم کو کھڑے ہوں، جھکیں اور سجدہ کریں۔ تعظیم کی یہی تین صورتیں ہیں۔ چوتھی صورت طواف کی ہے جو نماز میں ممکن نہ تھی، وہ حج میں برتی جاتی ہے۔

لوگ تعظیم کی یہ صورتیں انسانوں، حیوانوں، نباتات اور جمادات کے ساتھ برتتے ہیں۔ اور مسلمان اللہ اور صرف اللہ کے ساتھ جنہوں نے اپنی تعظیم اس صورت سے کرائی کہ اللہ کے بندے ہاتھ باندھے اور صفیں بنائے ان کے سامنے کھڑے ہیں اور اُن کے آگے جھک رہے ہیں اور انہیں سجدے کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو بھی تباہ کر لیا اور اپنی قوم کو بھی تباہ کر دیا۔ اور جو آج اپنی تعظیم کے لئے ان صورتوں کو پسند کرتے ہیں وہ بھی تباہ ہوں گے۔ دیر ہے، اندھیر نہیں۔

ذرا ٹھہر جا مؤذن مرا دل لرز رہا ہے
کہیں کعبہ گر نہ جائے تری مستی اذاں سے

زکوٰۃ

نماز والے مضمون میں صلوٰۃ کے ساتھ ایک دو جگہ میں نے نظام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یعنی خالی صلوٰۃ نہیں لکھا، نظام صلوٰۃ لکھا ہے۔

نماز کا حقیقی مقصد یقیناً خالق و مخلوق کے درمیان رابطہ پیدا کرنا ہے۔ لیکن یہ رابطہ عام تسبیح و تہلیل اور ذکر الٰہی سے پیدا ہو سکتا تھا۔ یا گھر کے اندر فرداً فرداً نماز پڑھ لینے سے ہو سکتا تھا۔ نماز باجماعت پر زور دینے کی کیا ضرورت تھی۔

نماز باجماعت پر اس لئے زور دیا گیا ہے کہ اسلام فقط خالق و مخلوق ہی میں نہیں، مخلوق مخلوق میں بھی رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ یا مخلوق مخلوق کے ربط کے ذریعے خالق و مخلوق میں رابطہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

مخلوق مخلوق میں رابطہ نماز باجماعت سے پیدا ہوتا ہے۔ نماز باجماعت

کا ایک بڑا فائدہ نظامِ جماعت قائم کرنا ہے۔

یہ مشہور ہے کہ مساجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ان باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں۔ ورنہ اسلام تو مکمل دین ہے۔ اسلام نے دین اور دنیا کی تفریق نہیں رکھی ہے۔ دنیا کا صحیح استعمال بھی دین ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں زندگی کے تمام مسائل مسجد کے اندر طے پاتے تھے۔ تمام مجلسیں [illegible] مسجد کے اندر منعقد کی جاتی تھیں۔ [illegible] تھے۔ کفار کے وفد آکر مسجد میں ٹھہرتے تھے۔

جن باتوں کو منع کرنے والے منع کرتے ہیں وہ صرف مسجد کے اندر نہیں مسجد کے باہر بھی منع ہیں۔ لہو و لعب اور رنگ رلیوں کی باتیں مسجد میں ہرگز مت کیجئے لیکن مسجدوں کو محض نماز و اعتکاف کے لئے مخصوص نہ سمجھئے اور مسجدوں کو کھویا ہوا مقام دلانے کے ساتھ ان سے وحدتِ ملت کے کام میں ضرور لائیے۔ بغیر اس کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننا محال ہے۔

مسجدوں میں مکتب اور مدرسے قائم کئے جا سکتے ہیں۔ مسجدوں کے ذریعے بغیر روپیہ خرچ کئے میونسپلٹیوں، اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کا الیکشن ہو سکتا ہے۔ مسجدوں سے کام لیجئے۔ مسجدیں دو ڈھائی گھنٹوں کے سوا سارے وقت بے مصرف رہتی ہیں۔

زندگی کے مسائل کو نمازوں کا ضمیمہ اور تتمہ بنائیے۔ حضور قریباً ہر نماز کے بعد زندگی کے مسائل لے کر بیٹھا کرتے تھے۔ مدرسوں اور انجمنوں کے درمیان کے جملہ مسائل مساجد کے اندر خوب حل ہو سکتے ہیں۔

اسلام کے پورے نظام کی جڑ نماز با جماعت ہے۔ زکوٰۃ اس کی اقتصادی کڑی ہے۔ ایسی کڑی جسے نماز کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ زکوٰۃ نماز کی طرح رکنِ اسلام ہے۔ توحید کے بعد پہلا رکن نماز دوسرا رکن زکوٰۃ۔

قرآن مجید میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تاکید بالکل جڑواں کی گئی ہے جہاں صلوٰۃ کا ذکر آتا ہے وہیں فوراً زکوٰۃ کا ذکر آجاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز سب کو پڑھنی پڑتی ہے، زکوٰۃ سے مفلس محتاج اور غریب اور نادار مستثنیٰ ہیں۔ یا نماز اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ بندوں کا حق یا نماز تقاضا ہے روحانی غذا کا اور زکوٰۃ مادی بنیاد۔

نماز با جماعت کا مقصد نظامِ جماعت قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ کا مقصد نظامِ جماعت کے قیام کے واسطے سرمایہ پہنچانا۔

زکوٰۃ دولت کا خاص حصہ ہر سال نکالا جانا ہے جو غریبوں کی امداد، غرباء و بیوگان کی فلاح پر صرف کی جاتی ہے۔ زکوٰۃ ٹیکس نہیں ہے، آمدنی کا ٹیکس یعنی انکم ٹیکس نہیں۔ جس کا ادا کرنا برداشت سے باہر ہو جاتا ہے اور کسی کو دھوکا بازی سکھاتا ہے۔ زکوٰۃ بچت کا ٹیکس ہے۔ آپ کی آمدنی ہزار روپے ماہوار ہو۔ لیکن آپ سب خرچ کر دیتے ہوں، بچانے کی نیت اور کوشش کے باوجود سال کے آخر پر [illegible] نہ بچتا ہو۔

سنہ ۱۹۴۷ء سے پہلے جب میں دلی میں تھا تو ایک بہت بڑے [illegible] کے متعلق تحقیق کرتا تھا کہ اس نے پانچ ہزار روپے ماہوار کا ایک ماہر انکم ٹیکس نوکر رکھا ہوا تھا جو ایسی ترکیبیں بتاتا رہتا ہے کہ اسے پورا ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔ انکم ٹیکس بچانے کے لئے دو حساب رکھنا تو عام بات ہے۔

کے پاس نہ پہنچے جتنا بچے کی صورت میں زکوٰۃ دی جاتی ہے تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

روپے کو متحرک رہنا چاہیئے۔ آج ایک کے پاس ہے۔ کل دوسرے کے پاس۔ کوئی روپے پر سانپ بن کر نہ بیٹھے۔ اس سال کی بچت چالیس سال میں قطعاً قبضہ سے نکل جائے۔ بس یہ ہے زکوٰۃ، یہ ہے اسلامی ٹیکس

دولت چند افراد یا چند خاندانوں میں رُک کے رہنے کی شے نہیں ہے۔

اُسے زیادہ سے زیادہ انسانوں تک پہنچنا اور پھیلانا اور زیادہ سے زیادہ انسانوں کے کام آنا چاہیئے۔ چالیس سال کے اندر تو آج کے مال و متاع کا آپ کے ہاتھ سے چلا جانا لازمی اور فرض ہے۔ ویسے منشاء خداوندی اس آیت نے صاف کر دیا ہے: یَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ۔ قُلِ الْعَفْوَ (اے رسول! مسلمان) آپ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کس قدر خرچ کیا کریں تو (انہیں) بتا دو کہ جس قدر تمہاری (ذاتی) ضرورتوں سے زیادہ رہے (سب اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اپنے آپ کو گرا کر نہیں۔ غریب مت بناؤ۔ لیکن امیر سے امیر تر بھی نہ بناؤ بلکہ زائد از ضرورت مال، متاع غریبوں کو اونچا لے جانے میں لگا دو۔)

نادار صحابہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے بے تاب رہا کرتے تھے جب حکم ہوا کہ صدقہ دینا ہر مسلمان پر فرض ہے تو نادار صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ کیا کرے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ وہ محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ بھی بھرے اور دوسروں کو بھی دے۔ صحابہ نے عرض کیا: کسی میں اگر محنت، مزدوری کرنے کی طاقت نہ ہو تو وہ اس حکم کی تعمیل کیوں کر کر سکتا ہے حضور نے

فرمایا: پیسے کے علاوہ اور طریقوں سے اہلِ حاجت اور فریاد خواہ کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے

اسلام نے زکوٰۃ کا مکمل نظام تیار کیا ہے۔ سونے چاندی کی جانور اور پیداوار کی الگ الگ شرحیں مقرر کر دی ہیں۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ ڈھائی فی صدی ہے۔ پیداوار کی دس فی صدی جانوروں کی مختلف قسموں اور مختلف تعداد پر قیمت کی کمی بیشی کے لحاظ سے مختلف شرحیں ہیں۔ افراطِ زر جس نے آج کل دنیا کو تحیر رکھا ہے اور جس کا علاج انکم ٹیکس اور سوپر انکم ٹیکس نہیں کر سکا۔ اس کا علاج اسلامی ٹیکس، زکوٰۃ سے ہو سکتا ہے بشرطیکہ بادشاہ ابوبکر و عمر کے متلاشی بن جائیں اور ابوبکر و عمر کی مانند زکوٰۃ کی وصولی و خرچ کا انتظام کریں۔ زکوٰۃ کو اپنے ہی اوپر نہ خرچ کر دیں۔

سنہ ہجری میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یمن جا کر اسلام کی دعوت دو اور کہا کہ پہلے توحید کا مطلب سمجھانا۔ لوگ توحید سے واقف ہو جائیں تو بتانا کہ دن میں پانچ وقت کی نماز فرض ہے۔ پھر بتانا کہ زکوٰۃ بھی فرض ہے جو ان کے دولت مندوں سے لے کر ان کے غربا پر خرچ کی جائے گی۔

نماز جماعت اور مسجد کے بغیر ادا ضرور ہو جاتی ہے مگر اپنے بعض مقاصد سے دور رہ جاتی ہے۔ علی ہذا زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ ادا ہو جاتی ہے لیکن اس کے بعض اہم مقاصد زندگی نہیں پاتے یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب چند قبیلوں نے کہا کہ ہم زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہیں کریں گے۔ بطور

خود اسے صرف کر دیا کریں گے تو شریعتِ محمدی کے شناسائے راز نے ان کی یہ تجویز قبول نہیں کی اور انہیں بزور مجبور کیا کہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل کریں۔ قبیلوں کی یہ تجویز مان لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سررشتہ اسی وقت پارہ پارہ ہو جاتا، مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

الغرض زکوٰۃ یا دوسرے الفاظ میں غریبوں کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی نصرت، غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کا اہتمام بڑی اہم عبادت ہے۔ کاش زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہو اور ایمان داری سے خرچ کی جائے۔

اسلام کا خلاصہ یہی دو لفظ ہیں، صلوٰۃ اور زکوٰۃ، اللہ کا حق اور بندوں کا حق۔ جس طرح نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا اسی طرح زکوٰۃ کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا۔ شروع میں نماز کی بھی یہ شکل نہیں تھی جو مدینہ منورہ پہنچ کر اور رفتہ رفتہ بنی۔ اور شروع میں زکوٰۃ کا بھی یہ نظم نہیں تھا جو فتح مکہ کے بعد اختیار کیا گیا لیکن مالی خیرات کی ترغیب اور ادائیگی نماز کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ سورۂ مدثر شروع زمانے کی سورۃ ہے اسے پڑھئے۔ ارشاد ہے: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ.... وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ (اپنے پروردگار کو بڑائی سے یاد کرو... اور کسی پر اس طرح احسان مت کرو کہ (ایک وقت تو احسان کرو اور دوسرے وقت) زیادہ بدلہ چاہو)

ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ کے معنی محض خیرات تھے۔ پروردگار کو یکسوئی اور تعظیم سے یاد کرنا نماز کی روح ہے اور احسان کرکے بالعموم

چاہنا زکوٰۃ کی روح ہے۔

مکہ میں مسلمانوں کی بڑی تعداد شکستہ حالی اور غربت اور بیکسی، پریشانی اور پراگندگی کے باوجود بھوکے کو کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعریف فرماتا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ
لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور محتاجوں، یتیموں اور قیدیوں کو کھانا کھلا دیتے ہیں اور جب کوئی شخص ان کا شکریہ ادا کرتا ہے تو کہتے ہیں، بھائیو! ہم نے تو (تم کو) اللہ کی رضا جوئی کے واسطے کھانا کھلایا ہے۔ ہم تم سے شکریہ اور بدلے کے طالب نہیں ہیں۔

مگر فتح مکہ سے قبل زکوٰۃ کی تنظیم کا موقع نہیں آیا تھا۔ رمضان سنہ ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور اسلام سارے ملک عرب پر چھا گیا۔ تب یہ حکم ملا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيهِم بِهَا

اے رسول! ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لو تاکہ اس کے ذریعے سے تم انہیں (گناہوں اور مال کی محبت سے) پاک کر سکو۔

چنانچہ محرم سنہ ۹ ہجری میں بیت المال کھلا۔ زکوٰۃ کے محصل مقرر کیے گئے اور زکوٰۃ کے قوانین مرتب کر دیے گئے۔ سورۂ برأت میں جو سنہ ہجری میں اتری تھی زکوٰۃ کے اصولی قوانین و احکام موجود ہیں۔

زکوٰۃ کی تنظیم میں پہلی چیز اس کی مدت کا تعین تھا، آمدنی کا اصل سرچشمہ زمین کی پیداوار کے بعد بیوپار، صناعی اور سب کچھ۔ لہٰذا سال بھر کی مدت رکھی گئی کہ چاروں گرمی، برسات، ربیع اور خریف تمام موسم اور فصلیں گزر جائیں اور زمیندار، کاشتکار، تاجر، ملازم اور صناع، ہر ایک آمد و خرچ کا حساب کرے اور اپنی مالی حالت کا اندازہ لگائے۔ بڑے جانوروں کی پیدائش اور افزائش کا زمانہ بھی اوسطاً ایک سال ہے۔

زکوٰۃ کی تنظیم میں دوسری چیز مقدار ہے۔ اس کا اسلام نے یہ اصول قرار دیا ہے کہ جس کام پر محنت اور سرمایہ کم صرف ہو، اس کی زکوٰۃ زیادہ اور جیسے جیسے محنت اور سرمایہ بڑھتا جائے ویسے ویسے زکوٰۃ کم، مثلاً جہاد کا مقصد دین کی حمایت اور اعلائے کلمۃ اللہ ہوتا ہے، مال غنیمت حاصل کرنا نہیں ہوتا۔ مال غنیمت ایک زائد شئے ہے جو رُوکن میں مل جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی زکوٰۃ بیس فی صدی ہے:

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ
لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي
الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
السَّبِيْلِ

(خوب) جان لو (اور یاد رکھو) کہ (لڑائی میں کافروں کا) جتنا مال و متاع تمہارے ہاتھ لگے اس کا خمس (یعنی پانچواں حصہ) اللہ کے لیے اور رسول کے لیے اور رشتہ داروں کے لئے، یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لئے ہے (یعنی جماعت کی مشترکہ ضروریات کے لئے)

یا دفینہ نکل آئے تو اس پر بھی خمس یعنی بیس فی صدی زکوٰۃ ہے

پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ جانوروں کی بابت آگے بات ہے۔

پیداواریں بعض پیداوار ایسی ہیں کہ انہیں کچھ عرصہ روکا جا سکتا ہے جیسے گیہوں، چنے اور بعض پیداواریں کہ انہیں زیادہ عرصہ نہیں روکا جا سکتا جیسے سبزیاں، ترکاریاں۔ سبزیوں اور ترکاریوں پر زکوٰۃ متعلق نہیں ہے۔ جس سامان میں نشوونما پانے اور ترقی کرنے کی صلاحیت نہ ہو وہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے جیسے لباس ہے اور گھر کا اسباب ہے لیکن زکوٰۃ سے بچنے کی نیت رکھ کر نشوونما نہ پانے اور ترقی نہ کرنے والا سامان جمع کیا جائے گا تو بڑا گناہ ہوگا۔ تعیش اور فخر و مباہات کے لئے بھی ایسے سامان جمع کرنا گناہ کی بات ہے۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ پیداوار پر زکوٰۃ دس فی صد ہے یہ دس فی صدی زکوٰۃ اس پیداوار پر ہے جس کے لئے کاشتکار کو پانی کا اہتمام نہ کرنا پڑے۔ بارش اور دریا، نہروں وغیرہ سے سیراب ہوں۔ جس کھیت کے لئے کاشتکار کو پانی کھینچنا پڑے اس کی پیداوار پر پانچ فی صدی زکوٰۃ ہے۔ نقدی اور سرمایہ جو تجارت میں نشوونما اور ترقی و افزائش میں استعمال ہوتا رہتا ہے اور اضافہ کر دیتا ہے اس پر ڈھائی فی صد ہے۔

اونٹ، گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری پر زکوٰۃ کی شرح الگ الگ ہے۔ مثلاً پانچ سے چوبیس اونٹوں تک کی زکوٰۃ ہر پانچ پر بکریاں ہے۔ پچیس اونٹوں سے اوپر تک کی زکوٰۃ اونٹ کا بچہ ہے۔

پانچ اونٹوں سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ گائے بیل اور بھینس کی زکوٰۃ تیس کی تعداد سے شروع ہوتی ہے اور بھیڑ بکری کی چالیس

کی تعداد ہے۔

غلہ اور پھل بھی اگر صرف ایک اونٹ کا بوجھ ہے تو زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ چاندی دو سو درہم سے اور سونا بیس مثقال سے کم ہو تو زکوٰۃ نہیں لی جائے گی۔

غلاموں کے پاس روپیہ ہے مگر اسے انہوں نے آزادی حاصل کرنے کے لئے جمع کر رکھا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

زکوٰۃ ایسا ٹیکس ہے کہ اسے اندھا دھند اور اٹکل پچو نہیں اٹھایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصارف بتا دیئے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ
وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ
وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَابْنِ السَّبِيلِ ط

زکوٰۃ، فقیروں اور مسکینوں کا (حق ہے) اور ان کارپردازوں کا حق ہے جو (اموال) زکوٰۃ کی تحصیل کرتے ہیں۔ (یعنی زکوٰۃ میں سے زکوٰۃ کے محکمے اور زکوٰۃ کے صیغہ میں کام کرنے والے عملے کو معاوضہ دیا جائے) اور زکوٰۃ ان کا حق ہے جن کی (اسلام کے لئے) تالیف قلب کرنی مقصود ہو۔ اور غلاموں کی گردنوں (کے چھڑانے اور ان کو آزادی دلانے) میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) اور تاوان والوں کا تاوان[1] بھرنے

[1] اللہ کے بعض بندے اللہ کی خوشنودی کی خاطر مالی ضمانتیں دے دیا کرتے ہیں۔ کبھی کبھی انہیں پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ زکوٰۃ کے بیت المال سے قومی نظام کے ماتحت ضامنوں کو سبکدوشی دلوائی جا سکتی ہے۔

اور اللہ کی راہ میں[1] اور مسافروں کی مدد کرنے میں زیادہ سے زیادہ خرچ کیا جانا چاہئے۔

ضرورت مندوں میں زیادہ ضرورت مند کی مدد مقدم ہے۔ دو یکساں ضرورت مندوں میں اگر ایک قرابت دار ہو تو قرابت دار کو ترجیح دینی چاہئے۔

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی

(یعنی اس نے محبت سے جو اپنا) مال اللہ کی محبت میں قرابت داروں کی ضروریات پر لگایا یعنی قرابت دار فائق ہے۔ اور قرابت داروں میں ماں باپ ضرورت مند ہوں تو فائق ہیں۔ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ — سب سے پہلے والدین، پھر دوسرے رشتہ دار، اور پھر یتامٰی اور مساکین۔ مگر اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرابت دار کی معمولی ضرورت کو غیر کی اہم ضرورت پر فوقیت دے دو۔ اوپر عرض کر آیا ہوں کہ یکساں ضرورت مندی کی صورت میں قرابت دار کو ترجیح دینی چاہئے۔ قرابت دار ہی نہیں، دوست اور ہمسائے بھی یکساں ضرورت مندی کی صورت میں دوسرے کے ضرورت مندوں سے فائق ہیں۔

فقراء و مساکین کی امداد کے معاملے میں تمام مذاہب اسلام کے شریک نکلیں گے اور مسافروں سے بھی دوسرے مذاہب کو دلچسپی رہ چکی ہے۔[2]

---

[1] "اللہ کی راہ میں" کا مفہوم اکثر فقہاء نے فقط جہاد لیا ہے۔ لیکن علامہ سید سلیمان ندوی تحدید سے متفق نہیں ہیں اور کہتے ہیں کہ فی سبیل اللہ سے ہر دینی کام مراد ہے۔

[2] آج کل مسافروں کو جو آسائشیں ملنے لگی ہیں ان سے یہ نہ سمجھئے کہ ہر مسافر کا مسئلہ حل ہو گیا۔ غریب مسافر اب اور زیادہ (بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۶ پر)

بلکہ غلاموں کی گردنیں چھڑانے اور قرض و تاوانات ادا کرنے، ٹیکسوں کی رقم لگانا اسلام کی خصوصیت ہے۔ نیز ٹیکس کی تحصیل کے واسطے عملہ رکھنا بھی اسلام نے سکھایا ہے۔ انسانی نفس کی بیماریوں کا بڑا سبب اللہ سے بے تعلقی اور بے نیازی ہے۔ اس کا علاج نماز ہے۔ دوسرا سبب نفسانی اور روحانی بیماریوں کا غیر اللہ سے تعلق اور لگاؤ ہے۔ اس کا علاج زکوٰۃ ہے۔

مال سے انسان بے حد محبت کرتا ہے لہٰذا مال اللہ کی راہ میں دیتے رہنے سے نفس کے آئینے کا زنگ چھٹتا ہے[1] اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے۔ مال کی حرص میں کمی آتی ہے۔ بخل چلا جاتا ہے۔ شخصی خود غرضی کی جگہ جماعتی اغراض لے لیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سود کا لین دین حرام کر دیا، کیونکہ سود شخصی دولت بڑھاتا ہے اور جماعتی دولت گھٹاتا ہے۔ قوم مفلس ہو جائے تو قوم کے دولت مند بھی، دولت مند نہیں رہ سکتے۔ یہی سبب ہے، قرآن مجید نے اسی لئے فرمایا: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ[2] (اللہ سود (کی کمائی) برباد کر دیتا ہے اور صدقہ و خیرات سے (انسان

(نوٹ بقیہ صفحہ ۱۱۵) مستحق امداد ہیں۔ نئے طریقوں نے پرانے طریقوں کو مٹا دیا ہے۔ جہاں جہاں یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام پہنچ گیا ہے۔ وہاں اب سرائیں، مسافر خانے اور جہاز خالی نہیں ہوتا ہے۔ غریب مسافر تو اب کہیں سر بھی نہیں چھپا سکتے۔

[1] زکوٰۃ کے معنی پاکی اور صفائی کے ہیں یعنی اخلاقی بیماریوں اور روح و قلب کے امراض سے پاک اور صاف ہونا، اپنا تزکیہ کرنا۔

کو (دین و دنیا میں) بڑھاتا ہے، یعنی سود موجب تباہی ہے اور زکوٰۃ و خیرات موجب ترقی۔[۵۱]

اسلام نے مسلمان غرباء کو یہ کہہ کر کہ "غریب (جنہیں دولت کا حساب نہیں دینا ہے) دولت مندوں سے چالیس سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے"[۵۲] خوش خبری بھی دی ہے اور اسلام نے غرباء کی دنیاوی تکلیفوں کو بھی کم کیا ہے۔ زکوٰۃ ایک طرف دولت مندوں کا اخلاق درست کرتی ہے۔ دوسری طرف غریبوں پر ابر کرم بن کر برستی ہے۔

زکوٰۃ دینا تو ہر صاحب نصاب کا قانونی فرض ہے، ویسے بھی اہل دول کو غرباء کی امداد کا اسلام نے انتہائی شوق دلایا ہے، اسے "انفاق" کہتے ہیں۔ "انفاق" کے لئے مجبور نہیں کیا گیا۔ یہ قانونی فرض نہیں ہے، اخلاقی فرض ہے، لیکن صحابہ اس حکم کی تعمیل بھی اتنی شدت سے کرتے تھے کہ جو صاحب استطاعت نہ تھے وہ بازار جاکر

لہ جس نے اپنا تزکیہ کر لیا اس نے مراد پالی۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی
سود خوار تاک میں رہتے ہیں کہ دوسروں پر مصیبت نازل ہو اور وہ اُس کی مصیبت سے فائدہ اُٹھائیں۔ اور زکوٰۃ دینے والے مستحق امداد لوگوں کی تلاش کرتے ہیں کہ اپنی دولت سے انہیں فائدہ پہنچائیں۔ سوچئے تزکیہ کی نعمت کس نے پائی۔

انہیں مت گھورئیے جو زکوٰۃ اور سود دونوں کا کاروبار ساتھ ساتھ کر رہے ہیں، وہ بھی خالص سود خواروں سے انشاء اللہ کسی نہ کسی قدر بہتر ثابت ہوں گے۔

۵۲ حدیث ہے۔

بوجھ ڈھوتے تھے اور اس کی مزدوری سے نادار لوگوں کی مدد پہنچاتے تھے

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۔ وہ (خود بھوکے رہ کر) محتاج یتیم اور قیدی کو کھلا دیتے ہیں - وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وہ اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضرورت کو فائق رکھتے ہیں - اگرچہ وہ (کافی) ضرورت مند ہیں

یہ آیتیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور بعض انصار کرام کی شان میں اتری تھیں - حضرت ابوذر غفاری رض دوسرے دن کے لئے کچھ بچانا حرام سمجھتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رض نے وقت پر اپنی کل دولت اسلام کے قدموں میں لا کر ڈال دی تھی - اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رض نے اپنا تمام سرمایۂ تجارت اللہ کی راہ میں لٹا دیا تھا (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

خود حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہمیشہ یہی عمل رہا کہ جو آیا دوسرے دن اُسے مستحقین کو دے دیا - کبھی سونے چاندی کے ٹکڑے پڑے رہ جاتے تھے تو اس رات گھر میں آرام نہ فرماتے تھے لیکن عام اُمت کے لئے اس مسلک کو فرض نہیں کیا گیا - فرض کیا گیا - فرض اتنا ہی ہے جو قوتِ استطاعت اور ہمت کے مطابق ہے -

غریب طبقے کی دل جوئی کا حضور کتنا خیال رکھتے تھے - فرماتے ہیں: غربا کی مدد کے لئے اگر تمہارے پاس روپیہ نہیں بچتا تو ان سے لطف اور مہربانی کے ساتھ بات کر لینا ہی تمہاری خیرات ہے -

ہاتھ پھیلانے کی برائی سمجھانے کے باوجود فرمایا کہ دو تم ہاتھ

۵۱ حضور نے ہاتھ پھیلانے ، دوسروں کا دست نگر رہنے اور دوسروں

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۱۹ پر)

چیز دینے والے کو غنی سے واپس مت لیا کرو۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ
اس نے تمہیں دینے کے قابل بنایا اور دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ تمہیں

بقیہ نوٹ۔ صحیح روایات کے سہارے جینے کی برائی کس کس طرح سمجھائی ہے اور
اس برائی اور ذلت سے باز رکھنے کی کیا کیا کوشش فرمائی ہے۔ یہ انشاءاللہ
الگ مستقل مضمون ہوگا۔

اسلام نے امیر طبقہ میں زکوٰۃ، ایثار اور جود و سخا اور فیاضی کے جوہر پیدا کر کے غریب طبقے کو بھی ذلت، کم ہمتی اور لالچ دور کر کے پستی سے بلندی پر لا کھڑا کیا ہے۔ حضور کی بعثت کسی ایک طبقہ کے لئے نہیں ہوئی تھی بلکہ ہر طبقے کے صحیح رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے۔ غربا کو دریوزہ گری کی اجازت دے دی جاتی تو انسانوں کی وسیع آبادی کی اخلاقی زندگی برباد ہو جاتی۔ امیروں سے اگر کہا گیا ہے کہ تمہارے آگے جو ہاتھ پھیلائے اسے حتی المقدور خالی مت جانے دو۔ کچھ نہیں تو چھوارے کا ٹکڑا ہی دے دو، تو غریبوں کو بھی بتایا ہے کہ لینے والے ہاتھ سے دینے والا ہاتھ بہتر ہوتا ہے۔ اپنی اولاد پر تو صدقات و زکوٰۃ کو حرام ہی کر دیا۔ جو لوگ بھیک مانگ کر حج کرتے تھے ان سے اللہ نے فرمایا: وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ زاد راہ لے کر چلو۔ اور بہترین زاد راہ تقویٰ (بھیک نہ مانگنا) ہے۔

اسلام نے غربا کی کفالت کا حقیقی بار حکومت پر ڈالا ہے۔ حکومت اس بار کو اٹھائے تو سب درست ہو جائے۔ بیت المال کے دور میں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلایا جاتا تھا۔ زکوٰۃ دینے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل کی جائے اور حکومت اسے مستحقین پر خرچ کرے۔

اللہ کا شکر کرنا چاہیے ۔ لینے والے پر احسان نہیں دھرنا چاہیے ۔ احسان دھرنے سے نیکی کا پیالا پانی کے بلبلے کی طرح منجمد ہوجاتا ہے" (مفہوم حدیث)

حضورؐ نے خود پھیلانے کو بہت سراہا تھا ۔ اور زکوٰۃ و خیرات سے حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ روپیہ سب تک پھیل جائے اور ہاتھ کھینچے موقوف ہوں ۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے دور میں ایسا وقت آیا کہ زکوٰۃ لینے والا کوئی نہیں رہا ، حضورؐ پوری قوم کو خوش حال بنانا چاہتے تھے ۔ اسلام خوش حالی کے خلاف نہیں ہے ۔ چند افراد اور چند خاندانوں کی حد سے زیادہ دولت مندی اور سونے چاندی کو بے کار ڈھیر کرنے کے خلاف ہے ۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ
وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۙ فَبَشِّرْهُم
بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا
فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ
وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ
لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ

جو لوگ سونا چاندی دبائے رکھتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں (حسب منشاء الٰہی) صرف نہیں کرتے (اے رسولؐ) انہیں تم دردناک عذاب کی بشارت دے دو (اور اس روز کا حال بتا دو) جس روز اس (سونے چاندی) کو آتشِ دوزخ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور کہا جائے گا کہ) یہ ہے وہ (دولت) جسے اپنے لئے جوڑ جوڑ کر رکھتے تھے ۔ سو (اب اس کے)

چوروں کے پاس چھپے لہ

جس طرح دولت مندی، امارت ہزاروں سیہ کاریوں کی محرک ہوتی ہے اسی طرح غربت و فلاکت ہزاروں جرائم کا باعث بنتی ہے۔ ایک طرف دولت مندوں کو سیہ کاریوں سے بچانا تھا۔ دوسری طرف غریبوں کی حالت ایسی کرنی تھی کہ جرائم رک جائیں۔ دولت انسان کے پاس اتنی رہنی چاہیے جتنا کہ "خیر" اور "فضل" کے قرآنی الفاظ اس پر صادق آئیں۔ دولت کا اتنا فرق کہ زید کے پاس محل ہوں اور بکر بچے کچے مکان کو ترسے، اسلام جیسا دین اسے گوارا نہیں کرتا۔ ورنہ اسلام کہلانے والی قوم اور مذکورہ قوانین فطرت چھوڑ کر دوسری قوموں کے سامنے ہاتھ پھیلاتی نہ پھرے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: دولت ہری بھری چراگاہ جیسی شے ہے، بعض حریص جانور چراگاہ کو ضرورت سے بہت زیادہ چر لیتے ہیں اور چرنا ان کے حق میں موجب ہلاکت ہو جاتا ہے۔ لیکن جو جانور اسے اعتدال سے چرتے ہیں اور جیسے ان کا پیٹ بھر جاتا ہے تو جگالی کرنے لگتے ہیں۔ وہ ہمیشہ تندرست اور طاقت ور رہتے ہیں۔ دولت کو بھی جو انسان صحیح طریقے سے خرچ کرے گا۔ دولت اس کی بہترین مددگار ہوگی لیکن جو اسے

لہ یورپ نے تحقیق و تدقیق کے بعد ایشیا کے تجارتی اور تمدنی تنزل کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ یہاں مال کا بڑا حصہ زمین میں مدفون رہتا ہے۔ یورپ کے محقق و مدقق کاش قرآن مجید کی اس آیت پر غور کریں جو چودہ سو برس قبل نازل ہوئی تھی۔

غلط طریقے سے کمائے گا اور غلط طریقے سے خرچ کرے گا اس کی مثال یوں سمجھو کہ کھائے چلا جاتا ہے مگر سیر نہیں ہوتا۔

نفس دولت میں خیر و شر نہیں ہے بلکہ اس کے طریقۂ حصول اور طریقہ صرف میں خیر و شر ہے۔ دولت اگر صحیح طریقے سے حاصل کی جائے اور صحیح طریقے سے صرف کی جائے تو نیکیوں اور بھلائیوں کا بے مثل ذریعہ ہے۔ اور حصول و صرف کا طریقہ صحیح نہیں ہے تو دولت کے شر سے اللہ کی پناہ۔

"اخلاقی محاسن و معائب امیر و غریب دونوں کے لئے یکساں ہیں" فیاض و متواضع امیر اور صابر و شاکر غریب اسلام کی نظر میں فضیلت کے ایک مقام پر ہیں اور بخیل و متکبر امیر اور دنی الطبع و طامع فقیر پستی کی ایک سطح پر۔

اسلام نے دھوکہ، فریب، خیانت، لوٹ مار، جوا، سود سب کو حرام کر دیا اور سرمایہ داری کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں۔ حضور فرماتے ہیں: "زمین اللہ کی ہے، اور بندے بھی اللہ کے ہیں، جو کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہ اس کا مالک ہے"

میت کی متروکہ جائداد کا مالک بقدر استحقاق تمام عزیزوں کو بنا دیا ممالک مفتوحہ جماعت مسلمین کی ملکیت قرار دے دئے۔ بغیر جنگ کے دشمن سے حاصل کی ہوئی زمینیں صرف غربا کا حق بتائیں۔ بخل کو انسانیت کا اہم ترین نقص کہا اور اس بات کی طرف متوجہ فرمایا کہ جس دولت کو تم اپنی خیال کئے ہوئے ہو وہ درحقیقت تمہاری نہیں ہے۔ اس کا اصلی مالک اللہ ہے۔ پھر جو شخص مالک نہ ہو، محض امین ہو، اسے اصلی مالک کی

مرضی کے خلاف خرچ کرنے نہ کرنے کا اختیار کیوں نہ کر سکتا ہے۔

اس تصور نے کہ دولت میں کچھ دنیا کو تباہ کیا ہے اچھی تدبیر قارون کی اینٹ سے اینٹ بجا دیتا ہے۔ جب دیکھو کہ بعض لوگ بہت دولت مند ہوتے چلے جاتے ہیں اور بعض غریبوں کو دو وقت کی روٹی بھی میسر نہیں ہوتی تو سمجھو کہ قدرت کا غضب قریب آ گیا۔

قارون نے کہا: إِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِي
میرے پاس جو کچھ ہے مجھے، یعنی علم و ہنر کے ذریعے ملا ہے - ہر زمانے کے قارون یہی خیال کرتے ہیں۔

روزہ

اسلام کے پانچ رکن ہیں : (۱) توحید (۲) نماز (۳) زکوٰۃ (۴) روزہ (۵) حج

معبود کو واحد ماننے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ باقی چاروں رکنوں پر عمل کرنا معبود پر ایمان ہونے کا اعلان ہے۔ ایمان سے عمل جدا نہیں رہا کرتا۔ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں ان کا ذکر آتا ہے وہیں عمل کا ذکر آتا ہے اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ساتھ ساتھ ہیں۔

نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہے ہوش و حواس بجا رہیں تو مرتے مرتے پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرنی چاہئے۔ میدان جنگ میں بھی قضا نہیں کی جا سکتی، جب تک اتنا گھمسان کا رن نہ پڑ جائے جیسا ایک مرتبہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پڑا تھا۔ یا خواتین کو بعض حالات میں عافیت دی گئی ہے۔

روزہ قضا کر سکتے ہیں اور انتہائی بڑھاپے میں بالکل چھوڑ سکتے ہیں۔

لیکن نماز کی نسبت روزے بہت بعد فرض ہوئے اور سال میں محض انتیس یا تیس دن کے واسطے فرض ہوئے۔ روزے کو وقت پر پورا کر سکنے کا مطلب یہ سمجھ لیجیے کہ گویا روزہ نماز سے کم اہم ہے۔ روزے کی بابت اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان کے ذریعے فرماتا ہے: اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ روزہ میرے لئے ہے اور میں اس کا جزا دوں گا۔ روزے کی نسبت جنابت کی طرف سے ایسا فرمایا گیا ہے اور ہر نیکی کا اجر اللہ ہی دیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ میری خاص عبادت ہے۔ اور میں اس کی (خاص اور بے حساب) جزا دوں گا۔

فرضیت کے اعتبار سے پانچوں رکن برابر ہیں۔ جس طرح معبود کو واحد ماننا اور اس کے سوا کسی کو معبود نہ ماننا ضروری ہے اسی طرح معبود کی منشا کے مطابق نماز پڑھنی، روزہ رکھنا، زکوٰۃ دینی اور حج کرنا ضروری ہے۔ اصل عبادت اللہ کی منشا کی تکمیل ہے۔

اور اللہ اس عالم میں اور عالم آخرت میں کامیاب انہیں کرتا ہے جو عمل سے اپنے ایمان کو ثابت کر دیتے ہیں۔ وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ قرآن اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ خوشحالی کے دروازے نہیں کھلتے جب تک انسان حقائق کا یقین نہ کرے اور اس یقین کے زیر اثر نیک عمل نہ ہو جائے۔ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ لہٰذا جو اپنے رب سے ملنے کی آس لگائے بیٹھا ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے رب کا شریک نہ بنائے۔ ایمان اور عمل دونوں مل کر کامیابی سے ہمکنار کرتے

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں کسی صاحب نے [illegible] روزے کی تاریخ [illegible]
[illegible] جاتا ہے۔ روزہ [illegible] مشہور [illegible] لکھا ہے۔ ان کے [illegible]
[illegible] فرماتے [illegible] لکھتے ہیں:

روزے کے اصول اور طریقے [illegible] قومیت و مذہب
اور [illegible] حالات کی نسبت [illegible] روزے سے خالی [illegible]
ہے۔ [illegible] حقیقت سے [illegible]

یٰایہا الذین آمنوا کتب علیکم [illegible] کما کتب
علی الذین من قبلکم [illegible]
[illegible] تم سے قبل کی قوموں پر فرض کیا گیا تھا۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] بھی بے پڑھے لکھے تھے
اور [illegible] بے پڑھی لکھی قوم میں ہوئے تھے۔ روزے کی تاریخ جاننے کا
[illegible] کے متعلق گمان ممکن نہیں ہے۔ پھر [illegible] معلوم ہو گیا کہ پہلی امتوں
پر روزہ فرض تھا۔ کیا اللہ کے سوا [illegible] کوئی اور اس تاریخی حقیقت
کا اظہار کر سکتا تھا۔

روزے کی غرض و غایت انسان کو پرہیزگار اور متقی بنانا ہے لعلکم
تتقون۔ (روزہ تم پر فرض کیا جاتا ہے) تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔ روزے
میں ناجائز اعمال ہی سے نہیں چند جائز اعمال اور جائز خواہشات سے
بھی رکا جاتا ہے۔ روزے کے لئے قرآن مجید نے کہیں کہیں صبر کا لفظ استعمال
کیا ہے۔ صبر کے معنی ہیں ضبط نفس، ثابت قدمی اور استقلال۔ روزہ مہینہ
بھر مشق کرا کر اپنے آپ کو قابو میں رکھنا، ثابت قدم رہنا اور متحمل مزاج بننا
سکھاتا ہے، ظاہری خواہشوں اور برائیوں سے بچنے کے علاوہ باطنی خواہشوں

اور شہوتوں سے پیدا ہونے والی بیماریوں کو بچانا روزے کے مدارج میں داخل ہے۔ روزہ ہماری روح کے بگاڑ کا علاج ہے۔ جو روزہ روزے کی طرح رکھتا ہے انشاء اللہ شیطان ڈگمگا نہیں سکے گا۔

روزوں کا مہینہ رمضان ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۔ رمضان، وہ مہینہ جس میں قرآن (پہلی بار) اتارا گیا اور نامۂ ربانی اور انسانیت کی دستگیری کا کام حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد ہوا۔

رمضان ہی میں حضور آبادی سے دور غارِ حرا میں یکہ و تنہا اللہ کے حضور پہلے سے سر جھکائے بیٹھے تھے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر اقرأ پڑھائی۔ چنانچہ یہ مہینہ بھوکا پیاسا رہنے، اعتکاف میں بیٹھنے اور راتوں کو جاگنے کا مہینہ قرار دیا گیا۔

ان چیزوں میں یہ مدعا ہے کہ امکان بھر اسی کیفیت کے حصول کی سعی کی جاتی ہے جو آنحضور پر نزولِ قرآن شروع ہوتے وقت طاری تھی۔

عرفِ عام میں روزہ فاقہ کشی کا نام ہے۔ فقط فاقہ کسی قابلِ تعریف شے نہیں۔ فاقہ کشی کی عادت سے اقتصادی کمزوری کے باعث عرب کے مشرک محروم نہیں تھے۔ پھر اسلام آیا تو مسلمانوں کو کسبِ معاش کے معمولی طریقوں سے بھی بے دخل کر دیا گیا۔ روزہ مکہ کے دور میں فرض ہو جاتا تو دشمن طعن کر سکتے تھے کہ افلاس پر پردہ ڈالا ہے۔ لیکن اسلامی عبادات امراضِ روحانی کی دوائیں ہیں۔ دوا اسی وقت دی جاتی ہے جب مرض سر اٹھانے لگے۔ امراضِ جسمانی اور امراضِ روحانی دونوں میں یہی صورت ہے۔ روزے سے علاج کرنے کی مکہ معظمہ میں حاجت نہیں تھی۔ مدینہ منورہ میں بھی

حرارت پہنچتی تھی، تھا۔ موسم بدلنے کے زمانے میں جو حالت ہوا کرتی ہے، وہ حالت یعنی اعتدال کا زمانہ تھا۔ اعتدال کے زمانے میں پرہیز کرایا جاتا ہے۔
روزہ پرہیز کا حصہ ہے جو ہجری میں فرض ہوا تاکہ دنیا کی زندگی جو اب مسلمانوں کو حاصل ہونے والی تھی، مسلمانوں کو اپنا فریضہ ادا کر سکیں۔

پرہیز، پرہیز کی طرح کرایا۔ سال میں انتیس یا تیس دن۔ پورے سال نہیں ورنہ مسلمان دنیا سے بے تعلق اور رہبان ہو جاتے اور دو چار دن بھی نہیں کہ دو چار دن کا پرہیز ناکافی تھا۔

پھر یہ علاج ایک ساتھ کیے جانے کا حکم ملا تاکہ ساتھ کرنے کے ساتھ اسلام کے نظام وحدت کا مظاہرہ ہو جائے۔ الگ الگ روزہ رکھنے سے نیکی کی وہ نہیں رو بڑھ سکتی جو رمضان میں آج بھی بجلی کی مثل دوڑ جاتی ہے۔

مسلمان دنیا کے گوشے گوشے میں موجود ہیں۔ گوشے گوشے کے مسلمان رمضان کے روزے ایک ساتھ رکھتے ہیں۔ کہیں چاند نہ دکھائی دے تو ایک آدھ دن کا فرق پڑ جاتا ہے، یا کہیں دس بارہ گھنٹے کے اور کہیں اٹھارہ گھنٹے کے۔ یا رمضان کے روزوں میں اچھی طرح سے فرق نہیں ہوتا جاتا۔ جہاں دن لمبے ہیں وہاں موسم ٹھنڈا ہوتا ہے۔ وہاں ٹھنڈا موسم روزے کو قابل برداشت بنا دیتا ہے۔ روزے رکھنے والے وہاں بھی روزہ ترک نہیں کرتے۔

• مریض اور مسافر قضا نہیں کر سکتے لیکن روزہ قضا کرنے کی شرط نہیں اور مسافر کے لیے اجازت ہے۔ بشرطیکہ مرض یا سفر قضا کرنے پر مجبور کرے اور بڑھاپے کے سبب سے جسمانی ضعف میں روزے کی قضا بھی معاف ہے۔ حیض والی عورتوں کو قضا معاف ہے۔ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ

طَعَامُ مِسْكِيْنٍ۔ جسے روزہ رکھنا بالکل مشکل ہو جائے وہ فدیہ ادا کردے فدیہ کیا۔ ایک مسکین کا پیٹ بھر دینا۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ مگر جو (مشکل کے باوجود) روزہ رکھے تو روزہ اس کے حق میں بہتر ہے گویا قضا اور کفارہ کی اجازت کے باوجود روزہ رکھنا مستحسن ہے۔ قضا اور کفارے سے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی تعمیل افضل ہے فَمَنْ شَهِدَ کے معنی ہیں جو رمضان کے مہینے میں بقید حیات ہو وہ رمضان کے روزے رکھے۔

دین کی تکمیل، نبوت کے اختتام اور تعلیم محمدیؐ کی صداقت کی یہ بھی بڑی دلیل ہے کہ پچھلی امتوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کی تقلید اور پیروی کے جس سبق کو چند روز میں بھلا دیا لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت اب تک اُسے سینے سے لگائے ہوئے ہے، اور اپنے آقا و پیشوا کی پیروی میں رمضان بھر دن کو کھانے پینے اور دوسری نفسانی خواہشوں سے باز رہتی ہے اور رات کو تراویح میں اللہ کی کتاب پڑھتی اور سنتی ہے۔

دل کی وہ کیفیت جسے حاصل کر کے انسان گناہوں سے جھجکنے لگے اور نیکیوں سے رغبت کرنے لگے تقوےٰ کہلاتی ہے۔ اسی کیفیت اور اسی تقوے کے حصول کا روزہ ذریعہ ہے۔ روزے کا مقصد صاف بتا دیا گیا ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ۔ تاکہ تم تقوےٰ شعار ہو جاؤ۔

روزہ پیٹ بھروں کو بتاتا ہے کہ بھوک پیاس کی تکلیف کیا ہوتی ہے اور پیٹ بھرے لوگ فاقے سے نڈھال بھائیوں کی تکلیف کا احساس کرتے ہیں۔ سوزِ جگر کے سمجھنے کے واسطے خود سوختہ جگر ہونا لازمی ہے۔ روزہ اس احساس کو زندہ اور ہمدردی کے جذبے کو بیدار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں

روزہ سختیاں برداشت کرنے کی طاقت بخشتا ہے۔ جو انسان روزہ نہیں رکھتا وہ جہاد کیا کرے گا۔ جہاد میں بھوک پیاس کے تحمل اور صبر و استقامت کی شدید ضرورت ہے۔ میدان جنگ میں بھوک پیاس کی تکلیف [illegible] مسلمان اسے خوشی خوشی برداشت کر لیتا ہے۔ عیش و راحت کے شوقین کبھی [illegible] کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ روزہ گویا جہاد کی ورزش ہے جو مسلمانوں سے ایک مہینے کرائی جاتی ہے تاکہ مسلمان جسمانی مشکلات اور خطرات کو اٹھانے اور سہارنے کے لئے تیار رہیں اور دنیا کی کشمکش سے گھبرائیں نہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں: فلسفہ تاریخ میں جس طرح سیاسی واقعات کی تکرار اور حوادث کے بار بار اعادے سے اصول اور نتائج تک پہنچ کر ایک عام تاریخی قانون بنا لیتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے سوانح بھی اپنے واقعات کے بار بار اعادے سے خصائص نبوت کا اصولی قانون ہمارے سامنے مرتب کرتے ہیں۔

پیغمبرانہ تاریخ کے ان ہی اصول و قوانین میں سے ایک یہ ہے کہ نبی جب اپنے کمالِ انسانیت کو پہنچ کر فیضانِ نبوت کے قبول اور استعداد کا انتظار کرتا ہے تو وہ کچھ مدت کے لئے عالمِ انسانی سے الگ ہو جاتا ہے اور ملکوتی خصائص میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ اسی مدت سے اس کے دل و دماغ میں وحی الٰہی کا سرچشمہ موجیں مارنے لگتا ہے۔ کوہِ سینا کا پہلا پیغمبر (حضرت موسیٰؑ) جب توراۃ لینے جاتا ہے تو چالیس شبانہ روز بھوکا اور پیاسا رہتا ہے۔ کوہِ سعیر کا مقدس آنے والا (حضرت عیسیٰؑ) اس سے پہلے کہ اس کے منہ میں انجیل کی زبان گویا ہو۔ چالیس شب و روز بھوکا اور پیاسا رہا، اسی طرح فاران کا آتشیں شریعت والا پیغمبر (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نزولِ قرآن

سے پہلے پہل ایک چھوٹے حرا نامی مکہ کے ایک غار میں سرورِ عالم کی عبادتوں میں
مصروف رہتے ہیں اور بالآخر اسی انتشار میں ناموسِ اکبر اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ
الَّذِي خَلَقَ کا فردوسی نغمہ لے کر نمودار ہوتا ہے۔

یہ واقعہ کس ماہِ مبارک کا تھا؟
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ۔ رمضان،
وہ مہینہ جس میں قرآن اترا۔

یہ کس شبِ اقدس کی داستان ہے؟
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُبَارَكَةٍ۔ ہم نے قرآن کو برکت والی
رات میں اتارا۔

اس مبارک رات کو ہم کس نام سے جانتے ہیں؟
إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ ہم نے قرآن کو
شبِ قدر میں اتارا۔

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ رمضان وہ مقدس مہینہ ہے جس
میں قرآن سب سے پہلا مرتبہ دنیا میں نازل ہوا۔ اور پیغمبرِ آخر صلی اللہ علیہ
وسلم کو عالم کی رہنمائی اور انسانوں کی دستگیری کے لیے وحی الٰہی
کا سب سے پہلا صحیفہ عنایت کیا گیا۔

قرآن کا حامل اور اس وحی الٰہی کا مہبط ان دنوں غارِ حرا کے گوشے
میں یکہ و تنہا بھوکا اور پیاسا سر بزانو تھا۔ اسی بنا پر اس ماہ میں
بھوکا اور پیاسا رہنا (یعنی روزہ رکھنا) اور کسی عبادت گاہ میں یکہ و
تنہا رہنا (یعنی اعتکاف) اور نزولِ وحی کی خاص رات (لیلۃ القدر) میں
بیدار اور سربسجود رہنا تمام پیروانِ محمدی کے لیے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اگر تم اللہ کو محبوب رکھتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب رکھے گا۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ روزہ، اعتکاف اور لیلۃ القدر کی حقیقت کیا ہے اور رمضان میں روزوں کی تخصیص کس بنا پر ہے۔

اس ماہ میں بقدرِ امکان ان ہی جذبات سے متکیّف ہونے کی سعی کرنی چاہیے جن میں وہ حاملِ قرآن غرق تھا، تاکہ دنیا کی رہنمائی اور ہدایت یابی کی یادگار قائم رہے۔

یہ جذبات اور کیفیات جنہیں قرآن کے مبلّغ کی پیروی میں ہم اپنے اوپر طاری کرتے ہیں یہی اس ہدایت کے ملنے پر ہماری شکر گزاری اور اللہ کی بڑائی ہے۔ ویسے اسلام میں مسنون اور مستحب روزے اور بھی ہیں، اور تعزیری بھی!

حج

حج کے معنی ہیں قصد و ارادہ۔ اصطلاح میں مذہبی قصد و ارادہ سے کسی مقدس مقام کے سفر کرنے کو حج کہا جاتا ہے۔ مسلمان عرب کے شہر مکہ جا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد، خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہیں اور مکہ کے اندر چند مقامات مقدسہ میں حاضر ہو کر کچھ رسوم اور اعمال بجا لاتے ہیں۔

حج اسلامی عبادات کا چوتھا رکن ہے اور توحید سمیت اسلام کا پانچواں رکن۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا آبائی وطن عراق تھا۔ عراق کے لوگ ستارہ پرست تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ستارہ پرستی کے خلاف آواز بلند کی اور فقط خدائے واحد کی پرستی کی دعوت دی۔ اُن کے باپ، اُن کے خاندان، اور اُن کی قوم نے اس بات پر انہیں اتنا دق کیا کہ وہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے اور عرب و شام کی سرحدی طرف آ گئے۔

حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کو اُردن میں آباد کر دیا، اور اپنے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام کو کنعان میں - اور دوسرے بیٹوں مدین وغیرہ کو بحیرہ احمر کے نزدیک اس جگہ بسایا جو اب خود مدین کہلاتی ہے - اور سب سے چھوٹے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو فاران کی وادی میں پہنچا دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کا قاعدہ تھا کہ جہاں کہیں انہیں روحانیت کی کوئی جھلک دکھائی دے جاتی تھی وہاں ایک پتھر نصب کر دیتے تھے اور بزبان توریت "بیت ایل" یعنی بیت اللہ بنا دیتے تھے - مکہ میں اللہ کا یہ گھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کی مدد سے بنایا تھا۔

حضرت ابراہیمؑ کی بڑی بڑی آزمائشیں ہوئیں - مگر حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی سب سے بڑی آزمائش تھی - حضرت ابراہیمؑ چاہتے تھے کہ ہر چیز کی محبت سے رحمت برتر رہ جائے اور اپنے عزیز ترین بیٹے کی قربانی دی۔

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ دونوں قربانی کے لئے تیار ہو گئے لیکن وہ صرف ایک امتحان تھا جس نے پیغمبر دنیا کی پیشوائی اور امامت کی صلاحیت میسر آئی۔ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا - جب ابراہیمؑ کو ان کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا اور وہ سب میں پورے اترے، تو فرمایا میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ (دنیا تک سے تمہاری اتباع کراؤں گا) وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ہم نے دنیا میں ان کو منتخب کیا اور آخرت میں ان کا درجہ نیکوں کا ہو گیا۔

دنیا کی تمام بڑی بڑی قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا جد امجد مانتی ہیں - یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے سب

[illegible] ... پیدا ہوئے لیکن یہ دونوں مذہب اپنی نسبت ابراہیمؑ کی جانب [illegible]
[illegible] ... ابراہیم حنیف ابراہیمؑ تھے۔

[illegible] ... زبان سے ... یا ابن کا نام [illegible]
[illegible] ... سے حقیقت ... شکل اختیار
کر لی ہے۔

[illegible] حضرت ابراہیمؑ کی ... سے اسلام کا لفظی ترجمہ [illegible] اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ [illegible] جب ابراہیمؑ کے رب نے ابراہیمؑ سے فرمایا۔ اپنے آپ کو [illegible] کر دو ... وہ کے لئے دیا کہ، انہوں نے عرض کیا [illegible] ... میرے پروردگار! میں اپنے آپ کو دنیا کے پروردگار کے سپرد کرتا ہوں (مسلم ... ہوں۔ جو حکم ... لبیک اللّٰھم لبیک)

پڑھتے ہیں اللّٰھم بارک علیٰ محمدٍ وعلیٰ آل محمدٍ کما بارکت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم ... اے اللہ جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ پر برکت نازل فرمائی تھی اسی طرح محمدؐ اور آل محمدؐ پر برکت نازل فرما۔ وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ۔ ابراہیمؑ کے دین کو کون ناپسند کر سکتا ہے بجز اس کے جس کی عقل ماری گئی ہو۔

دین ابراہیمؑ اور دین اسلام کا خلاصہ یہی ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے قبضے میں دے دیا جائے

چونکہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بعثت سے

پہلے موجود تھا۔ حضورؐ نے اس کی اصلاح کی ہے اُس میں مشرکانہ رسوم اور بیہودگیاں شامل ہو گئی تھیں۔ انہیں دور کر دیا ہے۔

کعبہ ایسا اہم مقام ہے کہ بیت المقدس سے قبل عبادتوں کی اس کے سوا اور کوئی سمت قبلہ ہی نہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسے اول بار بنایا تھا۔ یہ خدا پرستی کا ہمیشہ سے مرکز تھا۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ سب سے پہلا خانہ خدا جو لوگوں کی عبادت کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکہ میں ہے۔

لوگوں نے بنیاد یعنی مکہ کو بھلا دیا تھا اور بے نشان کر دیا تھا حضرت ابراہیمؑ نے بنیادیں ڈھونڈیں اور ان ہی بنیادوں پر عمارت کھڑی کی، اور اس میں توحید کا چراغ از سر نو روشن کیا۔

حج ابراہیمی یادگار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ جب بیٹے کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو گئے اور چھری لے کر بیٹے کو ذبح کرنے لگے تو اللہ نے کہا: یَا اِبْرَاہِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ابراہیم! تم نے خوابؔ کو سچ کر دکھایا (ہم تمہیں اس کا صلہ دیں گے اور) نیک بندوں کو ہم اسی طرح صلہ دیتے ہیں اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ ۝ وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ ۝ درحقیقت یہ انتہائی زبردست اور نمایاں آزمائش تھی۔ ہم نے ایک عظیم قربانی بھیج کر ابراہیمؑ کے بیٹے کو چھڑا لیا وَتَرَکْنَا عَلَیْہِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ۝ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰہِیْمَ ۝ کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اور آنے والی نسلوں میں ابراہیمؑ کی

لہ بیٹے کی قربانی کا حکم خواب میں ملا تھا۔

یادگار قائم کردی۔ ابراہیم پر برابر سلام (بھیجا جا رہا ہے) ہم نیک بندوں کو اسی طرح نوازتے ہیں۔

اب حضرت ابراہیمؑ کو معلوم ہوا کہ اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ بیٹا اللہ کے گھر کی خدمت اور توحید کی دعوت کے واسطے وقف کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے اس گھر کو خدا پرستی کا مرکز بنایا جائے۔ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ط وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ط (یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے جائے اجتماع و امن قرار دیا اور کہا کہ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز پڑھنے کی جگہ بنائے۔ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ سے عہد لیا کہ تم دونوں ہمارے (اس) گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے واسطے (ظاہری اور باطنی آلائشوں سے) پاک رکھنا۔

دوسری جگہ ہے: وَاَذِّنْ فِى النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِىْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ○ لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس پیادہ اور دبلے پتلے اونٹوں پر دور دراز رستے سے آئیں تا کہ اپنے منافع (دینی و تجارتی) حاصل کریں (منفعت کی

جگہ پہنچ جائیں - اور یہ سفر اس غرض سے بھی کریں کہ قربانی کے مقررہ ایام میں ان مویشیوں پر جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں (وقت ذبح) اللہ کا نام لیں - پھر (جب قربانی کرو تو) ان میں سے تم خود بھی کھاؤ اور تنگ حال فقیر کو بھی کھلاؤ - (قربانی کے بعد) لوگوں کو چاہئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں (یعنی نہائیں دھوئیں، سر منڈوائیں، ناخن ترشوائیں) اور اپنی منتیں پوری کریں اور اس قدیم گھر کا طواف کریں۔

تیسری جگہ ہے: رَبَّنَآ إِنِّيٓ أَسْكَنتُ مِن ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ ٱلْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا ٱلصَّلَوٰةَ فَٱجْعَلْ أَفْـِٔدَةً مِّنَ ٱلنَّاسِ تَهْوِيٓ إِلَيْهِمْ وَٱرْزُقْهُم مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ ۝ ابراہیم نے کہا: اے ہمارے پروردگار! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے محترم گھر کے پاس وادی (مکہ) میں جہاں کوئی کھیتی نہیں بسائی ہے - اے ہمارے پروردگار! (میں نے) اس لئے کہ وہ وہاں باقاعدہ نماز (وغیرہ) ادا کریں (اور ادا کرتے رہیں) سو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف مائل ہو جائیں اور (اپنی قدرت کاملہ سے اس بنجر بستی) میں انہیں پھل کھلا اور ان کے خورد و نوش کا انتظام فرما، تاکہ وہ تیرا شکر کرتے رہیں۔

امت محمدی پر بھی فرض ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں (مکہ معظمہ) حاضر ہوں اور روحانی اور بہت سے جو فوائد اس اجتماع سے اٹھائیں۔ حضرت ابراہیم کے گھر ہونے کی جگہ دیکھیں اور وہ جگہ دیکھیں جہاں حضرت اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا گیا تھا - قربانی کی یادگار میں قربانیاں کریں اور محبت کے خوب جذبے بھریں - مثلاً امن و سلامتی کے

پیکر بن جاتے ہیں۔ چیونٹی تک کی جان تو نہیں۔

مسلمان اپنے تئیں اللہ کے حضور میں نذر کرنے جاتے ہیں اور بیت اللہ کے گرد پروانہ وار پھیر کر تصدق ہوتے ہیں۔ احرام کے زمانے میں سلے کپڑے نہیں پہنتے خوشبو نہیں لگاتے۔ بال نہیں کترواتے۔ سر نہیں ڈھانکتے۔ اور آخر کو والہانہ انداز سے اللہ کے گھر پہنچتے ہیں جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح دور دور سے سفر کر کے گرد و غبار میں اٹے، دوڑے دوڑے آتے تھے۔ پھر جب یہاں آتے تو دونوں نے آتے ہی لبیک کہا تھا وہی تین ہزار برس قبل کا ترانہ آج تک مسلمان ان الفاظ میں دہراتے ہیں: لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔ میں حاضر ہوں۔ اے اللہ میں حاضر ہوں— میں حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں— ساری تعریفیں اور سب نعمتیں تیرے ہی پاس ہیں، اور سلطنت کا تنہا تو مالک ہے۔

حالتِ احرام میں پوشاک کی رنگینی چھوٹ جاتی ہے اور ایک جیسی دو چادریں رہ جاتی ہیں۔ ہر شخص کی تمیز و امتیاز ختم ہو جاتا ہے۔ غرض ابراہیمی مراسم کے مجموعے کا نام حج ہے۔

محبت کی کیفیت اور توحید کا اظہار ان تمام مقامات اور دونوں پہاڑیوں کے بیچ ہے جہاں ان دونوں انبیا کے نقوشِ قدم پڑتے تھے۔ صفا سے مروہ تک دوڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیمؑ صفا سے مروہ تک دوڑ لگاتے تھے۔ مروہ ہی پر انہیں حضرت اسمٰعیلؑ کو قربان کرنا تھا۔

میدانِ عرفات: ان بزرگوں کی دعا کا خاص مقام تھا۔ جہاں مسلمان

رہتے ہیں اور گڑگڑاتے ہیں، اور عبودیت و اطاعت کا نیا عہد و پیمان باندھتے ہیں۔ یہی حج کا حقیقی اور اہم ترین جزو ہے۔ لاکھوں بندگانِ خدا، ایک لباس میں ملبوس اور ایک جذبے میں سرشار اس بے آب و گیاہ خشک بیابان کے اندر اور جھلستے اور جلتے ہوئے پہاڑوں کے نیچے مغفرت کی پکار اور اپنی کوتاہیوں اور تباہ کاریوں کے اقرار سے کہرام مچا دیتے ہیں۔ یہ احساس کہ یہاں حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضور سرورِ کائناتؐ تک نہ جانے کتنے انبیا اسی حالت اور اسی صورت میں کھڑے ہو چکے ہیں، ایسا گداز، ایسا کیف اور ایسا منظر پیدا کر دیتا ہے کہ الفاظ اس کا نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔

حضرت ابراہیمؑ کی پیروی میں اور اپنی روحانی قربانی کی تمثیل کے طور پر جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ قربانی کرتے وقت بھی مسلمان اسی اطاعت اور سرفروشی کا اعلان کرتے ہیں جو کبھی دنیا کے سب سے پہلے داعیٔ توحید نے اپنے عمل اور اپنی زبان سے ظاہر کی تھی: إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ میں اپنا رُخ سب طرف سے ہٹا کر صرف اس (ذاتِ پاک) کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں (چھپ جانے والے تارے، غروب ہو جانے والے آفتاب و ماہتاب اور ان جیسے تمام شریک بتوں کو نہیں مانتا)

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِينَ ۙ لَا شَرِيكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝

میری نماز اور میری ہر عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو سارے جہان کا تنہا رب ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھے

یہی حکم دیا گیا ہے (کہ ہر شے اللہ کے لئے ہونا چاہیئے) اور میں سب سے اوّل فرماں برداری کا اقرار کرتا ہوں۔

نماز اور زکوٰۃ عام عربوں کے لئے بالکل نئی چیزیں تھیں جنھیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتدریج موجودہ شکل تک پہنچایا۔ نماز کے ارکان اور اوقات آہستہ آہستہ مکمل ہوئے اور زکوٰۃ خیرات و صدقات سے ترقی کر کے زکوٰۃ بنی۔

روزے نے بھی کئی قالب بدلے، یوم عاشورا سے چلا اور رمضان میں فرض کیا گیا۔ لیکن حج کی رفتار تدریجی نہیں رہی۔

حج عرب میں اسلام سے پہلے موجود تھا۔ صرف اس کے اصول اور ارکان کا محل اور طریقۂ عمل بدل گیا تھا اور ان میں مشرکانہ شان آگئی تھی، اسلام نے جملہ مفاسد کی اصلاح کر کے ایک دم حج کی فرضیت کا اعلان کر دیا۔

اہلِ عرب نے حج کو نام و نمود کا ذریعہ سمجھ لیا تھا۔ مناسک سے فارغ ہو کر تمام قبائل منیٰ میں آجاتے تھے اور ذکرِ الٰہی کی بجائے ہر قبیلہ اپنے اپنے آباؤ اجداد کے محاسن اور کارنامے بیان کرتا تھا۔

قربانی کرتے تھے تو جانور کے خون سے خانہ کعبہ کی دیواریں رنگ دیتے تھے۔ حج کے لئے چلتے تھے تو زادِ راہ لے کر نہیں چلتے تھے اور بھیک مانگتے پھرتے تھے۔[1]

---

[1] حج کے لئے اس وقت جانا چاہیئے جب اہل و عیال کی ضرورتوں کا سامان کر دیا جائے اور جب قرض کا بوجھ نہ رہے، اور اتنا روپیہ ساتھ ہو کہ دورانِ سفر میں بھیک مانگنی نہ پڑے۔

خانۂ کعبہ میں ایک تختہ رکھا رہتا تھا، باہر سے جو شخص برہنہ حج کرنے آتے تھے وہ کپڑے اتار کر اس تختے پر ڈال دیتے تھے اور برہنہ ہو جاتے تھے۔ یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ فقط قریش کپڑے پہن کر طواف کر سکتے ہیں یا جسے قریش اپنی اترن دے دیں وہ اس اترن میں ملبوس ہو کر طواف کر سکتا ہے۔ جس کو قریش کی اترن نہ ملتی تھی انہیں برہنہ ہی طواف کرنا پڑتا تھا۔

تمام قبائل عرب میدان عرفات میں حاضر ہوتے تھے۔ مگر قریش حدود حرم سے نکلنا اپنے مذہب کے خلاف خیال کرتے تھے اور مزدلفہ میں رک جاتے تھے۔

حج، حج کم رہ گیا تھا، میلہ زیادہ بن گیا تھا۔ حج میں وہ حرکتیں کی جانے لگی تھیں جو میلوں میں کی جاتی ہیں۔ مثلاً عورتوں سے چھیڑ چھاڑ، دنگا فساد، فسق و فجور۔ حج کا تقدس ختم ہو گیا تھا۔

ایک خاموش حج ایجاد کر لیا گیا تھا۔ احرام باندھنے کے بعد لوگ خاموش ہو جاتے تھے۔ حج کے لئے پیادہ پا چلنے کو ثواب کا کام تصور کرتے تھے[1]
عورتیں حج کے لئے ننگے سر اور ننگے پاؤں چلنے کی منت مانتی تھیں[2]

---

[1] حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ اپنے دو بیٹوں کا سہارا لئے پیادہ پا حج کرنے جا رہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ یہ اپنی جان کو عذاب میں ڈالے۔ حضورؐ نے حکم کیا کہ سواری پر جاؤ۔
[2] حضورؐ نے اس قسم کی عورت کو دیکھ کر فرمایا: اسے سوار ہونا اور دوپٹہ اوڑھنا چاہئے۔ پریشان حال بننے کا اللہ کوئی معاوضہ نہیں دے گا۔

فرمانے کہ جو سوار ہو کر حج کرتے تھے ۔ جو پیدل حج نہیں کر سکتے تھے
ان کو ... سواری پر ... سوار ہونا گناہ سمجھتے تھے[۱]

حج کرتے وقت ... گھروں میں دروازے سے نہیں گھستے تھے بلکہ پچھواڑے
سے ... نقب لگا کر اندر جانے کا رواج ... تھا[۲]

بعض لوگ حج کرتے وقت اپنی ناک میں نکیل ڈال لیتے تھے اور
دوسرا شخص ان کو کھینچ کر طواف کراتا تھا ۔ گویا گنہگار اور مجرم ہونے کا
اظہار ... کیا جاتا تھا[۳]

حج کے دوران میں تجارت اور بیوپار سے دور رہتے تھے اور جو تجارت
... کرتے تھے وہ حج سے دور رہتے تھے[۴]

۱۔ حضور ﷺ نے تاکید کے ساتھ فرمایا کہ قربانی کا جانور اگر سواری کا جانور ہے تو اس
پر سوار ہو کر جاؤ۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے : لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۔ یہ کیا فضول رسم
اختیار کر رکھی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد گھر میں دیواروں پر سے چھلانگیں مار کر
یا چھت پر سے کود کر آتے ہو ۔ گھروں میں پچھواڑے سے داخل ہونے میں کوئی
... ہونا کوئی نیکی نہیں ہے ۔ نیکی یہ ہے کہ پرہیزگار رہنا چاہئے ۔ گھروں
میں ان کے دروازے سے ہی آیا کرو ۔

۳۔ حضور ﷺ نے یہ رسم ترک کرا دی ۔

۴۔ قرآن مجید میں ہے : لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ (حج
کے دوران میں) اللہ کے فضل (یعنی روزی) کی تلاش کرو تو اس سے) تم پر کوئی
گناہ (خطا) نہیں ہوگا (احرام باندھے ہوئے تجارت میں مشغول رہ سکتے ہو)

ایامِ حج میں عمرہ کرنے کو برا جانتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ

اسلام نے خود ساختہ حج کو اصلی حج میں تبدیل کر دیا۔

جس طرح نماز کی نیت کا اعلان تکبیر ہے، اسی طرح حج کی نیت کا اعلان احرام ہے۔ احرام باندھ کر انسان معمولی زندگی سے ایک خاص زندگی میں داخل ہو جاتا ہے۔ زندگی کا گزشتہ باب ختم ہو جاتا ہے اور نیا باب کھل جاتا ہے۔

طواف کے متعلق حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "طوافِ خانہ کعبہ ایک قسم کی نماز ہے۔ فرق اتنا ہے کہ اس میں بولنا منع نہیں ہے۔ مگر نیک بات کے سوا اور کچھ مت بولنا"۔

حجرِ اسود طواف کے شروع کرنے اور ختم کرنے کے لئے ایک نشان کا کام دیتا ہے۔ ہر طواف کے خاتمہ پر اس پتھر کو چوما جاتا ہے۔ یہ پتھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بنائے ہوئے خانہ کعبہ کی تنہا یادگار ہے اس زمانے کا اور کوئی پتھر باقی نہیں رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا خانہ کعبہ کئی دفعہ گرا۔ کئی دفعہ آگ سے جلا اور کئی دفعہ سیلاب میں بہا ہے۔

کعبہ کی ایک ایک اینٹ اور مکہ کا ایک ایک ذرہ بدل گیا، بلکہ دنیا بدل گئی۔ لیکن حجرِ اسود اپنی جگہ قائم ہے۔ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک کے انبیاء نے چوما اور چھوا ہے اور خلفائے راشدین اور دیگر اکابرِ اسلام

کے لبوں اور ہاتھوں نے اسے مس کیا ہے۔

یہ چومنا اور چھونا اس پتھر کی تعظیم کی غرض سے نہیں ہوتا۔ یہ اس محبت
کا نتیجہ ہے جو بزرگان سلف کے ساتھ ہمیں ہے۔ حج حجر اسود کو چومے اور
چھوئے بغیر بھی ہو جاتا ہے۔

صفا اور مروہ کعبہ کے قریب دو پہاڑیاں تھیں جن کے اب صرف نشان
رہ گئے ہیں۔ صفا کے متعلق روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام
نے اپنے نوکروں اور سواری کے جانوروں کو یہاں چھوڑ دیا تھا اور یہاں سے
حضرت اسمٰعیلؑ اُن کے ہمراہ چلے گئے تھے۔ مروہ وہ مقام ہے جہاں
حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی جا رہی تھی اور اسے غیبی نے آ کے روکا تھا

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ یہیں
چلے گئے تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ کو پیاس لگی تو حضرت ہاجرہؑ پانی کی
تلاش میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑی تھیں اور چشمۂ آب زمزم نکل
آیا تھا۔ صفا و مروہ کی سعی حضرت ہاجرہؑ کی مضطربانہ دوڑ کی یادگار ہے۔

بہر حال دوران حج میں پہلے صفا پر چڑھتے ہیں اور پھر مروہ پر اور
کعبہ کی طرف منہ کر کے اللہ کی حمد کرتے ہیں اور اللہ سے دعا مانگتے ہیں
اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ - اور یہ حقیقت ہے کہ مصیبتیں
اٹھانے کے لئے جو صبر و شکر سے ہر ایک برداشت کرتا ہے اللہ اس کا اجر
ضائع نہیں کرتا۔ اللہ نے صبر و شکر کی یادگار میں کوہ صفا اور کوہ
مروہ کو ایک ادب گاہ قرار دے دیا ہے کہ لوگ آئیں اور تعظیم سے
سات مرتبہ ان کے درمیان دوڑتے ہیں۔ صفا اور مروہ اللہ کے شعائر

میں سے ہیں

میدانِ عرفات کا نظارہ اپنی آپ مثال ہے۔ دوسری کوئی قوم ایسا شاندار اور مؤثر منظر نہیں پیش کر سکتی۔ حج دراصل یہی ہے۔ دنیا کے ہر حصے کا مسلمان ایک قسم کا لباس پہنے۔ کوسوں ادھر اور کوسوں اُدھر، جہاں تک نگاہ کام کرتی ہے، اتنی تعداد میں دکھائی دیتا ہے کہ روزِ حشر کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

زوالِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک یہاں اللہ کی حمد و ثنا اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لوگ روتے ہیں۔ توبہ کرتے ہیں اور اللہ سے نیا عہد باندھتے ہیں۔ یہاں پتھر کے دل بھی پانی ہو جاتے ہیں۔ اسی میدان میں جبلِ رحمت کے قریب کھڑے ہو کر اسلام کا امیر خطبہ دیتا ہے اور مسلمانوں کو ان کے فرائض بتاتا ہے

عرفات سے حاجی مزدلفہ آتے ہیں، جہاں مسجدِ حرام ہے۔ یہ بھی عبادت کا اہم مقام ہے۔ رات بھر حاجی مشعرِ حرم کے ارد گرد ٹھہرتے ہیں اور صبح کی نماز پڑھ کر کچھ دیر اور عبادت میں گزارتے ہیں۔

پھر ایک اور میدان ہے، جس کا نام منیٰ ہے وہاں سب حاجی جمع ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے جان پہچان پیدا کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کو کھلاتے پلاتے ہیں قربانی منیٰ ہی میں کی جاتی ہے اور قربانی کر کے سر بھی یہیں منڈوایا جاتا ہے[1] یہاں بازار بھی لگتے ہیں اور خوب خرید و فروخت

---

[1] نوٹ صفحہ ۱۴۷ پر

ہوتی ہے۔ منیٰ مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ منیٰ میں تین روز قیام رہتا ہے۔ گویا تین روز تک حاجی حج کی عید منیٰ میں مناتے ہیں۔

منیٰ کے میدان میں تین ستون کھڑے ہیں۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کے لیے لے کر چلے تو شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے شیطان کے کنکریاں ماریں۔ یہ اُس زمانے میں اظہارِ لعنت کا طریقہ تھا اسی لئے شیطان کو "رجیم" کہا جاتا ہے۔ یعنی کنکریوں سے پٹا ہوا۔

مسلمان اللہ کی حمد و تسبیح کرتے جاتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی اتباع میں میدان منیٰ کے تینوں ستونوں پر کنکریاں برساتے جاتے ہیں، اور شیطان کے وسوسوں سے بچنے کی دعا مانگتے جاتے ہیں۔

حج کا مقصد اوّل تو اللہ کی یاد ہے۔ لیکن مقصدِ ثانی ان مقامات سے جو مقدس روائتیں وابستہ ہیں انہیں قائم و برقرار رکھنا اور دلوں میں تاثیر کی کیفیت بیدار کرنا بھی ہے۔

حاجی کے لئے لازمی ہے کہ احرام باندھنے سے احرام اتارنے تک ہمہ تن صلح و آشتی ہو جائے۔ نیکی و پاکبازی کی تصویر بن جائے۔ اگر کسی حاجی سے اس کے خلاف حرکت سرزد ہوتی ہے تو اُسے اس کا کفارہ دینا پڑتا ہے۔

اسلام کے جتنے ارکان ہیں۔ توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج سب

(نوٹ صفحہ ۱۴۶) ؎ تمدن کے ابتدائی دور میں سر منڈانا غلامی کی علامت تھا۔ قربانی حج کے بعد سر منڈوا کر حاجی اللہ کی دائمی غلامی کا اقرار و اعلان کرتے ہیں۔

ہوا منشا ایک ہے۔ ایک کا ہو جانا، یہ ایک بن جانا۔ یہ ساری رسمیں جن کی ادائیگی عبادت کی گئی ہے مسلمانوں کو اللہ واحد کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کہنے والے کی اتباع میں اللہ واحد کا ہو جانا سکھاتی ہیں اور ان ساری رسموں کو مسلمان تنہا الگ الگ انجام نہیں دیتے، ایک ساتھ اور مل کر جماعتی طور پر انجام دیتے ہیں۔

پانچ وقت کی نمازوں میں پانچ وقت محلے کے مسلمانوں کو مل کر بیٹھنے کا موقع ملتا ہے۔ جمعہ کی نماز میں بستی بھر کے مسلمان مل لیتے ہیں، اور عیدین میں شہر کے مسلمان اور حج میں دنیا کے گوشے گوشے کے مسلمان۔ پھر ان اجتماعوں سے کام لیا جاتا تھا۔ سفر اور آمد و رفت کی آسانیاں نہ ہونے کے باوجود اسلام کے احکام جو جو مسائل کے اندر شہر شہر اور ملک ملک پہنچ گئے تھے وہ حج کے اجتماع ہی کا نتیجہ تھا۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی سیاسی اور تنظیمی گتھیاں حج میں سلجھائی جاتی تھیں۔

خلافت راشدہ کا تو ذکر کیا، بعد کے مسلمان بادشاہ بھی خلیفہ سے رشتہ نہیں توڑتے تھے اور اپنے آپ کو اس کا ماتحت مانتے تھے اور آگے چل کر بھی سب مسلمان بادشاہ ایک دوسرے سے جڑے رہتے تھے۔

مختلف ممالک کے حکام اور والی حج کرنے آتے تھے تو الجھے ہوئے مسائل ساتھ لاتے تھے اور انہیں سلجھا کر جاتے تھے۔

مختلف ملکوں کے عوام کو حکام سے کچھ شکایتیں ہوتی تھیں تو ان کی بھی شنوائی کی جاتی تھی۔

حج کے اجتماع کے موسم میں سندھ کا عالم اسپین میں اور اسپین کا
تحقیق سندھ میں پہنچ رہا تھا۔

حج میں ائمہ حدیث اور ائمہ مجتہدین ایک دوسرے سے ملاقاتیں کرتے تھے اور حج ہی وہ ذریعہ تھا جس نے مؤطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور احادیث کے متعدد دفتر پیش کر دیے اور ائمہ مجتہدین کے لیے ممکن ہو سکا کہ اپنے ہم عصروں کے خیالات و معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔

حج کا اثر تھا اور یہ اثر آج تک ہے کہ معمولی سے معمولی حاجی بھی دنیا کی وسعت بہت دیکھ لیتا ہے۔ زمانے کا رنگ پہچاننے لگتا ہے اور اسلامی دنیا کے حالات و واقعات سے متاثر ہوتا ہے۔

یاقوت رومی نے اپنے جغرافیہ معجم البلدان کے مقدمے میں جغرافی معلومات کی ترقی کا ایک بڑا ذریعہ اسی سفر حج کو قرار دیا ہے۔

آج ترقی یافتہ اور ذی اقتدار قومیں انسانی برادری قائم کرنے کا خواب دیکھ رہی ہیں، ملت ابراہیمی کی ابتدائی دعوت اور ملت محمدیہ نے اس خواب کی تعبیر سینکڑوں اور ہزاروں برس پہلے پیش کر دی ہے۔

تمام دنیا کے لیے ایک زبان (اسپرانٹو) کا منصوبہ جب چالیس سال قبل اٹھا تھا۔ خانہ کعبہ کی مرکزیت نے ملت محمدیہ کے لیے مدت دراز ہوئی یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ عربی زبان ہماری اسپرانٹو ہے۔ حج کے موسم میں مختلف ممالک کے رہنے والے محض ایک لباس ہی نہیں پہنتے، ایک بولی میں اللہ سے باتیں بھی کرتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا: رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنتُ مِن

ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ عِندَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ
رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ
تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُم مِّنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ

اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد تیرے محترم گھر کے پاس وادی (مکہ) میں چھوڑ دی ہے جو (بالکل) ناقابلِ زراعت ہے (لا کر آباد کی ہے) - اے میرے پروردگار! (میں نے) اس لئے (کیا) کہ وہ (وہاں) باقاعدہ نماز ادا کریں (اور کرائیں)، پس تو لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ ان کی طرف مائل ہو جائیں اور (اپنی قدرتِ کاملہ سے اس سنگستان میں) انہیں پھل (وغیرہ) کھلا (اور ان کی خورد و نوش کا انتظام فرما) تاکہ وہ (تیرا) شکر ادا کرتے رہیں

اللہ تعالے نے حضرت ابراہیمؑ کا معروضہ لفظاً بلفظ قبول کر لیا - بے شمار انسانوں کے دل آلِ ابراہیمؑ کے والہ و شیدا ہیں اور مکۂ معظمہ کے بازار تازہ سے تازہ پھلوں - سبزیوں اور ترکاریوں سے بھرے ہوئے ہیں -

حج کا ایک مقصد تجارت کو فروغ دینا اور طلبِ رزق ہے طلبِ رزق اسلام میں عبادت ہے - مکۂ معظمہ مسلمانوں کے عالمگیر تجارتی کاروبار کا مرکز اور ممالکِ اسلامیہ کی صنعتوں کی سالانہ نمائش گاہ بھی اور اسے ترقی دی جا سکتی ہے - لیکن زیر سایہ یورپ و امریکہ نہیں - حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ والہٖ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ اس ملک میں اسلام کے سوا کوئی دوسرا مذہب، کعبہ کے سوا کوئی دوسرا قبلہ، اور قرآن کے سوا کوئی دوسرا صحیفہ نہ رہنے دیا جائے اور خانہ کعبہ کے متعلق تو قرآن کا حکم ہے کہ مشرکوں کافر اس ادب والی مسجد کے قریب نہ آنے پائیں -

ذرا ٹھہرئیے اور سنئیے۔ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی آپ سے اور مجھ سے اور خود اپنے آپ سے کیا کہہ رہے ہیں۔ ارشاد ہے کہ "دنیا آپ کی کتاب کو نہیں، صرف آپ کو پڑھے گی اور آپ ہی کو پڑھ کر آپ کے دین اور آپ کے نظام اور دستورالعمل کے متعلق رائے قائم کرے گی"

مولانا دریابادی نے خلیفہ عبدالحکیم مرحوم کا ایک بیان اخبار صدق جدید، مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۵۶ء میں شائع کیا ہے کہ مولانا عبیداللہ سندھی اور روس، اسٹالن سے ملے تو انہوں نے اس کے سامنے اسلامی تہذیب اور تمدن کا مرقع کھینچ کر رکھ دیا۔ مولانا سندھی بے حد خوش تقریر تھے۔ اسٹالن اُن کی تقریر چپ چاپ سنتا رہا۔ تقریر ختم ہوئی تو اس نے بس اتنا پوچھا کہ اس وقت کونسی مملکت اسلامی میں یہ تہذیب و تمدن اور یہ نظام رائج ہے میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ عملاً اس تجربے سے کیا نتائج ظاہر ہوتے ہیں۔

مولانا سندھی اس بات کا کیا جواب دیتے اور کس ملک کا نام بتاتے سر جھکا کر بولے۔ کہ بدقسمتی سے آج کوئی اسلامی ملک نہیں ہے لیکن ہمارا دین اور مقدس روایات یہی ہے۔ اسٹالن نے کہا اچھا جب کوئی قوم اس پر عمل کرے گی تب ہم کوئی رائے قائم کر سکیں گے۔

مولانا دریابادی نے مندرجہ بالا فقرے خلیفہ عبدالحکیم صاحب کے بیان کو شائع کرکے لکھے ہیں۔

نشانِ راہ دکھاتے تھے جو ستاروں کو
ترس گئے ہیں وہ مردانِ راہ داں کے لئے

جہاد

عرفِ عام میں جہاد نام ہے دین کے دشمنوں سے لڑنے کا۔ جہاد کا یہ مطلب صحیح ہے۔ لیکن جہاد کا مطلب فقط یہی نہیں ہے۔ جہاد جَہد سے مشتق ہے، اور مجاہدہ کا لفظ استعمال ہوتا وہ بھی جَہد سے مشتق ہے۔ جَہد کے معنی ہیں محنت اور کوشش۔ اصطلاحاً جہاد حق کی سربلندی کے لیے ہر قسم کی جدوجہد کرنے کو کہا جاتا ہے۔ جدوجہد جسمانی ہو یا مالی سب جہاد ہے۔ مخالفینِ حق کے حملوں کو روکنا جہاد کی انتہائی شکل ہے

ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت زید بن خطابؓ[1] کو فوج کا سالار بنانا چاہا تو حضرت زیدؓ نے کہا۔ مجھے معمولی سپاہی رہنے دیجیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شہادت نصیب نہیں ہوئی۔ اب چاہتا ہوں کہ ضرور شہید ہو جاؤں۔ سپہ سالار بن کر اس سعادت کا حصول دشوار ہے۔ سپہ سالار جنگ میں عملی حصہ

---

[1] برادر حضرت عمر فاروق

نباہ سکتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے حضرت ابوحذیفہ رضؓ بن عتبہ بن ربیعہ کو بلایا۔ انہوں نے بھی یہی عذر پیش کیا اور انکار کر دیا۔

پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہؓ پر پڑی۔ لیکن وہ بھی تیار نہیں ہوئے۔

چوتھے صاحب حضرت خالد بن ولیدؓ تھے۔ انہوں نے عہدہ قبول کر لیا۔[1]

جو حضرات جہاد کی انتہائی شکل کے اتنے مشتاق رہتے ہوں، اُن کے معمولی جسمانی و مالی جہادوں کا کیا ٹھکانہ ہوگا اور جو لوگ دین کے لئے معمولی جدوجہد، معمولی ایثار اور معمولی قربانی نہیں کر سکتے وہ دین کے لئے جان کی بازی کیا لگائیں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس تعلیم و شریعت کو لے کر تشریف لائے تھے وہ سراپا عمل ہے۔ اسلام میں اللہ کی توحید، رسولوں، صحیفوں اور فرشتوں کی تصدیق اور جزا و سزا کے اعتقاد کے بعد اُن کے مطابق جدوجہد کرنے پر نجات موقوف ہے۔ یہ جدوجہد اگر خدا اللہ کے حکم کی تعمیل میں ہو تو نفل پڑھتے رہنے اور قرأت کرتے رہنے سے افضل ہے۔ جنگی جہاد کے لئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر فرض عبادتیں حکماً چھڑا دیتے تھے اور مسجدوں سے نکال نکال کر میدانِ کارزار کی طرف بھیجتے تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لمحہ بھر بیٹھ جانا ہزار نفل پڑھ لینے سے زیادہ مفید تھا۔ لیکن حضورؐ نے طلبہ مستقل،

---

[1] برہان دہلی، صدق جدید لکھنؤ

کی جدوجہد کو اس پر ترجیح دی۔ ایک دفعہ حضورؐ کی مجلس کے سامنے سے کوئی نوجوان گزرے اور کسی دکان میں گھس گئے۔ حاضرین نے کہا، کیسا شخص ہے۔ جہاد میں نہیں آیا۔ دکان میں چلا گیا حضورؐ نے فرمایا، اعتراض مت کرو، ممکن ہے طلبِ معاش کرنے گیا ہو۔

قرآن مجید نے جہاد کی ضد قعود یعنی بیٹھے رہنے کو کہا ہے لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ۔ معذور نہ ہونے کے باوصف (گھروں میں) بیٹھے رہنے والے مسلمان جان و مال سے فی سبیل اللہ جہاد کرنے والے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔

بیٹھنے اور جہاد کرنے کے تقابل سے یہ بات کھل جاتی ہے کہ جہاد کی حقیقت سستی برتنے اور آرام ڈھونڈنے کے خلاف ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کی ابتدا سستی نہ برتنا اور آرام نہ ڈھونڈنا اور انتہا جان کی بازی لگانا اور قتال فی سبیل اللہ کرنا۔ جہاد فی سبیل اللہ اور قتال فی سبیل اللہ الگ الگ الفاظ ہیں اور ہم معنی نہیں ہیں۔ اِن دونوں میں عام اور خاص کی نسبت ہے۔ جہاد عام، قتال خاص یا جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قسم قتال ہے

مسلمان اپنی ہر ملکیت اسلام پر قربان کر دیتے تھے۔ یہ بھی جہاد تھا اور مسلمان تیر اور نیزے سے چھد جانے اور تلوار سے کٹ جانے کو تیار رہتے تھے، یہ بھی جہاد تھا۔ مسلمانوں نے ابتدا میں جتنی تکلیفیں اٹھائیں وہ سب جہاد کے تحت آتی ہیں۔ ہجرت سے قبل دوسروں کی جانیں

لینے کا سوال مطلق نہیں تھا۔ مسلمان اپنی ہی جانوں پر تیرہ سال مسلسل مصیبتیں اٹھاتے رہے۔

جان اور مال کی باطل محبت، راہ ترقی کی عظیم ترین رکاوٹ ہے، جان و مال کے بندھنوں کو توڑ کر اللہ کا ہو جانے والا میدان ترقی میں کہیں نہیں رک سکتا۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ

مومن وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے۔ اور پھر ڈگمگائے نہیں اور اللہ کے راستے میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرتے رہے یہی ثابت ہونے والے لوگ ہیں۔

جہاد کی اعلیٰ ترین قسم جہاد بالنفس ہے۔ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

صحابہؓ ایک غزوہ سے واپس لوٹے تھے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خطاب کیا اور فرمایا۔ تمہارا آنا مبارک ہو۔ تم چھوٹے جہاد (غزوہ) سے بڑے جہاد کی طرف آئے ہو۔ بندے کا اپنے نفس کی خواہشوں سے لڑنا بڑا جہاد ہے۔

جہاد کی دوسری قسم جہاد بالعلم ہے۔ دنیا کا تمام شر و فساد جہالت کا نتیجہ ہے۔ صاحبان علم و دانش کو چاہیے کہ حق بات دوسروں تک پہنچائیں دلیل و برہان کی قوت سے قلوب میں جو طمانیت پیدا ہو سکتی ہے۔ وہ تلوار کی قوت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ط

اے رسول! تم (لوگوں کو) بہترین نصیحت و حکمت (کی باتوں) کے ذریعہ اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور (مباحثے کا موقع آ جائے تو) اس طریقے سے مباحثہ کرو جو (نتیجہ خیز اور) بہترین ہو۔

جہاد بالنفس کو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہاد اکبر بتایا ہے۔ جہاد بالعلم کو اللہ تعالیٰ نے جہاد کبیر کہا ہے وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا۔ دلائل قرآن کے ذریعے ان سے جہاد کبیر کرو۔

جہاد بالعلم جہاد بالنفس سے کم اہم نہیں ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ جہاد بالنفس کے بغیر جہاد بالعلم بے اثر رہتا ہے اور جہاد بالنفس وہ شخص بھی کر سکتا ہے جو جہاد بالعلم کی اہلیت نہیں رکھتا۔

جہاد کی تیسری قسم جہاد بالمال ہے۔ صحابہ کرام نے غربت اور ناداری کے زمانے میں ضرورت پڑ جانے پر جیسا جیسا جہاد بالمال کیا ہے اس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملے گی۔ جسمانی جہاد ہر وقت نہیں ہوا کرتا لیکن مالی جہاد کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ کوئی تحریک سرمائے کے بغیر نہیں چل سکتی۔

جہاد کی ان تین اقسام کے علاوہ ہر نیک کام میں اپنی قوت صرف کرنا اسلام میں جہاد ہے۔

ایک صاحب یمن سے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بولے کہ جہاد کی نیت سے حاضر ہوا ہوں، حضورؐ نے پوچھا۔ تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ جی ہاں حضورؐ نے فرمایا فَفِيهِمَا فَجَاهِدْ۔ تم ان کی خدمت گزاری کا جہاد کرو، یعنی ماں باپ کی خدمت کرنا بھی جہاد ہے۔

علی ہذا خطرناک مواقع پر حق کا اظہار بہت عظیم جہاد ہے۔ حضور

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: اِنَّ مِنْ اَعْظَمِ الْجِهَادِ كَلِمَةَ عَدْلٍ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ "عظیم جہاد کسی ظالم حاکم کے سامنے انصاف کی بات کہہ دینا ہے۔"

جہاد کو خطرے میں ڈالنے اور جان سے بے پروا ہو جانے کی انتہائی شکل دین کے دشمنوں سے مقابلہ کرنا اور انہیں اظہارِ حق اور اشاعتِ حق کے راستے سے ہٹانا ہے۔ اس میں دشمنوں کی جانیں بھی لی جاتی ہیں، اپنی جانیں بھی دی جاتی ہیں۔ مسلمان کو جان لینے سے زیادہ جان دینے کا شوق ہوتا ہے۔ جان دینے والا شہید کہلاتا ہے اس کی بابت ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اسے مردہ مت کہو۔ وہ زندہ ہے۔ اُسے ایسی حیات مل گئی ہے جس کا تم اس عالم میں احساس نہیں کر سکتے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

اور جو شہادت نہیں پاتے مگر شہادت حاصل کرنے کی نیت سے لڑتے ہیں انہیں بھی بڑا اجر ملتا ہے۔ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ اَجْرًا عَظِيمًا ۔ جو اللہ کی راہ میں لڑتا ہے وہ مارا جائے یا غالب آئے ہم اسے بڑا بدلہ عنایت کریں گے۔

خیال کیجئے اس تعلیم و تربیت سے مسلمانوں میں مشکلات سے نمٹنے اور دشمنوں سے نہ ڈرنے کی کیسی روح پیدا ہو جاتی ہے۔

تعجب ہے ہمارے علماء نے جہاد کو اتنی اہمیت کیوں نہیں دی جتنی اہمیت کا قرآن و حدیث کی رو سے جہاد مستحق تھا۔ جہاد تو ارکانِ اسلام

میں شمار ہونے کے لائق چیز تھی۔ مگر علما سلسلۂ عبادات میں بھی اس کا ذکر کم ہی کیا کرتے ہیں۔

جہاد ایمان کی کسوٹی ہے۔ قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہودیوں سے) کہو کہ یہودیو! تمہیں اگر دعوٰے ہے کہ تمام بندوں میں فقط تم اللہ کے ولی (اور دوست) ہو (تو اس کی پہچان بہت آسان ہے۔ اللہ کی راہ میں) مرنے کی تمنا کرو۔ اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو گے (تو مرنے سے قطعی نہیں گھبراؤ گے۔)

تو ولایت کی پہچان کیا ٹھہری۔ مرنے سے نہ گھبرانا اور مرنے کے لئے آمادہ رہنا۔ اور مسلمان کی تعریف یہ ہے کہ وہی اللہ کا ولی اور دوست نہیں ہوتا۔ اللہ بھی اس کا ولی اور دوست ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ آمَنُوْا۔ اللہ اہل ایمان کا دوست ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ اللہ مومنوں کا دوست ہے۔ لہذا مرنے سے نہ گھبرانا اور مرنے کے لئے آمادہ رہنا محض ولایت نہیں۔ ایمان کی کسوٹی ہے۔

تقویٰ

انسان میں فجور اور تقویٰ یعنی گناہ کرنے اور گناہ سے بچنے دونوں کے مادے رکھے گئے ہیں۔ گناہ کرنے کی قابلیت نہ ہو تو گناہ سے بچنے کا سوال باقی نہیں رہتا[1] فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (غلط کاری بھی اس کے جی میں ڈال دی ہے اور غلط کاری سے بچنے کی طاقت بھی اسے دے دی ہے) اب یہ انسان کا کام ہے کہ غلط کاری کو ٹھوکر مارے اور تقویٰ اختیار کرے۔ یا تقویٰ سے بے نیاز رہے اور غلط کاری میں عمر گزارے جائے۔

حدیبیہ کا واقعہ اس کی بہترین مثال ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد پہلی دفعہ ایک خواب کی بنا پر عمرہ کی نیت سے مکہ جا رہے تھے۔ چودہ سو صحابہ

---

[1] توبہ کی اہمیت طاقتِ گناہ ہی کے زمانے میں ہے ؎ علامہ سنجری فرماتے ہیں۔

اے حسن توبہ آں زماں کردی   کہ ترا طاقت گناہ نہ ماند

ہم یکایک تھے۔ مکّہ کے قریب پہنچے تو کفارِ مکّہ نے کہلا یا کہ آگے مت بڑھنا۔ ہم تمہیں مکّہ میں نہیں گھسنے دیں گے۔ حضورؐ جہاں تھے وہیں رک گئے۔ مقام کا نام حدیبیہ تھا۔

صحابہ حضورؐ سے متفق نہ تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ مکّہ چلنا چاہیے۔ کفّار چودہ سو مسلمانوں کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ عمرہ کیے بغیر لوٹنا ذلت کی بات ہے۔ یہی نہیں اتنا اصرار تھا کہ حضورؐ سے جھگڑے تھے اور حضورؐ نے عمرہ کیے بغیر واپس جانے کا فیصلہ کیا اور حکم دیا کہ قربانی کے جانور یہیں ذبح کر دو اور سر منڈوا لو تو تعمیل میں دیر لگائی۔ جب حضورؐ نے اپنے جانور ذبح کر دیے اور اپنا سر منڈوا لیا تب سمجھے کہ فیصلہ بدلے گا نہیں تب تعمیل کی۔

ایسا برتاؤ حضورؐ کے ساتھ صحابہ نے کبھی نہیں کیا تھا اور نہ پھر کبھی بعد میں کیا بلکہ بعد میں تو اسے یاد کر کے وہ رویا کرتے تھے۔ بہرحال برتاؤ نامناسب اور صحابہ کی شان کے خلاف تھا۔

لیکن جہاں صحابہ سے ایک بشری لغزش کا ظہور ہوا، وہیں اُس لغزش سے باز آ جانا بھی صحابہ کا حصہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا: إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا (اے رسول! یہ صلح حدیبیہ کی صورت میں، ہم نے آپ کو نمایاں فتح عطا کی ہے اور پھر کہا: لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ۙ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ ۙ لَا تَخَافُونَ ۖ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِن دُونِ ذَٰلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا ۝

بلاشبہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو سچا خواب دکھایا ہے، (جو) واقعہ کے مطابق ہے۔ تم لوگ انشاء اللہ مسجد الحرام (کعبہ) میں (عنقریب)

بے خوف و خطر، امن و امان کے ساتھ داخل ہو گئے (بعض) سر منڈاتے ہوئے اور (بعض) بال کترواتے ہوئے۔ اللہ کو ان باتوں کا علم تھا جن سے تم آگاہ نہیں تھے پس اس خواب کی تعبیر نکلنے سے قبل اللہ نے قریبی زمانے میں ایک اور فتح صلح حدیبیہ کی صورت میں عطا فرمادی[1]۔ تو صحابہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ غم کے بادل چھٹ گئے اور لغزش کی جگہ تقوے نے لے لی۔ تقوے لغزش سے بازی لے گیا۔ اسی لغزش کے چھوڑنے اور تقوے اختیار کرنے کا ذکر سیپارہ ۲۶ نے ان الفاظ میں کیا ہے: إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا ط جب کفار نے اپنے دلوں میں ضد پیدا کر لی۔ ضد بھی کیسی، جاہلیت کی (ضد) تو (اس کے مقابلے میں) اللہ نے اپنے رسول پر اور مسلمانوں پر تسکین (وطمانیت) نازل فرمائی اور ان کو تقوے کی بات پر قائم اور ثابت قدم رکھا، اور وہ اس (تسکین وطمانیت) کے مستحق اور اہل تھے۔

بچہ گرتا ہے اور سنبھلتا ہے گرتے گرتے اور سنبھلتے سنبھلتے اسے نہ گرنے اور سنبھلے رہنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ لیکن گرنے کا امکان عمر بھر ختم

---

[1] صلح حدیبیہ سے تبلیغ کے راستے کھل گئے۔ جو لوگ اسلام کے نام سے بھڑکتے تھے، وہ مسلمانوں سے ملنے جلنے لگے اور حق و ناحق پر غور کرنے لگے اور دو سال کے سکون سے مسلمانوں کی قوت اس قدر بڑھ گئی کہ یا کفار مکہ مسلمانوں کو مکہ میں گھسنے نہیں دیتے تھے یا مکہ بے لڑے فتح ہو گیا اور کل عرب مسلمانوں کے زیر نگین آگیا۔

نہیں ہوتا۔ صحابہ جیسے انسان ٹھوکر کھا سکتے ہیں تو عوام کا کہاں ٹھکانہ ہے
انبیاء کے سوا ہر بڑے سے بڑا شخص ٹھوکر کھا سکتا ہے اور گر سکتا ہے۔
لہٰذا گرنے سے بچنے کا دھیان ہمیشہ اور ہر وقت رکھنا چاہیئے۔ گناہ
سے بچنے اور فتنہ میں مبتلا ہونے سے احتیاط کرنے کا دھیان بس یہی تقویٰ ہے۔ قرآن نے
اسلام نے حسب نسب اور رنگ و وطن اور تمام دوسرے امتیازات کو مٹا کر
واحد معیار شرافت و بزرگی قرار دیا ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ عرب کو عجم پر اور گورے کو کالے پر برتری نہیں ہے
برتری وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔ الکرم التقویٰ بزرگی و شرافت تقویٰ کو کہتے
ہیں۔ تقویٰ سے تنگ نظری جاتی رہتی ہے اور کشادہ ظرفی پیدا ہو جاتی ہے۔
قرآن مجید میں ہے: یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ
ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ ط اے لوگو! ہم نے تم
(سب) کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے (آدم اور حوا کے
علاوہ اور کوئی نہیں ہے جس سے انسانی نسل چلی ہو) قومیں اور
قبیلے (جو ہیں یہ) ہم نے اس لئے بنائے ہیں کہ ایک دوسرے کو
شناخت کر سکو۔ (جس طرح افراد کے نام ہوتے ہیں اسی طرح قوموں اور
قبیلوں کے نام ہیں۔ محض نام رکھ لینے سے عزت کا استحقاق حاصل
نہیں ہو جاتا) اللہ کے نزدیک تم میں جو (جتنا) زیادہ صاحب تقویٰ
اور گناہوں سے بچنے والا ہے وہ (اتنا) عزت کا حقدار ہے (اللہ
کے نزدیک عزت کا انحصار تقوے کے علاوہ اور کسی بات پر نہیں
ہے۔)

تقوے کے لفظی معنی تو بچنے کے ہیں لیکن اصطلاح میں تقوے اس کیفیت کا نام ہے کہ انسان اللہ کو حاضر و ناظر جانے اور اس کا دل اچھائی کی طرف راغب اور برائی سے گریزاں رہے : وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ○ (جو چیزیں شعائر اللہ ہیں) ان کی جو شخص تعظیم و توقیر کرے گا وہ یقیناً متقی اور پرہیزگار ہووے گا) یہ (تعظیم و توقیر شعائر) دلوں کے تقوے کا ثبوت ہے یعنی جس کے دل میں اللہ کا خوف ہوگا اور جو نیک دل ہوگا وہی شعائر اللہ کا ادب و احترام کرے گا اور اپنے فرض کو پہچانے گا۔

اس کیفیت پر اترانا نہیں چاہیے۔ اور غیر اللہ سے اس کا بدلہ نہ پانا چاہیے۔ اترانا اور ہر دل عزیز بننے کا شوق دراصل تقوے کو تقوے نہیں رہنے دیتے۔ تقوے خالص اللہ کے لئے ہونا چاہیے۔ تقوے اللہ کے لئے ہو تو اللہ ایسے متقی سے محبت کرتا ہے اور اس کا دوست بن جاتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ متقیوں کو محبوب رکھتا ہے۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ متقیوں کا دوست ہے۔ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ یاد رہے کہ اللہ ان کا ساتھی ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں (گناہوں سے بچتے اور نیکیاں کرتے ہیں یعنی متقی ہیں)۔ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ تعالیٰ نذر بھی) فقط متقیوں کی قبول کیا کرتا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ قرآن ان کو صحیح ڈگر پر ڈالتا ہے جو متقی ہوتے ہیں۔ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ انجام اچھا متقیوں ہی کا ہوگا۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا بے شبہ اہل تقوے کے لئے کامیابی ہے۔ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ

جَنّٰتِ النَّعِیْمِ اہل تقوےٰ کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس نعمتوں کے باغ ہیں۔[1] اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ مَقَامٍ اَمِیْنٍ اہل تقوےٰ امن وامان کی جگہ ہوں گے۔[2]

---

[1] مرنے کے بعد ہی نہیں، موجودہ زندگی میں بھی ---- قرآنِ اوّل کا تصور کیجئے۔ صحابہ سے زیادہ متقی کون ہوسکتا ہے۔ انبیا کے بعد اُن کا درجہ ہے۔ اُس زمانے کے ہر مسلمان کو دنیاوی نعمتیں حاصل تھیں۔

نوعِ انسانی کا عروج یہ نہیں ہے کہ چند اشخاص اور چند خاندان تو بے حد وحساب دولت مند ہوجائیں اور باقی انہیں سہم سہم کر دیکھتے رہیں۔ نوعِ انسانی کا عروج یہ ہے کہ ساری ملت کو آرام اور آسائش میسر آئے۔ مسلمانوں کا ایک دور ایسا گذرا ہے کہ زکوٰۃ وخیرات لینے والے ڈھونڈے نہ ملتے تھے۔ وہ دور پھر آسکتا ہے لیکن بشرطیکہ صاحبِ مقدرت مسلمان شراب وکباب اور عیش وعشرت میں روپیہ نہ اڑائیں اور قرآن کے حکم کے مطابق اپنی جائز ضروریات پوری کرکے جتنا روپیہ بچے اُسے ملت پر خرچ کریں۔

دنیا کی صحیح کامیابی اہل تقوےٰ ہی کا حصہ ہے۔

[2] دنیا میں بھی اہل تقوےٰ کو سکون واطمینان حاصل رہتا ہے یہی تو ہیں جن کی بابت اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے: لَاخَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے غیر متقیوں کی طرح اِن کی نیندیں خراب نہیں ہوتیں۔ اور نیکوکاری کے باوجود اُنہیں کسی قسم کا چرکہ لگ جاتا ہے تو وہ اُسے تنبیہہ سمجھتے ہیں اور اُس کا سوگ مناتے ہیں۔ تھوڑے سے محتاط اور ہوجاتے ہیں۔

اسلامی ہدایات کا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ انسانوں میں تقوے پیدا کرے اور مجرمانہ اور باغیانہ ذہنیت انسانوں کے دل و دماغ سے نکال دے۔ عبادات کا تمام حکم ہے تو اسی واسطے کہ تم متقی ہو جاؤ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ اور عبادات کو فرض کیا ہے تو اس کا مقصد بھی یہی ہے تاکہ تم متقی ہو جاؤ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تقوے کو اسلام ہمارا اوڑھنا بچھونا بنانا چاہتا ہے۔ فرمایا۔ لِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ زیب و زینت کا لباس تقوے کے لباس کے مقابلہ میں کچھ نہیں ہے۔ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ انصاف سے کام لو۔ انصاف کرنا تقوے سے قریب تر ہے۔ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ معاف کر دینا بھی تقوے سے قریب کرتا ہے۔ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔ مناہی سے بچنے اور اوامر کی تعمیل میں تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انہیں اگر برداشت کرو اور مناہی سے بچنے اور اوامر کی تعمیل کی تگ و دو کئے جاؤ تو یہ اللہ کے ہاں تمہارا بڑا کارنامہ مانا جائے گا۔ وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ مناہی سے بچنے والے اور اوامر کی تعمیل کرنے والے یعنی متقی ہیں ہی وہی جو زندگی کے ہر شعبہ اور کام کے ہر پہلو میں سچائی برتیں اور ابدی سچائی کو سچ مانیں (ظاہری فائدوں اور نقصانوں سے متاثر نہ ہوں اور راہ راست پر جمے رہیں۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ج وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ ج ۔ البقرۃ

اور قیامت پر اور ملائکہ پر اور گزشتہ صحیفوں اور گزشتہ نبیوں پر ایمان رکھیں اور (اپنا) مال اللہ کی محبت میں قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، اور سائلوں (کی ضروریات) اور (غلامی وغیرہ سے مظلوموں کی) گردنوں (کے چھڑانے) پر لگائیں اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں اور جو عہد کرکے عہد کو پورا کریں اور مفلسی، بیماری اور حالتِ جنگ میں صابر (وضابط) رہیں یہی لوگ (ہیں جنہیں کہنا چاہیئے کہ اسلام کے) صادق ہیں اور یہی لوگ ہیں کہ متقی کہلائے جانے کے مستحق ہیں[1]

جس طرح بری صحبت، بری تربیت اور بری تعلیم اور برے کاموں کی مشق سے گناہ کا مادہ بڑھتا چلا جاتا ہے اسی طرح اچھی صحبت، اچھی تربیت اور اچھی تعلیم اور اچھے کاموں کی مشق سے نیکی کا ذوق پرورش پاتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰهُمْ

جو راہ (راست) پر آ گئے، اللہ نے اُن کی سوجھ اور بڑھائی اور انہیں تقوے کی اور توفیق عطا فرمائی

---

[1] اِن سب علامات سے دل کی کیفیت کا پتہ چلتا ہے۔

اِخلاص

اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ بُرے کام تو کئے ہی نہ جائیں اور اچھے کام کئے جائیں تو اللہ کی اطاعت گزاری کے خیال سے کئے جائیں۔ اُن کا مقصود طلب شہرت یا جلب منفعت نہ ہو۔ اسی کا نام اخلاص ہے۔ اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ط خبردار خالص اطاعت گزاری اللہ کا حق ہے۔ (اللہ کی اطاعت گزاری میں کسی مخلوق کو شریک نہ کرنا۔

نفسانی خواہش کا دخل اللہ پسند نہیں فرماتا۔ ارشاد ہے:
اَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَہٗ ھَوٰہُ ○ کیا تم نے اُسے دیکھا جس نے اپنی نفسانی خواہش کو اپنا خدا بنا لیا ہے۔

اخلاص کی تاکید قرآن مجید میں کئی موقعوں پر آئی ہے۔ اور بار بار آئی کہیں مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ کہا ہے اور کہیں مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ۔

دنیا میں بھی اخلاص کامیابی کی کنجی ہے۔ کوئی بظاہر کتنا ہی اچھا کام کرے مگر اس کے متعلق شبہ ہو جائے کہ ذاتی اغراض پیش نظر ہیں

یا نمائش کا بھوکا ہے تو دنیا اس کا احترام نہیں کرتی، جیسا کہ ہندوستان اور پاکستان کے اکثر سیاسی لیڈروں کا حشر ہوا اور جس کے متعلق یقین ہو کہ مخلص ہے اُسے دنیا بھلائے نہیں بھولتی۔ جیسے بزرگان دین۔ وہ اللہ کی خوشنودی کے سوا کچھ نہیں چاہتے تھے لیکن اللہ نے دنیا میں بھی انہیں نوازا، اتنی عزت عطا کی کہ بادشاہوں کے ڈنکے خاموش ہو گئے فقیروں کے ڈنکے بجے جاتے ہیں۔

ہر نبی نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ مَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ تمہیں سیدھے رستے پر ڈالنے کا ہم تم سے معاوضہ اور بدلہ نہیں مانگتے اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّیْ۔ البتہ ہمارا معاوضہ اور بدلہ رب العالمین کے پاس ہے۔ اور محض زبان سے نہیں کہا تھا اس کے مطابق عمل کر کے دکھایا تھا۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بکریاں چرانے والوں کے قدموں میں بادشاہتیں لوٹنے لگی تھیں اور دین کی دولت کے ساتھ دنیا کی دولت سے بھی وہ مالا مال ہو گئے تھے مگر حضور نے خود اپنی زندگی مطلق نہیں بدلی۔ حضور جس مختصر سے کچے مکان میں ہجرت کے پہلے سال رہتے تھے آخری سانس تک رہتے رہے کھانے اور پہننے کا معیار بھی نہیں بڑھایا۔ ازواج مطہرات نے اُسے محسوس کیا۔ آن سے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ تمہیں جنت چاہیئے تو نبی کے ساتھ ٹھہرو۔ اور مال چاہیئے تو نبی سے طلاق لے لو اور مال دار مسلمانوں سے نکاح کر لو، نبی کے ہاں عیش و آرام ممکن نہیں ہے۔ ازواج مطہرات بہرحال ازواج مطہرات تھیں۔ انہوں نے جنت کو ترجیح دی۔ اسی واقعے کے بعد انہیں امہات المومنین کا خطاب ملا تھا۔

اس سے پتہ چلا کہ انسان کے اختیار کی بات ہے لیکن تحسین و شہرت نہ ہونے دینا انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ جو لوگ تحسین و شہرت کے طلبگار رہتے ہیں ان کی اتنی تحسین و شہرت نہیں ہوتی جتنی تحسین اور شہرت ان کی ہوتی ہے جو اسے طلب نہیں کرتے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اختیار یہ تھا کہ ساری دنیا سے فقر کیں ہوں۔ دنیا کو تو حضور نے ہاتھ نہیں لگایا مگر تحسین و شہرت جو ہم جیسے کسی کو ... تحسین و شہرت حضور کی دنیا بھر سے زیادہ ہوئی۔ لہٰذا ہم بڑے نادان ہیں اگر اپنے اچھے کاموں کا بدلہ اللہ کی خوشنودی کے سوا کچھ اور چاہتے ہیں۔ الٰہی ہمیں توفیق دے کہ ہم ہر بات اور ہر معاملے میں تیری خوشنودی مد نظر رکھیں۔ ہمارے اچھے کام تو شہرت اور ناموری کی ہوس کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ہمارے اچھے کاموں سے اخلاقی اور روحانی نتائج برآمد ہوں۔ ہم نے جو عبادت کی ہیں اخلاص پیدا کر تاکہ تو انہیں قبول فرمائے۔ ہمارے تعلقات ... مخلصانہ بنا تاکہ وہ عبادت کا درجہ پائیں۔ ہمارا ہر عمل اخلاص کے معیار پر پورا اترے۔

آج کل ایسے شخص کو جو صرف روپے کا میت نہیں ہوتا مخلص کہہ دیا جاتا ہے تحسین و شہرت کی طلب آج کل جائز ہے لیکن اسلام کا معیار اخلاص بہت اعلیٰ ہے۔ اسلام تحسین و شہرت کا تصور ہی ذہن و دماغ سے نکال دیتا ہے۔

آپ اچھے کام کریں گے تو تحسین و شہرت تو ہو گی ہی۔ مگر آپ کا علو اس میں ہے کہ آپ تحسین و شہرت کی پرواہ نہ کریں۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلٰى یعنی ذات باری تعالیٰ کی خوشنودی کے

کے سوا اور کوئی غرض پیش نہ رکھیں۔
خلوص میں بڑی کشش ہے۔ معمولی تعلق کا اثر پڑتا ہے بشرطیکہ تعلق ہو۔ اکثر اوقات ذی اقتدار لوگوں سے اُن کے خدمت گار وہ کام لے لیتے ہیں جو امراء و روسا نہیں لے سکتے۔
اللہ کی عام نعمتیں کفار و مومنین سب کے لئے عام ہیں اُن کے علاوہ خاص نعمتوں کی خواہش ہے تو اللہ سے تعلق پیدا کیجئے۔ اُس کے گھر کے آدمی بنئے یقین اور جرأت سے ذرا آگے قدم بڑھائیے۔
صدر پاکستان محمد ایوب خاں کو میں نے نہیں دیکھا لیکن میں اُن کے ہونے اور صدر پاکستان ہونے کا یقین رکھتا ہوں۔ اتنا ہی یقین اگر مجھے اللہ تعالیٰ کے وجود اور اللہ تعالیٰ کی قدرت پر ہے تو کیا صرف اتنے یقین کی بناپر صدر ایوب خاں میرے ساتھ خصوصیت برت سکتے ہیں؟ صدر ایوب خاں سے تعارف ہو جائے، یعنی نعمت معرفت میسر آجائے تو بھی کوئی غیر معمولی عنایت نہیں کی جائے گی۔ غیر معمولی عنایت کا مستحق وہ ہوتا ہے جو عنایت کرنے والے کا ہو جاتا ہے۔ اُس کے اشاروں پر چلتا ہے اور اُس کی رضا کے خلاف کسی کا کہا نہیں مانتا۔
خلوص کی کمی بیشی کا غم مت کیجئے۔ تھوڑا تھوڑا کر کے اسے ترقی دیجئے۔ نبیوں جیسا خلوص پیدا نہیں ہو سکتا لیکن ولیوں جیسے خلوص کے دروازے بند نہیں کئے گئے ہیں۔
اس بات کو دل پر لکھ لیجئے کہ اخلاص عمل کی روح ہے۔ روح نہیں تو عمل کی حیثیت کیا ہے؟ وہی جو جسم بے روح کی ہوتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرماتے ہیں: اَلَا وَاِنَّ فِی الْجَسَدِ

مُضْغَةً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ وَ اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ ۔ اَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ ۔ آگاہ رہو، جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جب وہ درست ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہوتا ہے اور جب وہ نادرست ہو جاتا ہے تو سارا جسم نادرست ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو کہ گوشت کا وہ ٹکڑا دل ہے۔

اخلاص دل کی ایک کیفیت ہے۔ دل میں یہ کیفیت نہیں تو عبادات اور دیگر اعمال میں کیفیت کہاں سے آئے گی۔

ہم جو کام بھی کرتے ہیں وہ دو چیزوں کی مدد سے انجام پاتا ہے۔ ایک جسم کے ظاہری اعضاء کی جنبش سے۔ دوسرے دل کی نیت سے۔ کام کی بقا اور برکت دین و دنیا میں دل کی نیت، اور نیت کی کم زوری و قوت پر منحصر ہے۔

جو کام جتنا زیادہ اچھی نیت کے ساتھ کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کے کرنے والے کو دین و دنیا میں اتنی ہی فوز و فلاح بخشے گا۔ کام کو اتنی ہی زندگی عطا ہوگی اور کام کے کرنے والے کو اتنی ہی خوشنودی باری تعالیٰ اور محبوبیت و ہر دل عزیزی میسر آئے گی۔ اچھی نیت سے کام کرنے والے جماعتوں اور قوموں کے محسن کہلاتے ہیں اور بری نیت سے کام کرنے والوں کا نام بھی نہیں لیا جاتا۔

آپ دوستوں، عزیزوں اور ملک و ملت سب کے ساتھ اخلاص برتئے، مگر یہ سمجھ کر کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اپنے ہر عمل کا کنکشن اللہ سے جوڑا رکھیے۔

عمل میں اپنی طبیعت کے اتباع کی انبیاء تک کو اجازت نہیں ہے،

حضرت داؤد علیہ السلام سے کہا گیا تھا: يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ - اے داؤد، ہم نے تمہیں زمین پر اپنا نائب بنایا ہے۔ تم (ہماری) مخلوق کے درمیان حق (و انصاف) کا (اللہ کی ہدایت کے مطابق) فیصلہ کرنا، اپنی طبیعت کا اتباع نہ کرنا، (طبیعت کا اتباع) تمہیں اللہ کے رستے سے بہکا دے گا (اور صحیح الفطرت نہیں رہنے دے گا)۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ارشاد ہے: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ - وہ اپنے نفس کی خواہش سے کچھ نہیں کہتے۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ اللہ کی وحی ہوتی ہے جو اُن پر نازل کی جاتی ہے۔[1]

---

[1] اس کا مطلب کوئی صاحب تدبر و تفکر کی نفی نہ سمجھ بیٹھیں۔ تدبر و تفکر کی تو قرآن مجید نے بار بار تاکید کی ہے۔ مطلب صرف اتنا ہے کہ اپنے ہر عمل کا کنکشن اللہ سے جوڑ رکھیے اور اللہ کے احکام کو اپنی عقل کی کسوٹی بنا لیجیے، اپنی عقل کو اللہ کے احکام کی کسوٹی نہ بنا لیجیے۔ انسانی عقل دوسرے انسانوں کی عقل کے مقابلے میں فیل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا بڑے سے بڑے انسان کی عقل اللہ کی کسی بات کے ادراک سے عاری رہے تو تعجب کیا ہے۔ ویسے اللہ کی ہزاروں باتوں کا ادراک عام انسان کر سکتے ہیں اور اللہ سے کنکشن جڑا رہے تو اس بات کا ادراک کر سکتے ہیں جس کا ادراک "بڑے انسان" نہیں کرتے۔

توکّل

کوشش کرنا اور کوشش کے انجام کو اللہ پر چھوڑ دینا اس کا نام توکّل ہے۔ اَلسَّعْیُ مِنَّا وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔ کوشش ہمارا کام ہے اور اُسے کسی نتیجے تک پہنچانا اللہ کے قبضے میں ہے۔

کوشش کئے بغیر اللہ سے توقعات باندھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی

جمادات، نباتات اور حیوانات[1] تو بغیر کوشش کے نشوونما کا سامان حاصل کر لیتے ہیں لیکن انسان جب تک انسان ہے اُس کے لئے کوشش لازمی شے ہے۔ کام پوری محنت اور سوجھ بوجھ کے ساتھ کرنا چاہیے اور یہ بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ کامیابی میں ہماری بھلائی دیکھے گا تو ہمیں کامیاب فرمائے گا۔ ارشاد ہے: وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا

---

[1] بلکہ کوشش اور دوڑ دھوپ حیوانات بھی کرتے ہیں۔ ڈنگروں کو جنگل اور چراگاہ جانا پڑتا ہے، اور پرندے تلاشِ رزق میں دن بھر اُڑتے پھرتے ہیں۔

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ط کاموں میں ان سے مشورہ لو (اور) پھر جب بات تمہارے دل میں ٹھن جائے تو اُسے کر گزرو اور اللہ پر بھروسہ رکھو إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ○ اللہ اپنے اوپر بھروسہ رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ج وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ط اللہ تمہاری مدد کرے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون تم کو مدد دے سکتا ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ (لہٰذا) چاہیے کہ مسلمان اللہ (ہی) پر توکل کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مددگار رہے تو کوئی ہم کو ناکام نہیں کر سکتا اور اللہ نہ چاہے تو کسی کی مدد کارآمد نہیں ہو سکتی۔

دشمنوں کے نرغے میں ہونے کے باوجود حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت عبادت گزار مسلمانوں کو دیکھنے نکلا کرتے تھے یہ جرأت اور بے خوفی توکل علی اللہ کی وجہ سے تھی۔ اس توکل اور اعتماد کی ہمیں تعلیم دی گئی ہے۔

اسلام کی تبلیغ اور دعوت کی مشکلوں میں بھی اللہ ہی کے اعتماد اور بھروسے پر کام کرنے کی ہدایت ہے وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيرًا ○ قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ إِلَّا مَنْ شَاءَ أَنْ يَتَّخِذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ○ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ ط (اے رسول!) ہم نے تم کو جنت کی بشارت دینے والا اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر

بھیجا ہے۔ لہٰذا تم اپنا فرضِ منصبی ادا کیے جاؤ اور کافروں و مخالفوں سے
غم نہ کرو اور اُن سے کہہ دو کہ میں اس فرض کی انجام دہی پر تم سے کسی
قسم کا معاوضہ نہیں مانگتا۔ ہاں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم میری بات
سنو اور اُسے سوچو سمجھو۔ پھر تم میں سے جو چاہے اپنے پروردگار تک
پہنچنے اور نجات ابدی حاصل کرنے کے لیے راستہ اختیار کرے۔ تو اب اللہ نے
(پھر کوئی معاوضہ نہیں ہے - اس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے۔ یہ بات کہہ کر ایمان
زندہ و پائندہ حی (و قیوم) پر بھروسہ رکھو جس کو (کبھی) موت آنی نہیں اور
اس کی (حمد و) ستائش کے ساتھ تسبیح (و تہلیل) کرتے رہو۔

ہر موقع پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ
نے تاکید کی ہے کہ مجھ پر بھروسہ رکھو، جو کچھ کروں گا میں کروں گا۔ میرے
سوا با اختیار اور کون۔

اپنا کام کیے جاؤ اور مخالفوں کی پروا نہ کرو اور کہہ دو عَلَيْهِ
تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۝ میں تو اللہ پر بھروسہ
رکھتا ہوں۔ (وہ میرا مالک ہے) اور وہی (تمام مخلوقات اور) عرش عظیم
کا مالک ہے عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيْبُ ۝ میں نے اللہ کی
ذات پر بھروسہ کیا ہے اور (ہر بات میں) اس کی طرف رجوع کرتا ہوں
عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ ۝ میں نے اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے
اور اپنے ہر طرف سے توجہ ہٹا کر صرف اس کی طرف رجوع رہتا ہوں۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کو بھی
یہی تعلیم دی گئی تھی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اعلان کیا: يٰقَوْمِ إِنْ كَانَ
كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ

فَأَجْمِعُوٓا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوٓا إِلَيَّ وَلَا تُنظِرُونِ ○ اے میری قوم والو! اگر تم پر میرا یہاں رہنا اور اللہ کی آیات سے حوالے دے کر نصیحت کرنا گراں گذرتا ہے تو (جاؤ) میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہوں۔ تم اپنی تدبیر کو اور اپنے شریکوں کو خوب مضبوط کر لو۔ تمہاری کوئی تدبیر بلی نہ رہ جائے ہر تدبیر مجھ پر آزماؤ اور مجھے مہلت مت دو (میں ذرہ برابر لحاظ مت کرو)

حضرت ہود علیہ السلام نے اعلان کیا: إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوٓا أَنِّي بَرِيٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ۝ مِن دُونِهِ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ○ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ ط میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اللہ کے علاوہ (تمہارے) ان (تمام معبودوں) سے جنہیں تم (اللہ کا) شریک ٹھہراتے ہو (بالکل) بیزار رہوں (اور ہمیشہ بیزار رہوں گا) سو تم میں اور تمہارے شریکوں میں کچھ دم ہے تو تم سب (مل کر) میرے ساتھ برائی کر کے دیکھو اور کوئی رعایت نہ کرو۔ میں نے اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اعلان کیا إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ط وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ ط عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ ○ میں تو جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے، اصلاح چاہتا ہوں اور مجھے (عمل اور اصلاح کی) جو توفیق ہوتی ہے اللہ کی عنایت سے ہوتی ہے۔ میں اسی پر بھروسہ رکھتا ہوں اور (ہر معاملے میں) اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ غرض قرآن مجید میں بہت سے نبیوں کے خود توکل کرنے اور اپنے پیروؤں سے توکل کرانے کا بیان ہے اور اللہ تعالے

نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا۔ (اللہ اس کے کام سنوار دے گا، وہ اس کے (مقاصد پورا کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

لیکن بھروسہ کے یہ معنی نہیں کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر یا بغیر ہاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت کھوئے ہوئے اللہ سے توقعات باندھ بیٹھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اللہ نے ہاتھ پاؤں کام کرنے کے لئے دیئے ہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا آئین فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ کام میں استقلال اور اس کام کے ساتھ لگے رہنے کو پسند کرتا ہے۔ کام میں مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں پڑیں۔ اور مخالفین حائل ہوں تب ہی تو اللہ پہ بھروسہ کرنے کے کچھ معنی ہیں۔[1]

دنیا دارالاسباب اور دارالتدابیر ہے۔ یہاں اسباب اور تدابیر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسباب اور تدابیر سے بے پرواہی اسلام نے قطعی نہیں سکھائی ہے۔

حدیث ہے کہ ایک بدوی اونٹ پر سوار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (مشکلات و مصائب سے) چھٹکارے کی (کوئی نہ کوئی) شکل نکال دیتا ہے اور جہاں سے اس کو خیال بھی نہیں ہوتا وہاں سے (اسے) روزی پہنچاتا ہے۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (اللہ اس کے کام سنوار دیتا ہے) اللہ اس کے (مقاصد پورے کرنے کے لئے بہت) کافی ہے۔ اللہ جب کچھ کرنا چاہتا ہے تو اسے کر کے رہتا ہے (کوئی اس کے ارادے اور مشیت میں دخل اندازی نہیں کر سکتا)، اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

۱۸

نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ۔ جو اللہ پر بھروسہ کرے گا۔ (اللہ اس کے کام سنوار دیتا ہے) وہ اس کے (مقاصد پورا کرنے کے لئے) بہت کافی ہے۔

لیکن بھروسہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر یا پھر ہاتھ پاؤں ہلانے کی طاقت کھو کر بیٹھ رہیں۔ اللہ سے توقعات وابستہ کرکے بیٹھنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اللہ نے ہاتھ پاؤں کام کرنے کے لئے دیے ہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جانا آئین فطرت کے خلاف ہے۔ اللہ کام میں استقلال اور استحکام کے ساتھ لگے رہنے کو پسند کرتا ہے۔ کام میں مشکلات پیش آئیں، رکاوٹیں پڑیں۔ اور مخالفین حائل ہوں تب ہی تو اللہ پر بھروسہ کرنے کے کچھ معنی ہیں۔[1]

دنیا دارالاسباب اور دارالتدابیر ہے۔ یہاں اسباب اور تدابیر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اسباب اور تدابیر سے بے پرواہی اسلام نے قطعی نہیں سکھائی ہے۔

حدیث ہے کہ ایک بدوی اونٹ پر سوار، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[1] وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ۝ جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے (مشکلات، مصائب سے) چھٹکارے کی (کوئی نہ کوئی) شکل نکال دیتا ہے اور جہاں کا انسان کو خیال بھی نہیں ہوتا وہاں سے (اسے) روزی پہنچاتا ہے۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے (اللہ اس کے کام سنوار دیتا ہے) اللہ اس کے مقاصد پورے کرنے کے لئے (بہت) کافی ہے۔ اللہ جب کچھ کرنا چاہتا ہے تو کر کے رہتا ہے (کوئی اس کے ارادے اور مشیت میں دخل اندازی نہیں کر سکتا)۔ اللہ نے ہر چیز کے لئے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آتے ہی اُس نے پوچھا۔ اونٹ کو باندھ دوں یا اللہ پر توکل کر کے یوں ہی کھلا چھوڑ دوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اونٹ کو باندھ کر اللہ پر توکل کرو۔

میں نے اس مضمون میں جدوجہد کرنے اور اسباب و تدابیر سے کام لینے پر زور دیا ہے، لیکن اتنا اور عرض کر دوں کہ جدوجہد اور اسباب و تدابیر کا گھمنڈ جدوجہد نہ کرنے اور اسباب و تدابیر سے کام نہ لینے سے بھی زیادہ بُرا ہے۔

جائز جدوجہد نہ کرنے اور جائز اسباب و تدابیر سے کام نہ لینے کا نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ پھر ناجائز جدوجہد کرنی پڑتی ہے اور ناجائز اسباب و تدابیر سے کام لینا پڑتا ہے مثلاً دوسروں کی کمائی کھانے کے لیے ڈھونگ رچانے پڑتے ہیں۔ بھیک مانگنی پڑتی ہے اور چوری ڈکیتی کرنی پڑتی ہے لیکن جدوجہد اور اسباب و تدابیر کا گھمنڈ عاقبت خراب کر دیتا ہے اور دنیا میں بھی اس کی سزا دیر سویر ضرور مل جاتی ہے۔ سزا پانے والے بیسیوں گھمنڈیوں کو میں جانتا ہوں جدوجہد اس لئے کرنی چاہیئے اور اسباب و تدابیر سے اس لئے کام لینا چاہیئے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ کا قانون ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنا اللہ کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور اللہ کے قانون کو توڑنا ہے۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک آدمی سے پوچھا تم کیا کرتے ہو۔ اُس نے کہا۔ عبادت کرتا رہتا ہوں۔ حضرت عیسیٰؑ نے پوچھا کھاتے پیتے کہاں سے ہو۔ اُس نے کہا۔ میرا بھائی کھلا پلا دیتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ تمہارا بھائی تم سے زیادہ عابد ہے۔

ایک بزرگ کا قول حضرت امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے کہ تاجر ایماندار عابد شب زندہ دار سے افضل ہے۔ تاجر ایماندار ہر وقت جہاد میں لگا رہتا ہے شیطان لین دین اور بھاؤ تول کے پردے میں اُس کا ایمان بگاڑنا چاہتا ہے مگر وہ اُسے مار کر بھگاتا ہے۔

حضرت امام احمد حنبلؒ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کی بابت آپ کا کیا خیال ہے
جو بیٹھ کر عبادت کرتا رہے اور اللہ رزاق کا منتظر رہتا ہے۔ حضرت امام حنبلؒ
نے فرمایا۔ وہ جاہل ہے۔ شریعت سے ناواقف ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ محنت و مشقت کئے بغیر
مت کہا کرو کہ یا اللہ روزی دے۔ اللہ آسمان سے سونا چاندی نہیں برساتا
میری تو تمنا ہے کہ طلب حلال کرتے کرتے مجھے موت آئے۔

ہاں دنیا میں مست ہو جانا بدبختی کی نشانی ہے۔ دنیا پر مرمٹنے والے
سے آخرت پر مرمٹنے والا افضل و فائق ہے۔ اسلام اعتدال کی روش سکھاتا ہے۔
اسلام اللہ کے احکام کے مطابق دنیا سے تعلق رکھنے کو دین قرار دیتا ہے معاش
اس خیال سے حاصل کی جائے کہ معاد کی طرف متوجہ ہونے کے لئے معاش کی
طرف سے اطمینان رہنا ضروری ہے۔

صَبُر

صبر کے معنی ہیں سہارنا، برداشت کرنا، ثابت قدم رہنا اور اپنے آپ کو اضطراب سے روکنا۔ بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکنے کی مجبوری صبر نہیں ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دینی شروع کی تو سارا عرب مخالفت کرنے کھڑا ہو گیا۔ اللہ تعالےٰ کی طرف سے تسکین آئی کہ ہم تمہارے نگہبان ہیں۔ گھبراؤ مت۔ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا۔ تم اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر (و استقلال) سے بیٹھے رہو۔ (اور مخالفوں کی سرکشیوں اور زیادتیوں کا اصلا خوف نہ کرو) کہ تم (ہر آن) ہماری نظروں کے سامنے (رہتے) ہو۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ حِينَ تَقُومُ ۙ وَمِنَ اللَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَإِدْبَارَ النُّجُومِ۔ اور (اپنی توجہ کو اپنے اللہ کی طرف رکھو) جب (پچھلی رات میں) اٹھا کرو (تو) اپنے رب کی حمد (و ستائش) کے ساتھ (اس کی) تسبیح (و تقدیس) بیان کرو[1]

---

[1] یعنی نماز تہجد پڑھا کرو۔

اور رات کے کچھ اوقات میں بھی اس کی تسبیح (و تقدیس) بیان کیا کرو[1] اور تاروں کے غروب ہونے کے بعد بھی[2]۔

صبر کرنا اور اللہ کے آگے گڑگڑانا۔ مصائب دور کرنے کے لیے بس یہی دو نسخے ہیں جو خود اللہ نے تجویز فرمائے ہیں۔ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۔ صبر و صلوٰۃ کے ذریعہ (اللہ کی) مدد طلب کرو۔ اور قدرت کے مشکلات کا طلسم ان ہی دو کنجیوں سے کھلتا ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے ہزار سمجھانے کے باوجود ان کا کہا نہ مانا تو حضرت یونس ؑ مایوس ہو گئے اور قوم کو چھوڑ کر چل دیئے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ ۔ اپنے رب کے فیصلے کا جم کر انتظار کرو اور مچھلی (کے پیٹ میں جانے) والے (یونس) جیسے نہ بنو۔ فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ۔ تم صبر سے کام لو نیک انجام۔ (اللہ سے ڈرنے والوں اور) پرہیزگاروں ہی کا ہے (آخرکار کامیابی اللہ والوں ہی کو ہوتی ہے)۔ فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ ۔ پامردی کے ساتھ وقت کا انتظار کرو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔

حضرت یعقوب ؑ بیٹوں سے سنتے ہیں کہ (حضرت) یوسف ؑ کو بھیڑیے نے کھا لیا تو کہتے ہیں: بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝ (نہیں یوسف کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، تم جھوٹ بولتے ہو) بلکہ (تم نے اس پر کوئی ظلم ڈھایا ہے اور اپنے اوپر سے الزام ہٹانے کے لئے) تم نے اپنے دل سے ایک بات گھڑ لی ہے۔ خیر (اب) صبر بہتر ہے اور تم جو باتیں بنا رہے

---

[1] مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھا کرو [2] نماز فجر پڑھا کرو۔ اس کا مطلب کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ ظہر اور عصر کی نمازیں فرض نہیں ہیں۔

ہیں) اُس پر (اپنے) اللہ (سے مدد چاہتا ہوں۔ وہ میرا) مددگار ہے۔
(وہ تمہارے دامِ فریب سے یوسف کو نجات دلا دے گا۔)

دوسرے بیٹے کے مصر میں پھنس جانے پر بھی حضرت یعقوب علیہ السّلام نے یہی فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ط فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ط عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ط (یہ بات ناممکن ہے۔ بن یامین چوری کے جرم میں ماخوذ نہیں ہوسکتا) تم نے اپنے دل سے بات گھڑلی ہے۔ خیر (پھر صبر کرتا ہوں) صبر ہی بہتر ہے (صبر کرنے سے امید ہے کہ (میرا) اللہ (کبھی نہ کبھی میرے حال پر ضرور رحم کرے گا اور) اُن سب کو میرے پاس لے آئے گا (جن کا مجھے انتظار ہے)

حضرت ایوب علیہ السّلام نے جس رضا و تسلیم کی شان سے جسمانی اور مالی تکلیفیں برداشت کیں۔ اُن کی مدح اللہ تعالےٰ ان الفاظ میں کرتا ہے اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ط نِعْمَ الْعَبْدُ ط اِنَّهٗ اَوَّابٌ ○ بلاشبہ ہم نے ایوب کو صابر پایا۔ وہ کیا ہی اچھا بندہ تھا، ہر وقت اپنے رب کی طرف) رجوع رہنے والا تھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام چھری کے نیچے گردن رکھ کر تیار ہو جاتے ہیں يٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (باپ کا خواب سن کر بیٹے نے کہا) آپ کو جو حکم ہوا ہے اُس پر عمل کیجیے انشاءاللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے جس وقت تبلیغ و دعوت کے لئے فرمایا گیا ہے تو ابتدا ہی میں کہہ دیا تھا: وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ط یعنی اپنے رب کی رضاجوئی) کے واسطے صبر کرنا ـــــــ حالانکہ ابھی مخالفتیں اور تکلیفیں پیش نہیں آئی تھیں اور جب مخالفتیں اور تکلیفیں پیش آئیں تو کہا: فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ

ترجمہ: جس طرح پچھلے، اولوالعزم پیغمبر (مخالفتوں اور تکلیفوں پر) صبر کرتے رہے (اسی طرح)، تم (بھی) صبر کرو، اور مخالفوں کے (درست ہونے اور راہِ راست پر آنے کے لیے جلدی نہ کرو۔

قوتِ صبر حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ سے لو لگائی جائے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ ۚ وَمِنَ الَّيْلِ فَسَبِّحْهُ وَاَدْبَارَ السُّجُوْدِ ○ (اے رسول! مخالف) جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور سورج نکلنے سے پہلے اور اُس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد (وثنا) کے ساتھ تسبیح (و تقدیس) کرتے رہو اور رات میں (بھی تھوڑی دیر) اُس کی تسبیح (و تقدیس) کرو۔ اور (باقی) نمازوں کے بعد (بھی)۔

مخالفوں سے الجھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ خوب صورتی کے ساتھ اُن سے رخصت ہو جانا چاہیے۔ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ○ (مخالف) جو کچھ کہتے ہیں اُس پر صبر کرو اور خیر و خوبی کے ساتھ اُس سے الگ ہو جاؤ۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ○ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ○ اور (اے مسلمانو! تم بھی سن لو)، اگر تم (مباحثہ کے اندر اپنے مقابل پر) غصّہ کرو تو اُتنا ہی کرو جتنا کہ (مقابل کی طرف سے) تم پر کیا گیا ہے اور اگر تم، غصّہ کی بجائے، صبر کر لو تو (بہتر ہے) صبر تو صبر کرنے والوں کے حق میں بہتر (ہی ہوتا) ہے۔ اور (اے ہمارے رسول!) تم تو (جہاں تک ممکن ہے)، صبر کیا کرو، اور (اللہ سے توفیقِ صبر کی دعا مانگا کرو۔ کیوں کہ)

تم (اللہ ہی کی مدد سے صبر کر سکتے ہو۔ دشمن (کی باتوں) پر تم ملال نہ کرو اور یہ جو تمہارے
خلاف طرح طرح کے) مکر (وفریب) کر رہے ہیں ان سے (ہرگز) دل تنگ نہ ہو۔
(جو صبر سے کام لیں گے، فرشتے انہیں مبارکباد دیں گے اور کہیں گے۔)
سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ تم پر (آج) سلامتی
ہے، اس وجہ سے کہ تم (دین حق پر ثابت قدم اور دنیا کے مصائب پر) صابر رہے
تمہارے اعمال دینوی کا بدلہ اچھا ہے۔

مولانا سید سلیمان ندوی رح لکھتے ہیں: ایک خاص نکتہ اس آیت میں
خیال کرنے کے لائق ہے کہ اس آیت میں (اوپر) کئی نیکیوں کا ذکر ہے، صبر، نماز
خیرات، برائی کی جگہ بھلائی۔ مگر فرشتے جس صفت پر مومن کو سلامتی کی دعا دیں
گے وہ صرف صبر کی صفت ہے۔ کیونکہ یہ وہ صفت ہے جو باقی تمام صفتوں کو
آسان کر دیتی ہے اور مصیبتوں کو برداشت کراتی ہے اور برائی کا جواب
بھلائی سے دلواتی ہے۔ وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ
وَلِيٌّ حَمِيمٌ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا
إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ بھلائی اور برائی یکساں (چیزیں) نہیں ہیں، بھلائی
کا اثر کچھ اور ہوتا ہے اور برائی کا اثر کچھ اور) تم برائی کا جواب بھلائی سے
دو جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ یکایک تمہارا قریبی
دوست بن جائے گا۔ یہ (ہمت) انہی کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں
اور یہ نعمت انہی کو ملتی ہے جو بڑی قسمت والے ہیں۔ جو لوگ مسلمانوں کو ستاتے
ہیں اور فساد برپا کرتے ہیں مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ آگے ان ظالموں کو
اور فساد کو ہوا نہ دیں ورنہ ان کا شمار بھی فسادیوں میں ہوگا صاحب عزم مسلمان کو زیب
ہے کہ ظلم برداشت کرے بلکہ ظلم کرنے والے کو معاف کر دے۔ اِنَّمَا السَّبِيلُ
عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ جو بے وجہ اُن نیک لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور خواہ مخواہ ملک میں فساد پھیلاتے ہیں۔ یہی ہیں جن کے لیے دردناک عذاب تیار ہے اور جس نے مصیبت کو صبر کے ساتھ برداشت کر لیا اور ظالم کو معاف کر دیا۔ (تو یقیناً یہ کام) بڑی ہمت (اور عالی حوصلگی) کا کام ہے۔

یہاں تک اس صبر کا بیان تھا جو تمام حالات میں کرنا چاہیے۔ اب زمانۂ جنگ کے صبر کا بیان شروع ہوتا ہے۔ جنگ سر پر آ پڑے تو میدانِ جنگ میں جم کر صبر کرنے کو کہتے ہیں۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَۃً فَاثْبُتُوْا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ وَاصْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ اے مسلمانو! جب تمہارا (کفار کی) کسی جماعت سے مقابلہ آ پڑے تو چند باتوں کا ضرور خیال رکھو۔ اوّل یہ کہ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہو۔ اور دوم یہ کہ اللہ کو زیادہ یاد کیا کرو۔ تاکہ تم (اللہ کی عنایت سے مشکلات پر غالب آ سکو) اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ۔ اور (سوم یہ کہ) اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو (اور اُن کی ہدایات کو نہ بھولو) اور (چہارم یہ کہ) آپس میں جھگڑو نہیں (اور امامِ وقت کے فیصلے کے آگے گردن جھکا دیا کرو) خود سری اور باہمی نا اتفاقی وہ بُری بلائیں ہیں جو تمہاری قوتوں کو منتشر اور شیرازے کو بکھیر دیں گی۔ اگر تم نے اِن باتوں کی پروا نہ کی تو تم کم ہمت اور سُست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔ اور (پنجم یہ کہ) میدانِ جنگ میں کیسی ہی شدید تکلیف اُٹھانی پڑے (اسے) صبر (اور استقلال) سے برداشت کرو۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ وَالصّٰبِرِیْنَ

فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ
صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ٥ جو مفلسی، بیماری اور
حالتِ جنگ میں صابر (و ضابط) رہیں، یہ وہ لوگ (ہیں جنہیں کہنا چاہیے
کہ اسلام کے) صادق ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں کہ (اصلی معنوں میں نیک اور)
پرہیزگار (کہلانے کے مستحق) ہیں۔ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ
عَلَی الْقِتَالِ ط اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ یَغْلِبُوْا
مِائَتَیْنِ ج وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ یَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ
الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ ط اے رسول!
تم مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دلاؤ (اور انہیں آگاہ کردو کہ) اگر تم میں سے
(ثابت قدمی کے ساتھ لڑنے والے اور مصائب و تکلیف پر صبر کرنے والے
بیس بھی ہوں گے تو وہ (اپنے سے دس گنوں، یعنی) دوسو پر غالب رہیں
گے۔ (اس قسم کا موقع آجائے تو مقابل سے خوف نہ کھایا جائے اور میدانِ
جنگ سے بھاگا نہ جائے) اور اگر تم میں سے (اس قسم کے) سو ہوں گے تو وہ
ہزار کفار پر غالب رہیں گے۔ اس لئے کہ کفار (دین و مذہب کو) کچھ نہیں سمجھتے
(اور انہیں غیبی امداد کا علم نہیں ہے)، اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْکُمْ وَ
عَلِمَ اَنَّ فِیْکُمْ ضَعْفًا ط فَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ مِّائَةٌ
صَابِرَةٌ یَّغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ ج وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ اَلْفٌ
یَّغْلِبُوْٓا اَلْفَیْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ٥
(بیس اور دوسو کا مقابلہ تو شاذ ہی ہوگا)، فی الحال اللہ نے تم پر سے (اپنے
حکم کا بوجھ) ہلکا کردیا ہے۔ اس نے جان لیا ہے کہ (تعداد کی کمی کی وجہ سے)
تم میں (ذرا) ضعف ہے (تو خیر) تم میں سے اگر سو صابر (مسلمان) ہوں
تو وہ دوسو (کافروں کا مقابلہ کریں۔ اللہ کے فضل سے وہ دوسو پر
(تو) ضرور غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے (اس قسم کے) ایک ہزار

(مسلمان) ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے دو ہزار (کافروں) پر غالب آئیں گے ، اور (اس کی وجہ یہ ہے کہ حق پرستوں ، ثابت قدموں اور تکالیف پر صبر کرنے والوں کا اللہ ساتھی ہے ۔: وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا ۖ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا ۖ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ۝ ہم نے اُس قوم (بنی اسرائیل) کو جو (فرعون کے مقابلے میں بالکل) کمزور سمجھی جاتی تھی زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا مالک بنا دیا جس میں ہم نے (بڑی) برکت رکھی ہے ۔ (اُس کی سرسبزی و زرخیزی کا کچھ ٹھکانہ نہیں ہے ۔) اور تمہارے رب کا (وہ) وعدۂ خیر (کہ ہم تمہیں ملک شام کا وارث بنا دیں گے) بنی اسرائیل کے حق میں پورا ہوا ۔ اس وجہ سے کہ انھوں نے (فرعون کے مظالم برداشت کرنے میں) صبر سے کام لیا اور فرعون اور اُس کی قوم (کے لوگوں) نے (اپنی شان و شوکت دکھانے کے لئے) جو چیزیں بنائی تھیں اور جو اونچی اونچی عمارتیں تعمیر کی تھیں اُن سب کو مٹا دیا ۔

حقانیت کا یقین محکم اور حقانیت کی خاطر تکلیفوں اور مصیبتوں کو جھیلنا اسی میں قوموں کی ترقی کا راز ہے ۔ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ۝ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ جنت میں (یوں ہی) چلے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے ابھی نہ ان کا امتحان کیا ہے جو جہاد کرنے والے ہیں اور نہ اُن کو جانچا جو (لڑائی میں) ثابت قدم رہتے ہیں ۔

مسرت سے انسان مغرور نہ ہو جائے اور غم انسان کو بد دل اور اداس نہ کر دے ، ان دونوں عیبوں کا تریاق صبر اور ضبط نفس ہے : وَلَئِنْ أَذَقْنَا الْإِنسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنَاهَا مِنْهُ ج إِنَّهُ

لَيَئُوسٌ كَفُورٌ ۝ وَلَئِنْ أَذَقْنَاهُ نَعْمَاءَ بَعْدَ ضَرَّاءَ مَسَّتْهُ
لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّئَاتُ عَنِّي ۚ إِنَّهُ لَفَرِحٌ فَخُورٌ ۝ إِلَّا
الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ لَهُم
مَّغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ كَبِيرٌ ۝ ہم انسان کو اپنی مہربانی (رحمت) کی
لذت چکھا کر پھر (اس سے) واپس لے لیں (اگر چھین لیتے ہیں) تو وہ ناامید اور
ناشکرا ہو جاتا ہے (اور ہر وقت) شکایت کرنے لگتا ہے اور اگر ہم اسے تکلیف
کے بعد جو اس کو پہنچی ہو راحت (یعنی نعمتوں) کا مزا چکھائیں تو (سب) تکلیفوں کو بھی
بھول جاتا ہے اور کہتا پھرتا ہے کہ اب سب مصیبتیں مجھ سے دور ہو گئیں
گویا اب اس پر کبھی کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ بے شبہ انسان بہت
زیادہ خوش ہونے والا اور (بڑا) شیخی خورہ ہے۔ مگر جو لوگ ضبط سے
کام لیتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں (وہ ایسے نہیں ہوتے) مغفرت اور اجر عظیم
ان کے لئے ہے۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے صبر کیا اور نفس کو قابو میں رکھا اور
اچھے کام کرتے رہے۔ راتوں کو نرم بستروں سے اٹھ کر خدا کے آگے سربسجود ہونا۔
صبح کو خواب سحر کی لذت سے کنارہ کش ہو کر دوگانہ ادا کرنا۔ الوان نعمت کی
لذتوں سے محروم ہو کر روزے رکھنا۔ تکلیف و مشقت سہتے ہوئے باوجود
خطرناک موقعوں پر بھی سچائی سے باز نہ آنا۔ قبول حق کی راہ میں شدائد کو
راحت اور آرام جان کر جھیل جانا۔ سود کی دولت سے ہاتھ اٹھا لینا۔
حسن و جمال کی بے قید لذت سے متمتع نہ ہونا۔ غرض شریعت کے احکام کی
بجا آوری اور پھر اس پر عمر بھر استواری۔ صبر کی بہت ہی کٹھن منزل ہے۔
أُولَٰئِكَ يُجْزَوْنَ الْغُرْفَةَ بِمَا صَبَرُوا ان کو بہشت کا جھروکہ
بدلے میں ملے گا۔ اس لئے کہ وہ صبر کرتے رہے۔[1]

---

[1] "راتوں" سے "رہے" تک علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ہیں (واحدی)

وہ ٹھیک کہتے ہیں، ہمارے معمولی کاموں کا جن کا معاوضہ جنت ہے کرتے وقت شاق گزرتا ہے بشرطیکہ ہم دیکھیں تو ہم جن کی منزل جنت ہے اس وقت دنیا میں بڑے پریشان اور زیر عتاب معلوم ہوتے ہیں۔ اس عارضی ناخوشی یا خوشی کی پروا کیے بغیر احکام الٰہی پر عمل کرنا بڑے صبر اور برداشت کی بات ہے۔[1]

مختصر یہ کہ صبر کرنے والوں کو جو انعامات ملیں گے ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُونَ أَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ
صبر کرنے والوں کو ان کی مزدوری بے حساب ملے گی۔

---

[1] یہ عبارت بھی سید صاحب کی ہے (واحدی)

شکر

زبان سے اور دل سے توحید اور رسالت کا اقرار۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج۔ یہ پانچ تو ارکانِ اسلام ہیں اور تقوےٰ۔ اخلاص، توکل۔ صبر اور شکر حاصلِ ارکان۔

ارکان نے ان پانچ اوصاف کو نہیں ابھارا تو کچھ نہیں کیا۔ ارکان کی تعلیم تک انسان زیادہ سے زیادہ بس مولوی جلال الدین رومی ہوتا ہے لیکن تقوےٰ، اخلاص، توکل، صبر اور شکر کے اوصاف اسے مولائے روم بنا دیتے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

مولانا رومی کا بیان ہے:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

ارکانِ اسلام اور تمام جانی و مالی عبادتوں کا اصلی جوہر یہی اوصاف ہیں۔ یا یہ کہنا چاہیے کہ ایمان میں جان ان ہی اوصاف سے آتی ہے۔ دل میں تقوےٰ، اخلاص، توکل۔ صبر اور شکر کی کیفیات نہ ابھریں تو سمجھ لیجیے کہ اقرار توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ابھی بے جان اور

بے روح ہیں۔ دل پر اُن کا اثر نہیں ہے۔ تقوے، اخلاص، توکل، صبر اور شکر کا نام دل کی عبادت رکھا جا سکتا ہے۔

"ہر اچھے کام کرنے اور ہر بُرے کام سے بچنے کے لیئے ضروری ہے کہ ضمیر کا احساس بیدار ہو اور دل خیر و شر کی تمیز کرتا رہے اسی کو تقوے کہتے ہیں۔ ہر اچھے کام کے کرنے اور بُرے کام سے بچنے کو اللہ کی رضا مندی کے سوا ہر غرض و غایت سے پاک کر لیا جائے، اِسے اخلاص کہتے ہیں۔ اور اچھے کام کرنے میں اللہ کی مدد پر بھروسہ کیا جائے، اِسے توکل کہتے ہیں۔ اور اُس کام میں رکاوٹیں پیش آئیں تو اللہ سے آس نہ توڑی جائے اور رکاوٹ ڈالنے والوں کا برا نہ چاہا جائے اِسے صبر کہتے ہیں۔ اور کامیابی کی نعمت ملے تو مغرور ہونے کی بجائے اُسے اللہ کی مہربانی سمجھا جائے اور جسم و جان اور زبان سے اِس کا اظہار کیا جائے اور اچھے کاموں کے کرنے میں مزید انہماک برتا جائے، اِسے شکر کہتے ہیں[1]"

تقوے، اخلاص، توکل اور صبر پر مضامین لکھے جا چکے۔ اب شکر کی بابت عرض کیا جاتا ہے:

شکر کی ضد ہے کفر۔ کفر کے معنی ہیں، دوسرے کے احسان پر پردہ ڈالنا اور شکر کے معنی ہیں احسان کو ماننا، احسان کی قدر کرنا۔ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ○ ہم نے انسان کو راستہ بتادیا (اور ہدایت پہنچادی۔ اب دو ہی باتیں ہیں۔) یا تو وہ ہماری ہدایت کا قدر دان ہو (اور اُس کے مطابق چلے) یا نا قدرا (بنے اور کفر و سرکشی میں مبتلا رہے) لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ○ اگر تم (ہمارا) شکر ادا کروگے تو ہم تمہیں اور زیادہ نعمتیں دیں گے۔ اور اگر تم ناشکری کروگے تو ہمارا عذاب (ناشکروں کے لیئے) بہت

---

[1] "ہر اچھے کام" سے لے کر "اِسے شکر کہتے ہیں" تک علامہ سید سلیمانؒ کے الفاظ ہیں۔ (واحدی)

سخت ہے۔

احسان تین طریقوں سے مانا جاتا ہے:

(۱) دل سے (۲) زبان سے (۳) اعضاء و جوارح سے۔

دل احسان کا احساس کرتا ہے زبان اس کا اقرار کرتی ہے اعضاء و جوارح سے ایسی حرکت عمل میں آتی ہے جس سے احسان مندی اور قدر شناسی ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کا احسان ماننے کے بھی یہی طریقے ہیں کہ اُس کے احسانوں کا احساس اور اقرار کرنے کے بعد اُس کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ اُس کے حکم کے مقابلے میں کسی اور کا حکم نہ مانا جائے۔ صرف اُس کا تابعدار بنا جائے۔

صرف زبان سے اقرار کرتے نہ رہنا چاہیئے۔ احساس کا جو حق ہے وہ احساس ہونا چاہیئے اور تابعداری کا جو حق ہے وہ تابعداری ہونی چاہیئے۔ پھر اُس کی شانِ کریمی کے حوصلے دیکھیئے اور لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ کا مشاہدہ کیجے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ذرا ذرا سے کاموں کی قدر کرتا ہے، اور اُنہیں انعامات سے نوازتا ہے۔ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ۔ وہ اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کا شکر ادا کرتا تھا۔ اللہ نے اُسے چُن لیا اور اُس کو سیدھی راہ دکھا دی۔ اِس سے بڑھ کر قدر کیا ہوگی کہ اللہ کسی کو اپنے کام کے لئے منتخب فرمالے اور اُسے سیدھے راستے پر ڈال دے کَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيمًا۔ اللہ قدر پہچاننے والا اور علم والا ہے۔ شاکر کے معنی قدر پہچاننے کے ہیں۔ انسان اللہ کے احسانوں اور نعمتوں کی قدر پہچانے تو اللہ اس قدر کی قدر کرے گا۔

اللہ انسانوں سے دو باتیں چاہتا ہے (۱) ایمان۔ (۲) شکر۔ ساری عبادتیں شکرگذاری کی مختلف شکلیں ہیں۔ صاحبِ علم کے ذریعے اللہ کے بندوں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ بھی اللہ کی شکرگذاری ہے۔ وہ نعمت علم کا شکر ادا کرتا ہے۔ اور صاحبِ روپے پیسے سے اللہ کے بندوں کی خدمت کرتا ہے یہ بھی اللہ

کی شکرگزاری ہے۔ وہ نعمت و دولت کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو طاقت ور کمزوروں
کے کام آئے۔ اُن کی امداد و اعانت کرے۔ انہیں ظالموں سے بچائے۔ یہ بھی اللہ کی
شکرگزاری ہے۔ طاقت ور طاقت و قوت کی نعمت کا شکر اس طرح ادا کر سکتا ہے۔

زبان سے اللہ کا شکر حمد کی شکل میں ادا کیا جاتا ہے۔ انسان کو اس کا اختیار
سے اختیار دے دیا گیا ہے۔ وہ چاہے تو ہر طرح شکر ادا کرتا ہے اور چاہے
تو مطلق نہ کرے۔ انسان کے سوا اور کوئی مخلوق نہیں ہے جو اللہ کی حمد کی تسبیح
نہ پڑھتی ہو۔ وَإِنْ مِّنْ شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ ۔ انسان
سے مطالبہ ہے۔ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ۔ یہ تو حمد کی تسبیح پڑھو۔
دوسری مخلوقات بغیر کہنے کے اس فرض کو پورا کر رہی ہے۔ لَهُ الْحَمْدُ
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۔ انسان فرض پورا کرے گا تو جزا پائے گا۔
فرض پورا نہیں کرے گا تو سزا پائے گا۔

انسان کو اپنی چیزوں کی طرف توجہ دلاتا ہے جن سے شکرگزاری
کا جذبہ ابھرتا ہے۔ مثلاً: وَاللّٰهُ أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ أُمَّهٰتِكُمْ
لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝ اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹوں سے باہر نکالا
(اس وقت) تم کسی بات کو بھی نہیں جانتے تھے۔ اور اللہ نے تمہیں عقل عطا
فرمائی اور تمہارے سننے، دیکھنے اور سوچنے سمجھنے کے واسطے کان، اور
آنکھیں اور دل بنائے تاکہ تم اپنے خالق اور مالک کی شناخت کرو۔ اور
اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوْجًا

وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ۝ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ
الَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّذَّكَّرَ اَوْ اَرَادَ
شُكُوْرًا ۝ بڑی برکت والا ہے وہ جس نے آسمانوں میں برج بنائے اور
(برجوں کے علاوہ) اس میں (سورج کا چمکتا ہوا) چراغ اور ایک
روشن چاند بنایا۔ اور اسی نے شب و روز کو آگے پیچھے آنے والا بنایا اور
یہ (اس شخص کے لیے ہے) جو اللہ کی قدرت میں غور و فکر کرنا چاہے یا (جو
اللہ کے بے شمار عنایات کا) شکر ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو (اور انہی چیزوں
کو زبردست نشانی قرار دیا — ذٰلِكَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ۝ الَّذِيْٓ اَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَاَ
خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ۝ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ
مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ۝ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ
وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا
مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ یہی (ہے) وہ اللہ جو ہر غائب و حاضر اور مخفی و
ظاہر سے خبردار ہے اور سب پر غالب (اور) مہربان ہے۔ (اور) جس
نے (دنیا کی) ایک ایک چیز کو عمدہ ترین طریقے سے بنایا اور انسان کی آفرینش
کا آغاز مٹی سے کیا (اور) پھر نچڑے ہوئے حقیر پانی سے اس کی اولاد کو پیدا
(اس طرح کہ پانی سے پتلا ہوا) پھر اس (پتلے) کو اس نے متناسب الاعضا
کر دیا اور اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اور (اے اولاد آدم!) تمہارے
(سننے کے) لیے کان اور (دیکھنے کے لیے) آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے کے

لئے [illegible] جیسے نے [illegible] زبان [illegible] کے لئے [illegible]
دا ان نعمتوں کا شکر [illegible] شکر گزار بننا چاہیے [illegible]
[illegible] کرتے [illegible] جیسے کہ [illegible] احسن [illegible]
جس طرح اللہ نے تیرے ساتھ [illegible] کیا ہے تم بھی [illegible] کے
ساتھ بھلائی کرو۔

[illegible] مخلوق [illegible] ہے [illegible]
ہے۔ حقیقت میں مخلوق کا [illegible] ہے۔ اللہ غنی وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ تم محتاج
ہو، اللہ غنی ہے۔ لیکن [illegible] ضرورت مند مخلوق کے پردے میں مخلوق
سے اپنا تعلق وصول [illegible] ہے۔ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا
اللہ کو قرضِ حسنہ دو کہ جواب [illegible] انعام واکرام سے مالا مال کر دیا جانا
ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کہے گا۔ اے آدم کے بیٹے!
میں بیمار پڑا تو تو نے میری عیادت نہیں کی۔ بندہ عرض کرے گا۔ یا الٰہی!
تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ میں تیری عیادت کیسے کرتا۔ اللہ کہے
گا، تجھے معلوم نہیں۔ میرا فلاں بندہ بیمار تھا۔ تو اس کی عیادت کرتا، تو
مجھے اس کے پاس دیکھتا۔ پھر اللہ فرمائے گا۔ اے آدم کے بیٹے! میں نے
تجھ سے کھانا مانگا، تو نے مجھے کھانا کھلایا؟ بندہ عرض کرے گا۔ یا الٰہی
تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ میں تجھے کھانا کیسے کھلاتا۔ اللہ فرمائے گا۔
تجھے معلوم نہیں، میرا فلاں بندہ بھوکا تھا۔ تو اس کو کھلا دیتا تو آج

محسن کا بدلہ پاتا ہے۔

۔ اللہ کے اوصاف میں ایک وصف حمید بھی ہے یعنی حمد سے بے نیاز حمد سے ہے۔ حمد کا ترسا ہوا نہیں: آپ اس کی حمد کرتے ہیں تو اپنی انسانیت اور آدمیت کا ثبوت دیتے ہیں اور اس کی مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک اور برتاؤ کر کے اس کی خوشنودی چاہتے ہیں تو اپنی انسانیت اور آدمیت کا ثبوت دیتے ہیں۔ وہ حمد اور شکر اور تمام چیزوں سے بے نیاز ہے۔ وہ تو ہمیں انسانیت اور آدمیت سکھاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آلِ داؤد سے فرماتا ہے: اِعْمَلُوْا آلَ دَاوُدَ شُكْرًا اے آلِ داؤد! شکر ادا کرنے کے لئے اچھے عمل کرو یعنی صرف زبان سے الحمد للہ اور شکراً للہ کہنا کافی نہیں ہے۔ عمل سے ثابت ہونا چاہیئے کہ دل پر احسانات کا اثر ہے۔ ایک انسان آپ پر احسان کرتا ہے تو آپ پسند نہیں کرتے ہیں کہ احسان کرنے والے کی آپ خدمت کا موقع بھی نہ چھوڑیں۔ وہ آپ سے کچھ کہے اور ہم اسے ٹال دیں۔ اسی طرح اللہ کے احسانات سے متاثر ہو کر اس کے احکام کی تعمیل کے لئے بے چین رہنا چاہیئے۔

انسانوں کا احسان ماننا بھی اللہ کا احسان ماننا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَا يَشْكُرِ اللّٰهَ۔ جو انسان انسانوں کا ممنون نہیں ہوتا وہ اللہ کا ممنون کیا ہوگا۔ انسان شکر کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے تو بھلائی کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔ آیئے ہم اور آپ مل کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا کو

دیں۔ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي
أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا
تَرْضَاهُ وَأَدْخِلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ
اے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسانوں کا جو تو نے مجھ پر اور میرے
والدین پر کیا ہے - کما حقہ شکر ادا کروں، اور ایسے نیک کام کروں جن
سے تو خوش ہو جائے اور مجھے اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں
شامل کرے۔

ہمیں جو نعمتیں حاصل ہیں اُن کی بابت یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ نعمتیں یونہی
سب کو ملتی ہیں - ہمیں مل گئیں تو کیا ہوا۔ ورنہ یہ سمجھنا چاہئے کہ نعمتیں ہمیں تو
خاص تھیں انہیں ہم نے اپنے علم و ہنر اور خاندانی وجاہت کی وجہ سے
حاصل کیا ہے۔ ہم دوسرے انسانوں سے اونچے انسان ہیں - ان نعمتوں کے
اہل اور مستحق - دونوں قسم کے خیال نادانی اور بے عقلی کے خیال ہیں۔
جو نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کے فضل و کرم سے حاصل ہوتی ہے۔ بڑے بڑے علم و ہنر
والے اور خاندانی وجاہت والے دھکے کھاتے پھرتے ہیں جنہیں دیکھئے اور عبرت
پکڑئیے اور ان ناشکروں کو بھی دیکھئے جو کل تک صاحبِ تخت و تاج تھے اور آج ذلیل و خوار
ہیں - وَلَا تَفْرَحُوا بِمَا آتَاكُمْ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ
اللہ نے تمہیں جو نعمت عطا کی ہے اس پر اتراؤ نہیں - اللہ اترانے والے اور
شیخی خورے کو پسند نہیں کرتا۔

اِسلام اور اخلاقِ حسنہ

اللہ جل شانہٗ کے اوصاف کی برابری کوئی نہیں کر سکتا۔ برابری کا خیال لانا بھی شرک ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ لیکن اللہ کے اوصاف کی جھلک انسان پر قطعی پڑ سکتی ہے۔ چنانچہ اخلاقِ حسنہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ (اللہ کی صفات) کا پرتو کہلاتے ہیں حُسْنُ الْخُلُقِ خُلُقُ اللّٰہِ الاعظم۔ خلقِ حسنہ وہی ہے جس میں پیرویِ اخلاقِ اللہ کی جھلک پائی جائے تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ۔ خواہ پیروی کی حیثیت سمندر کے آگے قطرے جیسی ہو بلکہ یہ نسبت غلط ہے۔ قطرہ جیسی بھی نہ ہو۔

اللہ اپنی مخلوق سے جتنا تعلق رکھتا ہے ویسا تعلق دوسروں کے ساتھ رکھنا انسان کے لئے محال ہے۔ ماں باپ کا سا تعلق ماں باپ کے علاوہ کہیں نہیں ملتا، اللہ کا سا تعلق کیا ملے گا۔ لیکن بہرحال دوسروں کے ساتھ اچھا تعلق رکھنے اور اچھا برتاؤ کرنے اور دوسروں کے حقوق سے سُبک دوش

ہونے کا نام اخلاقِ حسنہ ہے۔ اللہ میں تو بعض وصف ایسے ہیں جو انسان میں تو آ ہی نہیں سکتے مثلاً واحد ہونا۔ خالق ہونا اور کبریائی[1] لہذا نسبت کا تصور چھوڑ دیجئے۔ بس اس نسبت سے اخلاقِ حسنہ کی اہمیت کا تصور کیجئے۔

اسلام اخلاقِ حسنہ کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ عادات کی درستی کو ایمان کی نشانی اور عبادت کا معیار ٹھہراتا ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں: اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ میں بھیجا اسی واسطے گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کر دوں۔

جس طرح حضورؐ نے دین کی اور تمام باتوں کی تکمیل کی ہے۔ اسی طرح اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کی ہے۔

حضورؐ اخلاق کے سلسلے میں اپنی ہدایت کی دعا مانگا کرتے تھے۔ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ۔ اے اللہ! بہتر سے بہتر اخلاق کی مجھے ہدایت فرما۔

ایک حدیث ہے: خِيَارُكُمْ اَحْسَنُكُمْ اَخْلَاقاً۔ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں۔

---

[1] کبریائی جیسی صفت کا اکتساب مقابل کی صفت پیدا کرکے کیا جا سکتا ہے مثلاً کبریائی کے مقابلے میں فروتنی اور خاکساری پیدا کی جائے۔

نیز حدیث ہے: مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (قیامت کی) ترازو میں حسن خلق سے زیادہ وزنی چیز کوئی نہیں ہوگی۔

اور قرآن کریم میں ہے: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا جس نے نفس کو تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا۔

حضور ﷺ کے بارے میں ارشاد ہے: إِنَّكَ لَعَلَى خُلُقٍ عَظِيمٍ

آپ ﷺ کی شخصیت بہت بلند ہے اور حضور ﷺ کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کی ہے۔ [illegible] ہے۔ [illegible] اخلاق [illegible] حضور ﷺ کی [illegible] اور [illegible] ہے [illegible] حاصل ہوتا ہے۔

حقوق کے بارے میں [illegible] اولاد، بیوی، رشتہ دار، عزیز و اقارب، پڑوسی، دوست و احباب، مسلم، غیر مسلم، اہل محلہ، اہل وطن، حتیٰ کہ حیوانات، نباتات اور جمادات سب کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی ہے۔ انسان ان کو اگر پابندی سے ادا کرتا رہے اور لوگ کرنے لگیں تو زمین پر جنت اتر آئے۔

ایمان اور عمل والے مضمون میں معاشرت کے حقوق مختصراً آ چکے ہیں۔ اخلاق و معاملات اس سے آگے کی شے ہیں۔ جیسے اخلاق ویسے معاملات۔ مخلوق کے حقوق کی ادائیگی و عدم ادائیگی اخلاق کے تحت ہوتی ہے۔

ایمان لانے کے بعد مسلمان کو دو کام کرنے پڑتے ہیں۔ یا اسلام ان دو کاموں کا مجموعہ ہے۔ ایک حقوق اللہ کی ادائیگی۔ دوسرے حقوق العباد

کی ادائیگی۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ بُرے اعمال تین فردوں میں تیار کئے جاتے ہیں۔ ایک فرد شرک کی ہوگی۔ اس کی معافی نہیں دی جائے گی دوسری فرد دوسرے گناہوں کی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس فرد کی پرواہ نہیں کرے گا۔ جن گناہوں کو چاہے گا بخش دے گا۔ یہ صرف وہ گناہ ہوں گے جن کا تعلق اللہ سے ہے یعنی وہ حقوق ہوں گے جو انسان نے خود اپنے اوپر توڑے ہیں۔ تیسری فرد ان گناہوں کی ہوگی لیکن اس کی ایک ایک بات پکڑی جائے گی یہ وہ گناہ ہیں جو انسان نے دوسرے انسانوں پر کئے ہیں۔

جب انسان اپنے وسیلوں کے ذریعے عہدہ برآ نہیں ہو جاتا اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنے دو حق، زکوٰۃ اور حج چھوڑے رکھتا ہے۔ ان کی فرضیت عاید نہیں کرتا۔ اور نماز کی بابت فرماتا ہے کہ نماز بری حرکتوں سے بچاتی ہے۔ روزے کی بابت ارشاد ہے کہ روزہ تقویٰ سکھاتا ہے اور زکوٰۃ تو سراسر انسانی ہمدردی اور غم خواری کا سبق ہے جو عملی طور پر مختلف طریقوں سے دوسروں کی امداد کا ذریعہ ہے۔ گویا عبادات کے مقاصد میں بھی اخلاقِ حسنہ کی تربیت شامل ہے۔ اگر کسی عابد کا اخلاق صحیح نہیں ہے تو اس کی عبادت بے خوشبو کا پھول اور بے پھل کا درخت ہے۔ حضرت امام غزالیؒ اگلی کتابوں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے۔ میں ہر شخص کی نماز قبول نہیں کرتا۔ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو میری بڑائی کے سامنے سرنگوں ہو اور میرے بندوں پر اپنی بڑائی نہ جتائے

ایک اور روایت میں ہے کہ جس کو اس کی نماز نے بدی سے نہ روکا گویا اس کی نماز نماز نہیں ہے۔ اسی قسم کے الفاظ روزہ کی بابت ہیں کہ جو شخص روزے میں بھی جھوٹ اور فریب سے باز نہیں آتا اللہ کو اُسے محض بھوکا پیاسا رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

مشہور آیت لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ ط میں ارشاد ہے کہ صرف نماز پڑھ لینے ہی کو نیکی نہ جانو (فیاضی، ایفائے عہد اور صبر و ثبات وغیرہ اوصاف بھی نیکی ہیں)

سورۂ فرقان وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ سے وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا تک پڑھ جائیے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ رحم والے اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرم رفتار سے چلتے ہیں (اینٹھتے اور اکڑتے اور زمین کو کچلتے ہوئے نہیں چلتے) اور جب ناسمجھ لوگ اُن سے (ناسمجھی کی) باتیں کرتے ہیں تو وہ (جھگڑا نہیں بڑھاتے) سلام کہتے ہیں (اور رخصت ہو جاتے ہیں۔) .... اور جو خرچ کے وقت نہ فضول خرچی برتتے ہیں اور نہ کنجوسی اختیار کرتے ہیں بلکہ اِن دونوں کے بیچ سے سیدھے نکل جاتے ہیں .... اور جو کسی انسان کا بغیر جرم کے خون نہیں بہاتے (انسان کی جان لے لینا ایسی بڑی بات ہے کہ) جسے اللہ نے (خاص طور سے) منع فرمایا ہے .... اور جو بدکاری کرتے ہیں، کہ جو بدکاری کرے گا وہ گناہ سے پیوستہ ہو جائے گا۔ اور جو مکر اور دھوکے کے کاموں میں شامل نہیں ہوتے اور کہیں لغویات کا مظاہرہ دیکھتے ہیں تو (وہاں سے) سنجیدگی اور وقار کے ساتھ گزر جاتے ہیں

اور جب اللہ کی آیتیں انہیں سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے اور بہرے نہیں بن جاتے۔ اور (جو) دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں ہمارے بیوی بچوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک بخش اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا کر دے۔

سورۂ شوریٰ میں ہے: ..... جو بے حیائی کی حرکتوں سے بچتے ہیں اور جو غصہ کی حالت میں معاف کر دیتے ہیں ..... اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اُس میں سے راہِ مولا میں خرچ کرتے ہیں۔ اور جب اُن پر حملہ ہو تب ہی وہ بدلہ لیتے ہیں۔ اور (یاد رکھو) برائی کا بدلہ برابر کی برائی ہے زیادتی مت کر بیٹھنا) اور جو معاف کر دے اور دشمن کے ساتھ نیکی کرے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔ اللہ ظلم کرنے والوں کو پیار نہیں کرتا۔ (مگر خیر) کوئی مظلوم ہو کر (ظلم کے برابر) بدلہ لے۔ تو اُس پر ملامت نہیں کی جائے گی۔ ملامت اُن پر ہے جو از خود ظلم کرتے ہیں (اور ظلم کرنے میں پہل کرتے ہیں) اور زمین میں خواہ مخواہ فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ انہیں دردناک عذاب ملے گا۔ ہاں جو مظلوم ہونے کے باوجود ظالم کو معاف کر دے اور (ظلم) سہہ لے تو بے شبہ یہ ہمت کا کام ہے۔ (اُس کے اجر کا کیا کہنا)

سورۂ دہر میں ہے: وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا اور وہ کھانے کے خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنا کھانا مسکین، یتیم اور اسیر کو کھلا دیتے ہیں۔

اس قسم کی قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں۔ اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان آیتوں کے مطابق جیسا عمل کیا اور کرایا تھا وہ عمل

کی جیسی تاکید فرمائی ہے اس سے کتب احادیث پر ہیں۔

حضورؐ نے حیا کو اور راستے سے تکلیف دہ چیزیں ہٹا دینے کو ایمان کی شاخ کہا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: جس میں یہ تین چیزیں پیدا ہو جائیں اُسے ایمان کا مزہ آنے لگے گا (۱) حق پر ہونے کے باوجود جھگڑے نہیں (۲) مزاحمت کے باوجود جھوٹ نہ بولے (۳) یقین رکھے کہ جو کچھ پیش آیا ہے وہ سر پر پیش آنا تھا۔ ٹل نہیں سکتا تھا۔

حضورؐ فرماتے ہیں: تین باتیں ایمان کا جزو ہیں۔ (۱) تنگی میں خیرات دینا۔ (۲) دنیا میں امن پھیلانا۔ (۳) اپنے مقابلے میں بھی انصاف سے منہ نہ موڑنا۔

حضورؐ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی اُس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: مومن وہ ہے جس پر لوگ اتنا بھروسہ کریں کہ اپنی جان اور اپنا مال اُس کی امانت میں دے دیں۔

حضورؐ فرماتے ہیں: جو دوسروں سے محبّت نہیں کرتا اور دوسرے اس سے محبّت نہیں کرتے وہ اچھا نہیں ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: مومن طعن و تشنیع، بددعا، گالی اور ہر بدزبانی سے دور رہتا ہے۔

حضورؐ فرماتے ہیں: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے

کوئی شخص اس وقت تک جنت میں نہیں جا سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کے غصے سے محفوظ نہ رہا ہو۔

آپ دیکھتے ہیں، اسلام کا اخلاقی تخیل کتنا اونچا اور کتنا بلند ہے۔ اب تیرہ صدیاں سیدھے منہ بات کرنے کو ہی لوگ خلق سمجھتے ہیں مگر کبھی قومیں کی قومیں اسلام کی اخلاقی تعلیم و تلقین سے متاثر تھیں۔ حکما نے بھی اخلاق کا سبق دیا ہے لیکن سے پڑھ کر کوئی صاحب اخلاق نہ بن سکا۔ انبیا کی تعلیم و تلقین میں یہ خوبی بلاہیت تھی، اس نے لوگوں کو اخلاق کے بڑے بڑے مدارج پر پہنچایا۔ آج دنیا کے کسی حصے میں حسن اخلاق کی تھوڑی بہت کرن نظر آتی ہے تو وہ نبوت ہی کا فیضان ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو کتب احادیث میں محفوظ ہے اور اس طرح محفوظ ہے، جیسے حضور ہمارے سامنے موجود ہیں اور ہمیں اپنے عمل کے ذریعہ اخلاق سکھا رہے ہیں۔ حضور کے سوانح ملاحظہ فرمائیے۔ محدثین نے حضور کے فرمان کہ میرے ہر قول و فعل کو ایک دوسرے تک پہنچاؤ۔ جو مجھے خلوت میں کرتے دیکھو اسے جلوت میں کہہ دو

لہ سیدھے منہ بولنا بھی خوش اخلاقی ہے۔ ترش روئی برتنے کو منع کیا گیا ہے وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ۔ لوگوں سے ترش روئی مت برتو۔ قرآن کا حکم ہے۔ لیکن خوش اخلاقی سیدھے منہ بولنے پر ختم نہیں ہو جاتی خوش اخلاقی بڑی وسیع چیز ہے۔ خوش اخلاقی مکمل اسلام ہے۔

انہوں نے حجرے میں اپنے شتوا آرام کو چھت پر چڑھ کر پکار دیا اور اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ کی پوری پوری تعمیل کی ہے اور بقول مورخ باسورتھ سمتھ حضورؐ کی زندگی کو روزِ روشن کے مانند نمایاں کر دیا ہے۔

ایک شخص نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ حضورؐ کے اخلاق کیا تھے۔ ام المومنین نے فرمایا: كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ جو قرآن میں بہ صورتِ الفاظ ہے، وہ حضورؐ کی سیرت میں بہ صورت عمل تھا۔

حضورؐ نے اہل حاجت کی مدد کے لیے دوسروں ہی سے نہیں کہا، پہلے خود اس فرض کو ادا کیا۔ دشمنوں اور قاتلوں کو معافی دے دی کھانے میں زہر ملانے والوں سے درگزر کی۔ اپنی ذات کا انتقام کبھی نہیں لیا جنہوں نے انتہائی تکلیفیں پہنچائی تھیں، اُن پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔

پیغمبری کے زمانے سے قبل کی زندگی کے متعلق بھی قرآن مجید حضورؐ کی طرف سے چیلنج کر رہا ہے۔ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ۔ (اے منکرو!) میں اب سے قبل تمہارے درمیان عمر گذار چکا ہوں۔ کیا تم (میری گذشتہ زندگی کو جاننے کے باوجود مجھے سچا) نہیں سمجھتے۔

حضورؐ نے آپ بھی قرآنی تعلیمات کا اسوۂ حسنہ بن کر دکھایا، اور اپنے زمانے کے مسلمانوں کو بھی اسی رنگ میں رنگ دیا۔ اُنہیں اللہ کے احکام بھی نہیں سنائے، اُن کو مصفّٰی اور مزکّٰی کر دیا۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ۔ (وہ اُنہیں اللہ کی آیتیں سناتے ہیں اور اُن کا

ترجمہ کرتے ہیں۔ حضورؐ نے وفات کے وقت کم از کم ایک لاکھ انسان چھوڑے تھے جنہوں نے نسل انسانی کی بلندیوں کا جو خواب دیکھا تھا ماضی میں پیش کر دی گئی، اور یہ مستقبل میں پیش کر سکتی۔ پھر یہ جماعت محض تماش بینوں کی جماعت نہیں تھی۔ اس جماعت میں انسانی ترقی کی جملہ قوتیں نشوونما ہوتی تھیں، یہ ایک یونیورسٹی تھی جس میں علم و فن کے جملہ شعبے قائم تھے جہاں ہر ذوق اور ہر شعبہ کے لوگ تربیت پا رہے تھے اور اپنی اپنی استعداد کے مطابق کمال حاصل کرتے تھے۔

علی۔ عائشہ۔ ابن عباس۔ ابن مسعود اور زید بن ثابت فقیہ و محدث کی ڈگری لے کر نکلے۔ خالد۔ ابو عبیدہ۔ سعد بن ابی وقاص، اور عمرو بن العاص سپہ سالار بن کر۔

طلحہ۔ زبیر۔ معاویہ۔ سعد بن معاذ اور سعد بن جبیر نے تدبر سیکھا اور ابو بکر۔ عمر۔ عثمان اور علی نے فرماں روائی کا سبق لیا۔

ابو ذر، سلمان اور ابو درداء کی طبیعت خرقہ پوشی سے مناسبت رکھتی تھی، وہ زہد و تقویٰ کے سانچے میں ڈھل گئے، اہل صفہ کو طلب علم کا شوق تھا۔ وہ علم میں مستغرق ہو گئے۔ کوئی قانون، قضات اور گورنری کا اہل تھا۔ کوئی دن بھر روزے رکھنے اور رات بھر نمازیں پڑھنے کا۔ جیسی جس کی فطرت تھی اور جیسی جس میں صلاحیت تھی اسے حضورؐ کے فیضانِ صحبت نے بیدار کر دیا۔

حضورؐ کے صحابہؓ میں امیر بھی نظر آتے ہیں اور غریب بھی۔ لیکن اعزاز

کی ترازو امیری اور آقائی نہیں ہے بلکہ اللہ کے احکام کا زیادہ پابند ہے وہی زیادہ معزز ہے۔

اسلام کی خصوصیت یہ ہے کہ اسلام جملہ کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کراتا ہے۔ اخلاق برتنے کا مقصود بھی اسلام میں خوشنودی باری تعالیٰ ہے۔ اسی خوشنودی سے مرنے کے بعد جنت ملے گی اور اسی خوشنودی سے موجودہ زندگی جنت بن سکتی ہے۔ اللہ خوش ہوتا ہے تو اس زندگی کو بھی جنت بنادیتا ہے اور اللہ خوش ہوگا تو دوسری زندگی کو یہ جنت بنادے گا۔ بلکہ یوں کہئے کہ اللہ کی خوشنودی ہی جنت ہے۔ اللہ کی خوشنودی اور اللہ کی نعمتیں الگ الگ شے نہیں ہیں۔ اللہ کی خوشنودی چاہنے والا اپنے ذوق اور اپنی پرواز کے مطابق انعامات پائے گا۔

حکمائے قدیم نے اخلاق کی بنا نو بیان کی ہے۔ اگرچہ بنا کے مسئلے میں کچھ وہ اختلاف رکھتے ہیں لیکن اخلاق کی غرض و غایت وہ کچھ بھی نہیں بتاتے۔ اب البتہ جدید حکیم کینٹ کے قلم سے یہ فقرہ نکل گیا ہے کہ بغیر اچھے ارادے کے کسی کام پر اچھائی کو لیبل نہیں لگایا جاسکتا۔ ہمارے امی آقا چودہ سو برس قبل ان معاملات پر یہ فرما گئے ہیں:

انما الاعمال بالنیات۔ انسان کے اعمال اس کی نیت سے جانچے جائیں گے۔ پھر اس کی مزید تصریح ان الفاظ سے کردی: ہر شخص کے واسطے وہی ہے جو اس کے ہاتھ میں ہو جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی خاطر ہے تو اس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے

اور جیسا کہ ہجرت کا مقصد [illegible] سے [illegible] کیا جائے [illegible]
کی پرورش اُن ہی لوگوں کے لئے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] کا حق سب سے بڑا [illegible]
کے والدین کا درجہ ہے۔

اپنے [illegible] خدمت [illegible] کرتا ہوں جن سے
انسان [illegible] شفقت کے [illegible] ہے :
وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَ
فِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ۔ [illegible]
[illegible] (لقمان)

ان ماں باپ کے حق میں [illegible] ارشاد ہے : فَلَا تَقُلْ لَهُمَا
أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝
وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ
قُلْ رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ [illegible]
[illegible] تک [illegible] سے [illegible] کرنا
[illegible] نہیں بلکہ [illegible] اُن سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور
محبت سے اُن کے سامنے [illegible] جھکے رہنا اور
اُن کے لئے دعا کرتے رہنا کہ [illegible] اے رب ان
دونوں پر [illegible] جیسا [illegible] پیار اور
محبت سے مجھ کو [illegible] اُن [illegible]
اُن کے حال پر رحم فرما۔

ماں باپ کے [illegible] رشتہ داروں [illegible]

ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم ہے۔ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے: وَاٰتَى
الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ
وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (اور مال
اللہ کی محبت کی خاطر قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں اور
سائلوں (کی ضروریات) اور (غلاموں کی) گردنوں کے
چھڑانے میں لگاتے ہیں۔

مساکین اور اہلِ حاجت تو پہلے سے تھے، یہاں مسافر اور سائل
کا اضافہ ہوا۔

ایک اور آیت میں ماں - باپ - قرابت دار - یتامیٰ - مساکین -
اور مسافروں کے علاوہ ہمسایوں اور پڑوسیوں - پاس بیٹھنے والوں (یعنی
دوست احباب) اور (لونڈی غلام حتیٰ کہ حیوانات) جو تمہارے قبضے میں
ہوں، سب کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آنے کا ذکر ہے: وَ
الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ
بِالْجَنْبِ .... وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ

لونڈی، غلام کی جگہ اب ماما اور خدمت گار اور ماتحتوں کو سمجھ لیجیے
اور مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ کے آگے ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ
لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ الَّذِيْنَ
يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ
مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط (اللہ (ان) تکبر کرنے اور
اترانے والوں (اور اپنے تئیں) بڑا خیال کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا،
جو خود بخل کرتے ہیں اور (دوسرے) لوگوں کو (بھی) بخل سکھاتے ہیں)

بخل کی ترغیب دیتے ہیں اور جو نعمت اللہ نے انھیں اپنی عنایت سے دی ہے اسے چھپاتے رہتے ہیں۔

مسکینوں۔ یعنی حاجت مندوں اور یتیموں، یعنی جن کا کوئی پرسانِ حال نہ ہو، ان سے سرپرستانہ حسنِ سلوک اور ان کی صرف خبرگیری کافی نہیں ہے۔ بلکہ یتیموں کے متعلق فرمایا: کَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ نہیں، تباہی تم پر اس لئے لازم ہوئی کہ تم یتیموں کی عزت و تکریم نہیں کیا کرتے تھے اور یہ تعلیم ہے: فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ یتیم کو کبھی ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو۔ اُسے کبھی نہ جھڑکو (یتیم کی تو تکریم ہونی چاہئے) اور مسکینوں کے متعلق کہا: وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ۔ اور (خود کیا کھلاتے) دوسروں کو ترغیب نہیں دیتے کہ حاجت مندوں کو کھانا کھلائیں۔ اسے بھی نزولِ تباہی کا سبب بتایا۔ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ اُن کے مال میں حصہ تھا اُس کا جو (مونہہ سے) مانگتا تھا اور اُس کا جو صورتِ سوال تھا (مونہہ سے نہیں مانگتا تھا)

مونہہ سے مانگنے والے کو بھی جھڑکنا ممنوع ہے: وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ سائل کو جھڑکو نہیں۔

ضرورت مندی میں کسی قسم کی قید نہیں لگائی۔ مقیم ہو یا مسافر سب کی ضرورت پوری کرنا مسلمان کا فرض ہے۔ اسلام نے ساری دنیا کے انسانوں کو ایک برادری قرار دیا ہے۔ انسانیت میں سب شریک ہیں جو پیروِ اسلام ہے وہ ضرورت مندی میں صورتِ مسلم غیر مسلم، اپنا بیگانہ کچھ نہ دیکھے گا۔ ہر ضرورت مند کی مدد کرے گا اور مدد احسان

سمجھ کر نہیں کرے گا۔ ضرورت مند کا حق سمجھ کر کرے گا۔ وَفِيٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ ایک موقع پر ہے وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ:

"قرابت دار کا اور ضرورت مند کا اور مسافر کا حق ادا کرو۔"

اللہ تعالیٰ کو پسند ہے کہ لوگ ہاتھ پھیلانے اور کسی کو لینے کے بجائے دینے کے خواہش مند ہوں۔ فرض ہے کہ دینے اور لینے والے کا فرض ہے کہ اگر وہ بھی ضرورت ہے تو اللہ کا شکر کرتے رہے۔ حضرت نے فرمایا۔ وہ دینے والے کا ہاتھ لینے والے سے بہتر اور افضل ہے۔ بالآخر اسلام میں وجہ عزت نہیں ہے تقویٰ وجہ عزت ہے۔ بعض اوقات لینے والا اللہ کے نزدیک دینے والے سے زیادہ معزز ہوتا ہے۔

دینے والا یا کسی کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے والا اپنا مقصد کھو ہرگز۔ نہ شکریے کا طالب ہو۔ کبھی یاد نہ دلائے۔ کبھی احسان نہ جتائے۔ ان باتوں سے نیکی اور بھلائی برباد ہو جاتی ہے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہلی وحی کے بعد دوسری وحی اسی مضمون کی آئی تھی کہ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ "کسی پر اس طرح احسان نہ کرو کہ احسان کرنے کے بعد اس سے زیادہ کے امیدوار رہو۔"

اپنے لئے اور بیوی بچوں کے لئے رزق اور ضروریات کی چیزیں مہیا کرنا مسلمان پر فرض ہے۔ جو ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر بیٹھ رہے اور اولاد تک کی پرواہ نہ کرے۔ انہیں کمانے کو نہ دے۔ یا معلوم نہیں کہ ان کا علاج نہ کرے وہ گویا اولاد کا جان لیوا ہے اور جو اپنی اولاد کی جان لے لیتے ہیں۔ انہیں سخت تباہی سے سابقہ پڑے گا۔ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا

و اولادھم سے ہونی چاہیے۔ دعا سکھائی گئی ہے: رَبَّنَا هَبْ لَنَا
مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ۔ اے ہمارے پروردگار
ہمیں ہماری بیویوں اور ہماری اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک۔
اولادوں کو چاہنا فطری ہے لیکن بیوی بچوں کی محبت میں جائز و ناجائز سے دست بردار
نہ ہونا چاہیے۔ ایسے بیوی بچوں کی بات جن کے لیے ناجائز طریقے
حصول دولت کے اختیار کیے جائیں ارشاد ہے۔ إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ
وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔ تمہاری بعض بیویاں اور
اور تمہارے بعض بچے تمہارے دشمن ہیں (کہ تم ان کی محبت میں اللہ اور
اللہ کے دین سے غافل ہوتے ہو) لہذا ایسے بیوی بچوں کی اس
خرابی سے بچو۔

ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ج وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ج فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ٥ اے مسلمانو! سوائے اس صورت کے کہ تمہاری بیویوں میں کھلی ہوئی بے حیائی آجائے تمہیں (ہر وقت یہ) اجازت نہیں ہے کہ بیویوں کو میراث تصور کرکے زبردستی ان پر قبضہ سا جمالو۔ یا (اگر انہیں نباہ نہیں سکتے تو) اس نیت سے کہ تم نے جو کچھ انہیں دے دیا ہے اس میں سے تھوڑا بہت چھین لو (انہیں اپنے گھروں میں) مت مقید رکھو۔ بیویوں کے ساتھ سلوک سے رہو۔ وہ تمہیں نہ بھائیں تو (بھی کیا مضائقہ ہے۔)

عجب نہیں کہ ایک شے تم کو ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بہت سی بھلائی رکھی ہو۔ لہٰذا احتیاط اور صبر سے کام لو۔ پھر ارشاد فرمایا: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ مرد عورتوں پر حاکم ہیں (مردوں کی بڑی ذمہ داری ہے۔ یعنی عورتوں کی نسبت زیادہ بردبار اور بھاری بھرکم ہونا چاہئے)

مرد گھر میں [illegible]

ہر نوع کی تباہی اور [illegible] اپنی ذات کی فکر کرے اپنی [illegible]: قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔

ارشاد ہے: فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰى۔ اپنے متعلق یہ کبھی مت کہو کہ میرا تزکیہ ہو گیا، اور یہ کہ ہم بڑے [illegible] جو لوگ (واقعی) متقی ہیں انہیں اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

ارشاد ہے: لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ تم ایسی بات زبان سے کیوں نکالتے ہو جسے خود کر کے نہیں دکھاتے۔

ارشاد ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ۔ (کیا تماشہ ہے کہ) تم لوگوں کو نیکی کی تلقین (و تاکید) کرتے رہتے ہو، اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔

ارشاد ہے: اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ۔ معاہدوں کی پابندی کرو۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا۔ (جب عہد کا [illegible] کرو اس کو (ہمیشہ) پورا کرو۔ عہد (شکنی اور وعدہ شکنی) کے متعلق (تم سے) باز پرس کی جائے گی۔

ارشاد ہے: وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْکُمْ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا م وَتَعَاوَنُوْا عَلَى
الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
ان لوگوں کی دشمنی جو (تمہیں) روکتے ہیں، تمہیں مسجد الحرام (میں جانے اور
عبادت کرنے) سے، کہیں تمہیں اس بات پر نہ ابھارے کہ (ان کے
ساتھ) تم زیادتی کرنے لگو، اور نیکی (ایک دوسرے کی) نیکی اور
پرہیزگاری (کے معاملات) میں مدد کیا کرو، گناہ اور ظلم (کے کاموں)
میں (کبھی) ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

جو کام انسانوں کے فائدے کا ہو اور اللہ کے قانون اور منشا کے
خلاف نہ ہو، اس میں غیر مسلم سے بھی تعاون کیا جائے اور جس کام سے
انسانی ترقی کی رفتار سست پڑے، تو وہ اللہ کے قانون اور منشا کے ضرور
خلاف ہوگا، اس میں مسلم سے بھی تعاون نہ کرنا چاہئے۔

ارشاد ہے: وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا
تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى۔ کسی قوم
کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہاتھ سے مت دو (سب کے ساتھ)
انصاف کرو، یہی بات اللہ کے قانون اور منشا سے قریب تر ہے۔
اللہ سے ڈرتے رہو (اللہ کے قانون اور منشا کا برابر خیال رکھو)۔

ارشاد ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ
بِالْقِسْطِ۔ اے ایمان والو! انصاف کو ہر حال میں قائم رکھو۔
کبھی گواہی دینا ہو تو شُهَدَآءَ لِلّٰهِ (اللہ کی طرف سے گواہ)
بن کر دو (خواہ تمہاری) گواہی دینی پڑے تو خواہ خود تمہارے خلاف پڑے

(وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ) یا تمہارے ماں باپ اور قرابت داروں کے
خلاف جائے (اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ) نیز اہل معاملہ میں کوئی
مال دار ہو یا فقیر ہو (پاسداری کسی کی نہ کرو) اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ
فَقِيْرًا۔ اللہ کی پاسداری ان دونوں (یعنی اہل قرابت اور اہل دولت
کی پاسداری) سے افضل ہے (فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا) لہٰذا خواہشات
نفسانی کی پیروی مت کرو کہ (حق سے) منحرف ہو جاؤ (فَلَا تَتَّبِعُوا
الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا۔ اور ارشاد ہے: وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ
تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ اور
اگر تم بھی پیچ پیچ سے کام لوگے یا (سرے سے گواہی دینے ہی سے
گریز کرو گے تو (یاد رکھو) اللہ تمہارے تمام باتوں اور تمہاری تمام حرکات
سے ناواقف نہیں (تمہاری نیت کو جانتا ہے)
وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ط وَمَنْ يَّكْتُمْهَا
فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ط گواہی کو چھپاؤ نہیں جس نے گواہی کو چھپایا
اس کا دل سیاہ ہے۔

ایک نہایت مکروہ عادت کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔ کہ انسان اس
عادت سے بچتے نہیں۔ عادت یہ ہے کہ ادھر کی کوئی بات سنی اور ادھر بغیر
تحقیق کئے اسے پھیلانا شروع کر دیا۔ اور بات کو گھر گھر پہنچا دیا۔ ارشاد
ہے: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ
وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا
جس بات کا تمہیں (ٹھیک ٹھیک) علم نہ ہو (اس کی تحقیق) اس کے پیچھے نہ
پڑا کرو (کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جو ظاہری اور باطنی حواس تم کو عنایت

فرمائے ہیں۔ ان سے کام لیا کرو۔ کیونکہ قیامت کے دن کان، آنکھ اور دل سب سے پوچھا جائے گا (کہ انہوں نے کیوں اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی)۔ کرنا یہ چاہیے کہ اِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ۔ جب کوئی لغویات سنیں اس سے کنارہ کش ہو جائیں۔

پھر ایک اور ہدایت: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ۔ اے مسلمانو! لوگوں کی نسبت بہت زیادہ شک کرنے سے اجتناب کرو۔ بعض شک گناہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی ٹٹول میں بھی نہ رہو۔ اور ایک دوسرے کی پیٹھ پیچھے برائی نہ کہو۔ غیبت کرنا گویا مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا ہے، کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو تمہیں کبھی گوارا نہیں ہوگا۔ لہٰذا غیبت بھی گوارا نہیں ہونی چاہیے۔

اس سے پہلے فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰۤى اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَلَا تَلْمِزُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ اے مسلمانو! مرد مردوں کا تمسخر نہ کریں۔ ممکن ہے (جن کا تمسخر کیا جائے) وہ تمسخر کرنے والوں سے بہتر ہوں اور عورتیں عورتوں کا تمسخر نہ کریں۔ ممکن ہے تمسخر کی جانے والی عورتیں تمسخر کرنے والی عورتوں

سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعنہ مت دو اور ایک دوسرے
کو برے لقب (اور برے نام) سے مت پکارو۔

ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ الْغَافِلَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ لُعِنُوا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ جو لوگ پاک دامن (اور ایسی عورتوں جو برائی سے) بے خبر (اور) با ایمان عورتوں پر بدترین گناہ کی تہمت لگاتے ہیں (وہ بدترین مخلوق ہیں) یہ دنیا اور عقبیٰ (دونوں جہان) میں ملعون ہو گئے اور ان کے واسطے بڑا (سخت) عذاب (تیار) ہے۔

اور ارشاد ہے: وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا إِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْأَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُولًا۔ زمین پر (اتراتے ہوئے اور اکڑتے ہوئے) مت چلا کرو۔ کیونکہ تم نہ تو (زور زور سے قدم مار کر) زمین کو پھاڑ سکتے ہو اور (نہ گردن تان کر کھینچ کر) پہاڑ کی اونچائی کو پہنچ سکتے ہو۔

ارشاد ہے: وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ۔ اپنی رفتار میں میانہ روی رکھو (نہ بالکل گر کر چلو اور نہ اکڑ کر)

ارشاد ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ اے رسول! مسلمان مردوں سے کہہ دو کہ نظریں نیچی رکھا کریں (اور اِدھر اُدھر نہ تکا کریں خصوصاً راہ چلتی عورتوں سے اپنی آنکھوں کو بچائیں)

اور ارشاد ہے: قُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ (اے رسول!) مسلمان عورتوں سے (بھی) کہہ دو کہ وہ بھی

دکھائی دیں، اور محرم مردوں کو نہ دیکھا کریں۔

ارشاد ہے: يَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُورُ
(اللہ) آنکھوں کی خیانت اور سینے میں چھپے ہوئے رازوں سے باخبر ہے۔

ارشاد ہے: وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ بے حیائی کی باتوں کے نزدیک مت جاؤ۔ خواہ وہ بے حیائی کی باتیں علانیہ ہوں یا پوشیدہ۔

ارشاد ہے: إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ۔ جو لوگ اسے پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کی باتوں کی اشاعت ہو وہ دنیا میں بھی دردناک سزا کے مستحق ہیں اور آخرت میں بھی۔

ارشاد ہے: وَهُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (مسلمانوں کی تعریف یہ ہے کہ) وہ (ہر لغو حرکت اور ہر لغویات) سے اعراض (اور نفرت) کرتے ہیں۔

اور ارشاد ہے: وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا۔ (مسلمانوں کی تعریف یہ ہے کہ لغو باتوں اور بے ہودہ کھیل تماشوں میں حصہ نہیں لیتے اور اگر اتفاق سے وہ (ان) لغویات کے پاس سے گزرتے ہیں تو متین اور سنجیدہ بزرگوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

ارشاد ہے: قُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا يُصْلِحْ لَكُمْ أَعْمَالَكُمْ۔ (مسلمانو! ہمیشہ سچی اور پکی) بات کہا کرو (غلط اور گول مول کی بات زبان سے نہ نکالو) تاکہ اللہ تمہارے اعمال کو درست کردے

اور ہمارے اخلاق ۔۔۔ درست فرما دے)

اور ارشاد ہے قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۔ (جن سے بات کرتے ہو) ان سے دستور زبان یعنی معقول (لوگوں) کی زبان ہے۔

اور ارشاد ہے: يَقُوْلُوا الَّتِي هِيَ اَحْسَنُ ۔ (غیر مسلموں کے کسی قول یا فعل سے مشتعل ہو کر بھی کوئی غیر مہذب کلمہ زبان پر نہ آئے دو بلکہ ان سے گفتگو ہو یا مسلمان) وہ بات کہیں جو (اخلاقاً مناسب اور) بہتر ہو۔

اور ارشاد ہے: لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ سچائی میں جھوٹ کی آمیزش نہ کرو اور جان بوجھ کر حق کو نہ چھپاؤ۔

اور ارشاد ہے: وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۔ مکر و فریب کی باتیں کرنے سے پرہیز کرو۔

اور ارشاد ہے: وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۔ (بات کرتے وقت) اپنی آواز نرم (اور نیچی) رکھو۔ (چیخ کر اور چنگھاڑ کر مت بولو) گدھے کی آواز بہت ناپسندیدہ (آواز) ہے

ارشاد ہے: لَا تَاْكُلُوْا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ۔ ایک دوسرے کا مال (چوری کر کے۔ خیانت کر کے۔ دغا بازی کر کے۔ رشوت لے کر۔ جوا کھیل کر۔ فریب دے کر، غرض کسی ناحق طریقے سے) نہ کھاؤ۔

اور ارشاد ہے: فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللّٰهِ الرِّزْقَ ۔ رزق تم اللہ سے مانگو۔ (محنت کرو، سرگرم عمل رہو۔ انسان اسی شے کو پا سکتا ہے

جس کے لئے وہ جدوجہد کرے۔ مگر بغیر جدوجہد کے انسان کو کچھ نہیں ملتا
لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى[1] درحقیقت یہ جانا مانا ہے۔ جیسے
انسان کی ذاتی جدوجہد ہوتی ہے۔ اللہ کے قانون کے مطابق جو جدوجہد کرے گا
تو اللہ اس کو رزق دے گا۔ اللہ کا قانون ہے کہ وَفِیْۤ اَمْوَالِهِمْ
حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۔ مسلمانوں کی دولت میں ہوتا ہے مانگنے والے
اور (معاشی) محروموں کا حصہ ہے۔ یعنی دولت اپنے لئے ہی نہیں رکھنی
چاہئے۔ دوسرے کی ضرورت کو دیکھنا چاہئے۔ قرآن کی یہ ہدایت ہے کہ جس قدر
بھی وہ ضرورت ہو [illegible] دولت کا حق ہے۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا
يُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۔ (اے رسول۔ مسلمان) تم سے پوچھتے ہیں
(اللہ کی راہ میں) کس قدر مال خرچ کیا کریں۔ (آپ) بتا دو کہ جتنا
(تمہاری ذاتی) ضرورتوں سے زائد ہو۔ اور قرآن کی نظر میں [illegible] وَّكُلُوْا
وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۔ کھاؤ پیو لیکن (کھانے پینے اور [illegible]) میں
فضول خرچی نہ کرو۔ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اور مال و دولت
کو فضول (اور بے موقع) مت خرچ کیا کرو۔

ارشاد ہے: وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ
الْمُسْتَقِيْمِ ۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ اور دیکھو
پیمانے سے کم مت دیا کرو۔ جب (کوئی شے) ناپ کر دو۔ اور جب تولو تو
ٹھیک ترازو سے تولو۔ (مصالح تمدن و معاشرت کے لحاظ سے)
یہی (تم سب کے حق میں) بہتر ہے۔ اور نتیجے کے اعتبار سے (بھی)

---

[1] (قیامت کے دن) انسان کو اپنی (ذاتی) سعی اور کوشش ہی کا ثمرہ ملے گا۔

تمہاری نیّت کے لئے بہت اچھا ہے۔ (کم ناپنے اور کم تولنے میں بظاہر نفع معلوم ہوتا ہے، لیکن حقیقتاً نفع نہیں رہتا)

ارشاد ہے: فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُم بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ۔ اگر ایک انسان دوسرے انسان کا اعتبار کرتا ہے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اُسے چاہئے کہ (اعتبار کرنا ہے اسکی) امانت ادا کرے۔

آیتیں کہاں تک نقل کیئے جائیں۔ قرآن مجید ایسی آیتوں سے بھرا ہوا ہے جن جن اخلاق کی قرآن میں اور احادیث میں تلقین کی گئی ہے اُن کی دو الگ الگ فہرستیں علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمائی ہیں۔ مکمل فہرستیں یہ بھی نہیں ہیں۔ کم از کم احادیث کی فہرست نامکمل ہے۔ بہر حال انہیں درج کرتا ہوں۔ ان فہرستوں سے اندازہ کیجے کہ انسانی اخلاق کی اتنی گہرائیوں میں اسلام کے سوا کوئی بھی لے جا سکا ہے۔ کہنے والے کہا کرتے ہیں کہ اچھی باتیں کون سا مذہب نہیں سکھاتا پھر اچھی باتوں کو اسلام کے ساتھ کیوں مخصوص سمجھا جائے۔ بے شک دوسرے مذاہب اچھی باتیں اور سچے اخلاق ہی سکھاتے تھے۔ اسے ماننا تو مسلمان کا فرض ہے۔ لیکن اچھی باتوں اور اچھے اخلاق کو انتہا پر آخری دین اور آخری نبیؐ نے پہنچایا ہے

دونوں جہان تم آئینہ دکھلا کے رہ گئے
لانا پڑا تمھی کو تمھاری مثال میں

(۱) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انسانوں ہی کے ساتھ اخلاق برتنا نہیں سکھایا ... جمادات، نباتات، اور حیوانات کے بھی حقوق قائم کیے ہیں اُن

سے مخلوق کی زندگی اُن کے ساتھ اخلاق برتنا ہے۔ جمادات کا حق یہ ہے کہ انہیں بے موقع ضائع نہ کیا جائے۔ نباتات کا حق یہ ہے کہ اُن سے وہی کام لیا جائے جس کے لئے وہ پیدا ہوئے ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے تمثیلی حکایت بیان کرکے واضح کیا ہے۔ فرمایا: کوئی شخص بیل پر بیٹھا چلا جا رہا تھا۔ بیل نے مونہہ موڑ کر اُس سے کہا: میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں۔ سواری کے لئے نہیں پیدا کیا گیا۔

نباتات کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: پرندے اور مویشی جس درخت کے پھل یا پتے کھاتے ہیں اُس درخت کے لگانے کا ثواب ملتا ہے پھلدار درخت بے سبب کاٹنے کی حضورؐ نے ممانعت کی ہے۔

حیوانات کے متعلق حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالےٰ نے ایک شخص کو محض اس وجہ سے بخش دیا کہ اس نے کتے کی جان بچائی تھی اور ایک شخص کو دوزخ میں ڈال دیا، اس وجہ سے کہ اس نے بلی کی جان لے لی تھی۔

خیر اب فہرستیں پڑھیئے

قرآنی اخلاق کی فہرست:

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کسی خاص قوم یا کسی خاص زمانے کے لئے مخصوص نہیں تھی۔ لہٰذا حضورؐ کو تعلیمات کا جو صحیفہ عنایت ہوا اُسے صرف ایک قوم اور زمانے کی اخلاقی اصلاح تک محدود نہیں رکھا گیا۔ بلکہ تمام قوموں اور زمانوں تک وسیع کر دیا گیا۔ چنانچہ تمام قوموں اور زمانوں میں جو برائیاں پائی جانے والی تھیں اُن کی ممانعت قرآن مجید کے اندر موجود ہے اور اسی طرح جملہ انسانی محاسنِ اخلاق بھی کھول کر

بیان فرمائے ہیں۔ گذشتہ صحیفوں میں جن برائیوں سے روکا گیا تھا، یا جن نیکیوں کی تعلیم دی گئی تھی حضور کی وحیِ مبارک نے ان کے سب گوشے روشن کر دیئے ہیں۔ خیر اب قرآنی اخلاق کی فہرست ملاحظہ کیجئے۔

توکل۔ صبر۔ شکر۔ حق پر استقامت۔ اللہ کی راہ میں جان دینا۔ صدقات اور خیرات۔ بخل اور فضول خرچی دونوں کی ممانعت اور میانہ روی کی ہدایت۔ عفو و درگزر۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں کے ساتھ نیز مسافروں، سائلوں، اور حاجت مندوں کی امداد، ماتحتوں اور غلاموں کے ساتھ سلوک۔ امانت داری اور ایفائے عہد۔ ناپ تول کا پورا کرنا۔ معاہدوں کو ردی کی ٹوکری میں نہ ڈالنا۔ تکبر نہ کرنا۔ حسد سے بچنا۔ نیکی کے کام اور بھلائی کی بات کرنا۔ کسی کو برا بھلا نہ کہنا۔ کسی کا عیب چھپانا اور نہ کسی کو برے نام یا لقب سے یاد کرنا۔ آپس میں محبت بڑھانا۔ والدین کی خدمت اور اطاعت۔ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو اچھائی اور سلامتی کی دعا دینا۔ حق گوئی۔ انصاف پسندی۔ سچی گواہی۔ گواہی کا نہ چھپانا۔ جھوٹی گواہی کی خطرناکی۔ نرمی سے بات کرنا۔ اکڑ کر چلنا منع ہے۔ اتحاد و اتفاق۔ مساوات، بھائی چارہ، انسانی برادری۔ بکل خلاف ورزی خود کرنا۔ تجارت کی تعریف۔ گداگری کی کراہیت۔ لوگوں کو آپس میں لڑانا اور نیکی یا تقویٰ سے باز رکھنا۔ اولاد کشی۔ خودکشی اور کسی کی ناحق جان لینے کی مذمت۔ یتیم کی کفالت اور اس کے مال و جائداد کی حفاظت۔ ناپ تول میں ایمان نہ بگاڑنا۔ فحاشی نہ پھیلانا۔ بے شرمی کی حرکات سے روکنا۔ زنا کی حرمت۔ مردوں اور عورتوں کا ایک دوسرے کو نہ تکنا اور نگاہیں نیچی رکھنا۔ کسی کے گھر میں بے اجازت داخل

نہ رکھا اور نماز کی روح کا خیال بالکل نہ رکھا ۔

قرآن مجید میں سب سے زیادہ نماز کی تعریف کی گئی ہے اور اس کی بجا آوری پر زور دیا گیا ہے ۔ نماز میں سستی اور کاہلی برتنا نفاق کی علامت کہا ہے اور نماز ترک کرنا کفر کی علامت ۔ بتوں کی پوجا جنات کی پوجا اور فرشتوں کی خوشامد سے باز آؤ اور اپنا منہ ہر طرف سے پھیر کر ٹھیک دین توحید کی طرف کر لو ۔ یہی فطرت اللہ ہے جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۔ اور نماز کو قائم رکھو اور مشرکوں کے طریقے میں شامل نہ رہو ۔ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں : "نماز دین کا ستون ہے جس طرح ستون کے گر جانے سے عمارت گر جاتی ہے ۔ اسی طرح نماز کے ترک کرنے سے دل کی دین داری ختم ہو جاتی ہے" حیات سرور کائنات کا حصہ اوّل ملاحظہ کیجئے ۔ طائف کے وفد نے حضورؐ سے گفتگو شروع کی تو کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں ، ہمیں نماز جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیجئے ۔ حضورؐ نے جہاد اور زکوٰۃ سے مستثنیٰ کر دیا ، لیکن نماز کے متعلق فرمایا : "جس دین میں اللہ کے سامنے جھکنا نہ ہو ، اس دین میں کوئی بھلائی نہیں ہے ۔"

ایک حدیث ہے : نماز دل کی روشنی ہے ۔

ایک حدیث ہے : نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات کے آخری

تی منسوخ تھے۔ اُن کے نام "صحیفہ براہیم" کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو صحیفے موجود تھے یعنی توریت، زبور اور انجیل، نزول قرآن کے بعد وہ بھی منسوخ کر دیئے گئے۔ آفتاب کے سامنے چراغوں کی روشنی کی ضرورت نہیں تھی خصوصاً جب کہ چراغوں نے تحریفات کر کے اپنی روشنی کھودی تھی۔ تاہم اس امر کا اقرار لازم ہے کہ یہ چراغ کبھی) چراغ تھے اور اللہ کے چراغ تھے۔

قرآن پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ جس جس بات کا اس میں حکم ہے اور جس جس بات کی اس میں ممانعت ہے اس کی تعمیل کروں گا، ور قرآن کے ہر بیان کو صحیح تسلیم کروں گا۔

آخرت اور جزا و سزا پر ایمان

آخرت اور جزا و سزا پر ایمان یہ ہے کہ مرکر ہمارا قصہ ختم نہیں ہو جائے گا۔ ہم اچھے کام کر کے چلے ہیں تو اچھے کاموں کی ہمیں جزا ملے گی اور برے کام کر کے چلے ہیں تو برے کاموں کی سزا ملے گی اور پھر ہم مستقل زندگی پائیں گے۔

اِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِیَ الْحَیَوَانُ

دار الآخرت (کی زندگی) اصل زندگی ہے ۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۶۵) عنایت کرے اور وہ لوگوں کو سبق دے کہ اللہ کی بجائے میرے بندے بن جاؤ۔ دید اور اوستا میں جو باتیں صحیح ہیں وہ ممکن ہے اللہ ہی کی باتیں ہوں اور جو صحیح نہیں ہیں انہیں ممکن ہے انسانوں نے بدل دیا ہو۔

کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان واپس نہیں ملے گی
بعید شان کریم سے ہے کسی کو کچھ دے کے چھین لینا
(آبرو)

دنیا جس طرح آباد کی گئی ہے، ایک دن اسی طرح اجاڑی جائے گی اور دوسرے عالم میں حشر کے حضور پیش ہونگے۔ ہمارے اعمالنامے ہمیں دکھائے جائیں گے، جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان جن جن سے ہمیں سابقہ پڑتا ہے سب موافق اور مخالف گواہیاں دیں گے حتی کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور جسم، شہادت دیں گے کہ ہم نے اللہ کی مرضی کے مطابق کام کیا تھا یا اللہ کی مرضی کے خلاف کام کیا تھا۔

حیاتِ آخرت اور جزا و سزا کا یقین بڑی اہم چیز ہے، اس کے بغیر صحیفوں، فرشتوں اور رسولوں پر ایمان رکھنے کے کچھ معنی نہیں ہیں بلکہ اللہ پر ایمان رکھنا بھی بے معنی ہے، اگر اللہ کے پاس واپس جانے کا یقین نہیں ہے۔ ایمان اور عملِ صالح کی بنیاد یہی حیاتِ آخرت اور جزا و سزا کا یقین ہے۔

اہلِ شرک کی عقل میں کوئی بات نہیں بیٹھتی تو وہ توحید کے بعد حیاتِ آخرت ہی ہے[1] یہ دو چیزیں سمجھ میں آجائیں تو پھر صحیفوں فرشتوں اور رسولوں کا ماننا دشوار نہ رہے۔

---

[1] بعض اہلِ کتاب کا عقیدہ ہے کہ جزا و سزا زیادہ تر دنیا ہی میں مل جاتی ہے لیکن دنیا میں تو ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ عموماً بے دین ہی بلندی پاتے ہیں اور نیک لوگ تکلیفیں سہتے ہیں۔ پھر دنیا جزا و سزا کی جگہ کیونکر ہوئی۔

الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ اے پروردگار! مجھے اور میری

نسل کو اقامت صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا۔

حضرت اسمٰعیلؑ اپنے اہل و عیال کو نماز کا حکم فرمایا کرتے تھے

وَکَانَ یَاْمُرُ اَھْلَہٗ بِالصَّلٰوۃِ۔

حضرت شعیبؑ کی قوم نے نماز ہی کو طعنہ دیا تھا۔ اَصَلٰوتُکَ

تَاْمُرُکَ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا۔ کیا تمہاری نماز

تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہمارے باپ دادا جسے پوجتے آئے ہیں ہم اسے

چھوڑ دیں۔

حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ میری (یعنی اللہ کی) یاد کے لیے نماز

پڑھو۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ۔

حضرت زکریاؑ کی نسبت فرمایا ہے: وَھُوَ قَآئِمٌ یُّصَلِّیْ

فِی الْمِحْرَابِ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔

حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ ہیں۔ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ۔ اللہ نے

مجھے نماز کا امر کیا ہے۔

غرض نماز نئی چیز نہیں ہے لیکن حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم جب تشریف لائے ہیں تو نماز کی موحدانہ شان مٹ چکی تھی۔

سجدہ جو نماز کی جان ہے قطعی ترک کر دیا گیا تھا۔ سورۂ مریم میں انبیاء

کا نام بنام ذکر کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِھِمْ

خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ وَاتَّبَعُوا الشَّھَوٰتِ۔ ان کے بعد

اُن کی جگہ ایسے لوگوں نے لی جنہوں نے نماز کو برباد کر ڈالا، اور اپنی

خواہشات کی پیروی کی (اپنی من مانی کی۔ نماز کی حقیقت سے واسطہ

[illegible] میں نے ایک بہت [illegible] منظر دیکھا ہے۔ دسترخوان بچھے
بچھایا گیا تھا۔ جو جہاں بیٹھ گیا وہیں اس کا کھانا رکھ دیا گیا۔ مجھے تو یہ
[illegible] کچھ [illegible] سکے گا۔ کس طرح میرا [illegible] تھوڑے سے [illegible] ہے کہ مختلف
منزلوں میں [illegible] کی عبادت ہے [illegible] نشان [illegible] ہے کہ مسجد
[illegible] سیدھی سمت [illegible] سے [illegible] ایک سمت [illegible]
[illegible] ہیں۔ [illegible] خصوصیت [illegible] کے [illegible] کو [illegible]
[illegible] کی [illegible] ہے [illegible] وحدت [illegible] ہے۔
[illegible] کی کیفیت کو [illegible] رہے، خاص طریقے
[illegible] کے بغیر [illegible] نہیں ہو سکتا تھا اور
[illegible] کے نظام قوم نہیں رہ سکتا تھا۔ نماز نے مردہ [illegible] جسموں
[illegible] جسم بنا دیا۔
انسان انسان کی تعظیم کرنی چاہتا ہے تو اسے دیکھ کر کھڑا ہو جاتا
ہے۔ نماز میں قیام وہی تعظیم ہے۔ ہم اللہ کو اپنے روبرو تصور کرتے ہیں،
یا ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ ہمارے روبرو ہے۔ ہم اللہ کی تعظیم
کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی کبریائی اور اس کا جلال ہم پر
چھاتا ہے تو اس کے آگے جھک جاتے ہیں اور بالآخر اپنی عاجزی اور اپنا
تذلل محسوس کر کے اس کے قدموں پر سر رکھ دیتے ہیں۔ کس قدر فطرت
کے مطابق ہیں نماز کی حرکتیں اور کتنا تال میل ہے ان حرکتوں اور ان
دعاؤں میں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ دعاؤں اور حرکتوں سے انسان
عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جاتا ہے۔
روح اور جسم دونوں اللہ کے تخلیق ہیں۔ انسانی زندگی کے

جس طرح افراد مرتے ہیں یا قومیں مرتی ہیں؛ اور کوئی اس حقیقت کا انکار نہیں کرتا[ئلہ] اسی طرح دنیا کی پوری بساط کے الٹنے کا بھی اب سب کو

ئلہ جس طرح قومیں مرا کرتی ہیں اور کوئی باخبر اس حقیقت کا منکر نہیں ہے، بابلی۔ اسیری۔ اکادی اب کہاں ہیں، یونانی اور رومی جو کبھی دنیا کے تنہا مالک تھے کیا وہ یہی آج کل کے یونانی و رومی ہیں۔ نارمن جیسے فاتح کیا ہوئے۔ مجوس جو صدیوں رومیوں سے برسرپیکار رہے؛ ان کی تعداد کتنی باقی ہے۔ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوحٍ وَعَادٍ وَثَمُودَ ۛ وَالَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا اللَّهُ ۚ کیا تمہیں ان لوگوں (کے حالات و واقعات) کی اطلاع نہیں پہنچی جو تم سے قبل (گزر چکے) ہیں (مثلاً) قوم نوح و عاد و ثمود (کی اطلاع (عاد و ثمود ایک زمانے میں عراق و شام و مصر و عرب پر چھائے ہوئے تھے) اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد (گزرے) ہیں۔ ان (کے تفصیلی حالات) کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔

قومیں جب قوانین الٰہی کی جن کا قوموں کی عظمت و بقا سے تعلق ہے خلاف ورزی کرتی ہیں تو مر جاتی ہیں اور نسیاً منسیاً ہو جاتی ہیں۔ دور کیوں جائیے۔ ہندوستان کے قدیم مالکوں (گونڈ بھیل وغیرہ) اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کی اولاد کو دیکھ لیجئے۔ قوموں کا مرنا یہی ہے کہ ان کا حال گونڈوں اور بھیلوں اور تغلقوں اور خلجیوں جیسا ہو جائے تغلقوں اور خلجیوں اور مغلوں کی اولاد کہیں موجود بھی ہے تو اسے کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ تغلق بھی کوس لمن الملک بجاتے تھے یا تغلقوں کی اولاد

(بقیہ نوٹ صفحہ ۱۷۱ پر)

اقرار ہے، حقیقت اہل مذہب میں محدود نہیں رہی ہے۔ اہل سائنس نے بھی مان لیا ہے کہ آفتاب کی گرمی کم ہوتی جاتی ہے، اور ایک دن نظامِ شمسی کا یہ انجن گرمی بالکل کھو دے گا اور نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ نیز ستارے روز بروز کھنچے چلے آتے ہیں اور ایک دن آپس میں ٹکرانے والے ہیں اور ٹکرا کر مٹنے والے ہیں۔ اسلام نے اسی دن کو یَوْمُ الْقِیَامَةِ (مردوں کے کھڑے ہونے کا دن۔ یَوْمٌ مَّعْلُوْمٌ۔ معلوم دن یا مقرر دن۔ اَلْیَوْمُ الْمَوْعُوْدُ۔ موعودہ دن۔ یَوْمٌ عَسِیْرٌ۔ سخت دن۔ یَوْمُ الْاٰزِفَةِ۔ قریبی مصیبت کا دن۔ یَوْمٌ لَّا رَیْبَ فِیْهِ وہ دن جس کے واقع ہونے میں شبہ نہیں ہے وغیرہ وغیرہ کہا ہے اور اس دن کا بہت ہولناک نقشہ کھینچا ہے۔ یَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ

(نوٹ بقیہ صفحہ ۷۰) کے متعلق مشہور ہے کہ اب گھاس کھودتے ہیں، اور دلّی کی شہر پناہ کے باہر اسے بیچ جلتے ہیں۔ شہر میں مارے غیرت کے نہیں گھستے تغلق آباد کے کھنڈرات ہی میں زندگی گزار رہے ہیں۔

جس طرح قوموں کی تاریخ سے بے خبر عوام صرف افراد کا مرنا جانتے ہیں قوموں کا مرنا نہیں جانتے اسی طرح جن کے سامنے پیدائش دنیا کی تاریخ نہیں ہے وہ دنیا کے فنا ہونے کا ذکر حیرت و استعجاب سے سنتے ہیں اور فنا ہونے کے بعد جی اٹھنے پر تو ان کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ ○ قُلْ یُحْیِیْهَا الَّذِیْٓ اَنْشَاَهَآ اَوَّلَ مَرَّةٍ ط کہتا ہے ان گلی سڑی ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا۔ کہہ دو کہ وہی جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا کیسا مختصر اور شگفتہ جواب ہے۔

ہے۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ۔
ایسے لوگ جنھیں تجارتی کاروبار اور خرید و فروخت کے مشاغل اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتے۔

اسلام نے عبادت کی دو قسمیں رکھی ہیں۔ ایک انفرادی تسبیح و تہلیل اور ذکرِ الٰہی، اس کے لئے نہ زمانے کی قید ہے، نہ مکان کی شرط ہے۔ نہ اُٹھنے بیٹھنے کی پابندی ہے۔ یہ عبادت ہر قید و شرط کے بغیر، ہر لحظہ اور ہر صورت میں انجام پا سکتی ہے۔ دوسری قسم عبادت کی وہ ہے، جو ایک شکل و صورت کے ساتھ، خاص اوقات میں ادا کی جائے۔ پہلا طرز عبادت انفرادی ہے۔ اُسے جماعتی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ وہ تنہائی کا راز ہے۔ انہیں تو اس طرح خاموشی سے ادا کرنا چاہئے کہ ریا، اور نمائش کا شائبہ نہ پیدا ہو۔ دوسری قسم کی عبادت جماعتی اور متحدہ طریق کی عبادت ہے۔ اس کو جماعت میں شامل ہو کر ادا کرنا چاہئے۔ پہلی قسم کی عبادت فرض نہیں ہے۔ دوسری قسم کی عبادت فرض ہے اسے ادا نہ کرنے پر عاقبت میں بھی سزا ملے گی اور دنیا میں بھی سزا مل سکتی ہے۔ اُسے جماعت کے ساتھ ادا نہ کیا جائے تو ثواب گھٹ جاتا ہے۔

نماز کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان کعبۃ اللہ کی سمت رُخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ذرا تصور کیجئے۔ نماز کے واسطے کوئی سمت مقرر نہ ہوتی اور مسلمان جس سمت چاہتے رخ کر کے نماز پڑھ لیا کرتے، کسی کا رُخ مغرب کی سمت رہتا، کسی کا مشرق کی سمت اور کوئی شمال کی سمت رُخ کرتا اور کوئی جنوب کی سمت تو کیسا بھونڈا منظر

اسلام کے پورے نظام کی جڑ نماز باجماعت ہے۔ زکوٰۃ اسی نظام کی کڑی ہے۔ ایسی کڑی جسے نماز کے برابر کا درجہ حاصل ہے۔ زکوٰۃ نماز کی طرح رکن اسلام ہے۔ توحید کے بعد پہلا رکن نماز دوسرا رکن زکوٰۃ۔

قرآن مجید میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کی تاکید بالکل جڑواں کی گئی ہے جہاں صلوٰۃ کا ذکر آتا ہے وہیں فوراً زکوٰۃ کا ذکر آجاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ نماز سب کو پڑھنی پڑتی ہے، زکوٰۃ سے مفلوک الحال اور غیر صاحب نصاب مستثنیٰ ہیں۔ یا نماز اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ بندوں کا حق یا تنظیم اسلام کی روحانی بنیاد ہے اور زکوٰۃ مادی بنیاد۔

نماز باجماعت کا مقصد نظام جماعت قائم کرنا ہے اور زکوٰۃ کا مقصد نظام جماعت کے قیام کے واسطے سرمایہ پہنچانا۔

زکوٰۃ دولت کی خاص مقدار پر بہت معمولی فیصد ہے۔ غلط اندازوں کی امداد اور نظارت و بہبود کے کام ہوتے ہیں۔ یہ کوئی دولت نہیں۔ زکوٰۃ ٹیکس ہے مگر آمدنی پر ٹیکس نہیں ہے۔ آمدنی کا ٹیکس یعنی انکم ٹیکس کسی کے پاس آمدنی سے بہت ... رہ جاتا ہے اور کسی کو دھوکا[۵] بازی سکھا دیتا ہے۔ زکوٰۃ بچت کا ٹیکس ہے۔ آپ کی آمدنی ہزار روپے ماہوار ہو۔ لیکن آپ تمام اخراجات کر کے بچانے کی نیت اور کوشش کے باوجود سال کے خاتمہ پر اگر ... روپیہ آپ

---

[۵] ۱۹۴۷ء سے پہلے جب میں دلی میں تھا تو ایک بہت بڑے تاجر کے متعلق سنا کرتا تھا کہ انہوں نے پانچ ہزار روپے ماہوار کا ایک ماہر انکم ٹیکس نوکر رکھ چھوڑا ہے، جو ایسی ترکیبیں بتاتا رہتا ہے کہ انہیں پورا ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔ انکم ٹیکس بچانے کے لئے جعلی حساب دکھانا تو عام بات ہے۔

بلکہ دنیا میں تو بے غیرت افراد اور ڈھیٹ قوموں کو ندامت نہیں بھی ہوتی اور خمیازہ بھگتتے وقت ان کا خیال اپنے قصوروں کی طرف نہیں جاتا لیکن قیامت کے دن یہ بات نہیں رہے گی۔ احساس بے حد بڑھ جائے گا۔

ایمان کی بابت اس مختصر مضمون میں کافی لکھ دیا گیا۔ ویسے تو ایمان پر پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے مگر مجھے ایمان کے صرف اصولوں کی تشریح کرنی تھی۔ اب میں عمل صالح کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

عمل صالح کہتے ہیں اس عمل کو جو اللہ کے احکام اور قوانین کے مطابق خالص اللہ کی خوشنودی کے لئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں کیا جائے۔ جس کے بغیر ایمان تسلیم نما انکار سا رہتا ہے ؎

بہ مصطفےٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج ایسے عمل ہیں جن سے مسلمان پہچانا جاتا ہے اور جن کا پابند بننے سے باقی اچھے اعمال کو کرنے اور برے اعمال کو چھوڑنے کی توفیق ملتی ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج چاروں کا نام کلمہ توحید کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ کلمہ توحید بھی رکن اسلام ہے اور نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج بھی رکن اسلام ہے۔ اوپر آپ پڑھ آئے ہیں کہ اللہ کے ہاں ایمان کے بغیر اچھے سے اچھے عمل کی کوئی قیمت نہیں ہے، اسی طرح نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے بغیر دوسرے "اعمال خیر" جھوجھرے رہتے ہیں۔ دوسرے اعمال صحیح ڈگر پہ پڑتے

جب ہی ہیں جب ارکانِ اسلام کی منزل طے کرلی جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے دوسرے اعمال پر قابو پاتے نہیں دکھائی دیتے وہ اگر نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کے پابند ہیں بھی تو بس رسماً پابند ہیں۔ حقیقتاً پابند نہیں ہیں۔ نماز وہ ہونی چاہیے جس کی صفت اللہ تعالےٰ نے یہ بیان فرمائی ہے إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ نماز فواحش اور ممنوعات سے باز رکھتی ہے۔ علیٰ ہٰذا زکوٰۃ کی ادائیگی میں انکم ٹیکس بچانے کی سی ذہنیت، روزے میں فقط فاقہ اور حج میں سونا وغیرہ چھپا کر لانے کا خیال ہو تو اس کے معنی ارکان کی بجا آوری کے نہیں ہیں، انہیں بدنام کرنے کے ہیں۔

ارکان کے بعد نمبر جہاد کا ہے۔ جہاد ارکان میں شامل نہیں ہے، لیکن ارکان سے مشابہ ہے۔ میں حیاتِ سرورِ کائنات ؐ حصہ سوم میں نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد سب پر الگ الگ مضامین لکھوں گا۔ اس مضمون میں مجھے ان اعمال کی طرف توجہ دلانی ہے جن کا تعلق اللہ کے بندوں سے ہے جنہیں معاملات اور حقوق العباد کہا جاتا ہے، اور جنہیں بندے ہی معاف کر سکتے ہیں۔ اللہ معاف نہیں کرتا۔

حقوق اللہ کی تعمیل اگر ہمارے مسلمان ہونے کی نشانی ہے، تو حقوق العباد وہ اہم شے ہیں جن سے بے پروائی دیکھ کر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بے پرواہ مسلمان سے عموماً فرما دیا کرتے تھے کہ تم نے اپنے تئیں نہیں بدلا تو ہم تمہیں اپنوں میں نہیں شمار کریں گے (او کما قال) ــــ مسلمانوں کے معاملات ہی تھے جنہوں نے کبھی ساری دنیا کو مسلمانوں کا گرویدہ کر دیا تھا، اور جن کی وجہ سے ساری دنیا میں

کا ایک بڑا فائدہ نظام جماعت قائم کرنا ہے۔[له]

له مشہور ہے کہ مساجد میں دنیا کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ دنیا کی باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جو قرآن و سنت کے خلاف ہوں ورنہ [illegible]
اسلام نے دین اور دنیا کی تفریق نہیں رکھی ہے۔ دنیا کا صحیح استعمال ہی دین ہے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانے میں زندگی کے تمام مسائل مسجد کے اندر طے پاتے تھے۔ یہاں تک کہ شوریٰ کی مجلسیں مسجد کے اندر منعقد کی جاتی تھیں۔ [illegible] تھے۔ [illegible] کے وفد اکثر مسجد میں ٹھہرتے تھے۔

جن باتوں کو منع کرنے والوں نے منع کیا ہے وہ صرف مسجد کے اندر نہیں، مسجد کے باہر بھی منع ہیں۔ لہو و لعب اور رنگ رلیوں کی باتیں مسجد میں ہرگز مت کیجئے لیکن مسجدوں کو محض نماز و اعتکاف کے لئے مخصوص بھی نہ سمجھئے اور مسجدوں کو کھوے سے کھوا ملانے کے ساتھ دل سے دل ملانے کے کام میں ضرور لائیے۔ بغیر اس کے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بننا محال ہے۔

مسجدوں میں مکتب اور مدرسے قائم کئے جاسکتے ہیں۔ مسجدوں کے ذریعے بغیر روپیہ خرچ کئے میونسپلٹیوں، اسمبلیوں اور پارلیمنٹ کا الیکشن ہوسکتا ہے۔ مسجدوں سے کام لیجئے۔ مسجدیں دو ڈھائی گھنٹے کے سوا سارے وقت بے مصرف رہتی ہیں۔

زندگی کے مسائل کو نمازوں کا ضمیمہ اور تتمہ بنالیجئے۔ حضورؐ قریباً ہر نماز کے بعد زندگی کے مسائل لے کر بیٹھا کرتے تھے۔ [illegible] رسول اور الیکشنوں کے درمیان کے جملہ مسائل مساجد کے اندر خوب حل ہوسکتے ہیں۔

چاہنا زکوٰۃ کی روح ۔

کا یہ پہلو بہت ہمت کا کام تھا کہ شکستہ حالی اور غربت اور مسکینی ، پریشانی اور پراگندگی کے باوجود کسی بھوکے کو کھانا کھلا دیا جائے۔ اللہ تعالےٰ ان کی تعریف فرماتا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا
وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا ۝ إِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ
لِوَجْهِ اللَّهِ لَا نُرِيدُ مِنكُمْ جَزَاءً وَلَا شُكُورًا ۝

وہ خود بھوکے رہتے ہیں اور محتاج یتیم اور قیدی کو کھانا کھلا دیتے ہیں ۔ اور جب کھانے والے ان کا شکریہ ادا کرتے ہیں تو کہتے ہیں، بجائے ہم نے تو (خالص) اللہ کی رضا جوئی کے واسطے کھانا کھلایا ہے ۔ ہم تم سے شکریے اور بدلے کے طلب گار نہیں ہیں ۔

تاہم فتح مکہ سے قبل زکوٰۃ کی تنظیم کا موقع نہیں آیا تھا۔ رمضان ۸ھ ہجری میں مکہ فتح ہوا اور اسلام سارے ملک عرب پر چھا گیا۔ تب یہ حکم ملا:

خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ
وَتُزَكِّيهِم بِهَا۔

(اے رسول!) ان کے مالوں میں سے زکوٰۃ لو تاکہ اس کے ذریعے تم انہیں (گناہوں اور مال کے میل کچیل سے) پاک کر سکو۔

چنانچہ محرم ۹ھ ہجری میں بیت المال کھلا اور زکوٰۃ کے محصل مقرر کئے گئے اور زکوٰۃ کے قوانین مرتب کر دیے گئے ۔ سورۂ برأت میں جو ۹ھ ہجری میں اُتری تھی زکوٰۃ کے اصولی قوانین و احکام موجود ہیں۔

دوسرا تمہارے ساتھ کھانا بار نہ سمجھے "کھائیے، کھلیئے" کہلوانا بھی اچھی بات نہیں ہے، اور کم خوری کا مظاہرہ کرنے کے لئے عادت سے کم کھانا ریا اور گناہ ہے۔ کم کھانا یا تمیز سے کھانا مجلس کے ساتھ مخصوص نہ رکھا جائے۔ تنہائی میں اس کی عادت ڈالنی چاہیئے۔ کھانے وقت نگاہ نیچی رہے۔ دوسروں کو تکنا بُرا ہے۔ مجلس میں بزرگ ترین شخص کا ہاتھ جب کھانے سے رُکے تو تم بھی ہاتھ روک لو، اس سے پہلے مت روکو۔ کم خور انسان سُست رفتار سے کھلئے تاکہ سب کا ساتھ نباہ سکے۔ لقمہ دانت سے کاٹ کر آدھا کھا لینا اور آدھا تھالی میں ڈال دینا قطعی منع ہے۔ کسی مکروہ اور نفرت انگیز شے کا تذکرہ دسترخوان پر نہ آنا چاہیئے۔ طشت یا سلفچی میں ہاتھ دھوئے جائیں، اور کلّی اس طرح کی جائے کہ لوگ دیکھ نہ سکیں، اول بڑے بوڑھوں اور واجب التعظیم حضرات کو ہاتھ دھو لینے دئے جائیں۔ حاضرین جس سے پہل کرنے کو کہیں وہ انکار و اصرار میں وقت نہ کھوئے، کھانے کے اوقات میں کسی کے ہاں نہیں جانا چاہیئے۔ بن بلائے ایسے شخص کا مہمان بننا جس سے غیر معمولی تعلق نہ ہو فسق ہے۔ دوستوں کو کھلانا بڑی خوبی ہے۔ ماں باپ کے کھلانے کا حساب لیا جائے گا۔ دوستوں کے کھلانے کا حساب نہیں لیا جائے گا۔ کھانا کھلانے والا کھانے والے کا احسان مانے مگر کھانے والا کھلانے والے پر اپنا احسان نہ خیال کرے۔ مہمان میزبان کو انتظار نہ کرائیں وغیرہ وغیرہ

یہ مجلس میں بیٹھ کر کھانا کھانے کے سب نہیں چند آداب ہیں، حیرت ہوتی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہمیں سارے ہی سبق پڑھا دئے ہیں جن آدابِ طعام کی تنہائی اور مجلس دونوں

جگہ پابندی ضروری ہے وہ میں نے قطعی نہیں بیان کئے۔ ان کے بیان کا موقع نہیں ہے۔ اب اصل چیز کی طرف آنا چاہیئے۔

روزی کمانے کے بارے میں اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ روزی اس طرح کماؤ کہ دوسروں کا پیٹ نہ کٹے اور دوسروں کی روزی کا خون نہ ہو، ویسے روزی کمانا بے حد مستحسن فعل ہے۔ ایک دن بعد نماز فجر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم مسجد میں تشریف فرما تھے، کوئی نوجوان سامنے سے گزرا اور کسی دکان میں گھس گیا صحابہ نے کہا، کیسا آدمی ہے، یہاں نہیں آیا حضورؐ کے فیض صحبت سے محروم رہا جا رہا ہے حضور نے فرمایا "خبردار! یہ دکان میں اگر اس نیت سے داخل ہوا ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو لوگوں کی خیرات سے بے نیاز رکھے تو یہ نیکی اور اللہ کے حکم کی تعمیل سمجھو، جو شخص حلال روزی کمائے اور غیر اللہ کا محتاج نہ بنے اور پھر اپنی کمائی ہمسایوں اور رشتہ داروں پر صرف کرے اس کا چہرہ قیامت میں چودھویں رات کی طرح چمکے گا۔ اللہ تعالےٰ مومن کاسب کو پسند کرتا ہے، سچائی اور دیانت داری سے روزی کمانے والے کا حشر صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا، حلال کاموں میں بہترین حلال کام روزی کمانا ہے۔ جو انسان اپنے واسطے ایک دفعہ بھیک کا دروازہ کھول لیتا ہے اس کے واسطے محتاجی کے ستر دروازے کھل جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو اور اپنے متعلقین کو محتاجی سے بچانا اور کسب حلال کرنا بھی جہاد ہے، تجارت کرو۔ دس میں سے نو حصے رزق کا ذریعہ تجارت ہے "خبردار" سے "تجارت ہے" تک ایک حدیث نہیں ہے۔ کئی حدیثوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔

خود اُسے صرف کر دیا کریں گے تو شریعت محمدی کے شناسا ملنے والے نے ان کی بے تجربہ تبلیغوں نہیں کی اور انہیں بزور مجبور کیا کہ زکوٰۃ بیت المال میں داخل کریں۔ تبدیلی کی تجویز مان لی جاتی تو اسلام کی وحدت کا سر رشتہ اسی وقت پارہ پارہ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم ہو جاتا۔

بغرض زکوٰۃ یا دوسرے الفاظ میں فریضہ کی چار دیواری مسکینوں کی دستگیری، مسافروں کی امداد، یتیموں کی سرپرستی، بیواؤں کی نصرت غلاموں اور قیدیوں کی رہائی کا اہتمام بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ کاش زکوٰۃ بیت المال میں جمع ہوا کرے اور ان داروں سے خرچ کی جائے۔

اسلام کا خلاصہ یہی دو لفظ ہیں، صلوٰۃ اور زکوٰۃ۔ اللہ کا حق اور بندوں کا حق۔ جس طرح نماز کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا اسی طرح زکوٰۃ کا آغاز اسلام کے ساتھ ساتھ ہوا۔ شروع میں نماز کی بھی معینہ شکل نہیں تھی جو مدینہ منورہ پہنچ کر اور رفتہ رفتہ بنی۔ اور شروع میں زکوٰۃ کا بھی یہ نظم نہیں تھا جو فتح مکہ کے بعد اختیار کیا گیا لیکن مالی خیرات کی ترغیب اور ادائیگی نماز کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔ سورۃ مدثر شروع زمانے کی سورۃ ہے اُسے پڑھیے۔ ارشاد ہے: وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ۔۔۔۔ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ۔ اپنے پروردگار کو تعظیم سے یاد کرو۔۔۔ اور کسی پر اس طرح احسان مت کرو کہ (ایک وقت تو احسان کرو، اور دوسرے وقت) زیادہ بدلہ چاہو۔

ابتدائے اسلام میں زکوٰۃ کے معنی محض خیرات تھے۔ پروردگار کو یکسوئی اور تعظیم سے یاد کرنا نماز کی روح ہے اور احسان کر کے بدلہ نہ

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا۔

یاد کرو وہ وقت جب ہم نے (اجداد) بنی اسرائیل سے اقرار لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرتے رہنا۔

قرآن مجید میں متعدد آیتیں اور ہیں جن سے ماں باپ کے درجے اور فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ اب تین حدیثیں بھی سن لیجیے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں "تم پر اللہ نے ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے"۔ ایک دفعہ فرمایا "جانتے ہو سب سے بڑے گناہ کیا ہیں۔ ایک اللہ کے ساتھ شرک کرنا۔ دوسرے ماں باپ کی نافرمانی"۔ حضور تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا "تیسرا بڑا گناہ جھوٹی گواہی، ہاں جھوٹی گواہی"۔

بیوی اور والدین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو اسلام والدین کی اطاعت کا مشورہ دیتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہو سے ناخوش رہتے تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو بیوی پسند تھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مشورہ دیا کہ اپنی بیوی کو الگ کر دیں۔

اولاد اور اسلام

ماں باپ کے حقوق دوسرے مذاہب میں بھی بتائے گئے ہیں۔ اسلام نے بس ماں باپ کے بعض حقوق کو بڑھایا ہے اور بعض کو گھٹایا ہے اور بعض کو حذف بھی کیا ہے۔ مثلاً تورات میں تھا کہ جو شخص اپنے ماں باپ پر لعنت بھیجے وہ واجب القتل ہے۔ اسلام اس گناہ کی سزا یہاں نہیں دلواتا۔ مرنے کے بعد اس کی سزا ملے گی جس کا مطلب یہ ہوا کہ توبہ و استغفار سے اس کی تلافی ممکن ہے۔

ماں باپ کے حقوق دوسرے مذاہب بھی عاید کرتے ہیں۔ لیکن اولاد کے حقوق کا دوسرے مذاہب میں پتہ نہیں چلتا۔ یا دوسرے مذاہب کی موجودہ کتابیں اولاد کے حقوق سے خالی ہیں اور اسلام غالباً تنہا مذہب ہے جس نے اولاد کے حقوق کی بنیاد رکھی ہے۔

اسلام سے قبل ماں باپ کو اولاد پر غیر محدود اختیارات حاصل تھے مگر اولاد کا ماں باپ پر کوئی حق تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اسلام نے حقوق کے معاملے میں چھوٹے بڑے اور خورد و بزرگ کی تفریق نہیں کی۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا۔ "جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے" ــــ کیسا جامع ارشاد ہے۔ اس میں ماں باپ اور اولاد کے لیے معیار ہے جیسے کہ کے چھوٹے بڑوں، نوکروں، آقاؤں، ماتحتوں اور افسروں کے پیش نظر بھی ہر وقت یہی ارشاد رہے تو کسی نوع کی ناگواری اور آزردگی پیدا نہ ہونے پائے گی" حکیموں اور فلسفیوں کے بنائے ہوئے تنظیم و انتظام کے سارے مشرح و مفصّل قوانین اور قاعدوں کا دفتر جو کام نہیں کر سکتا وہ نبی اُمّی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ دو مختصر اور سادہ جملے بڑی خوبی سے انجام دے سکتے ہیں اور دے رہے ہیں۔

اولاد کا پہلا حق یہ ہے کہ اسلام حمل نہ ہونے دینے اور حمل ضائع کرنے (عزل اور اسقاط) دونوں کو اچھا نہیں کہتا اور پیدا ہو جانے کے بعد بوجہ ناداری یا خسر بننے کی عار یا تنگ دستی وغیرہ کی وجہ سے جان سے مار ڈالنے کو گناہِ کبیرہ قرار دیتا ہے۔

"رومۃ الکبریٰ کے عظیم الشان متمدن قانون میں اولاد کو مار ڈالنے کا باپ کلیۃً مختار تھا۔ رومۃ الکبریٰ میں اولاد کے قتل کی باقاعدہ ترغیب دی جاتی تھی اور اولاد کشی کا علانیہ کثرت سے رواج تھا۔ ہندوستان کے لوگ بیواؤں کی "ستی" کی صورت میں اور لڑائیوں کے وقت "جوہر" کے نام سے اور دیویوں، دیوتاؤں اور بتوں کی خوشی کی خاطر اولاد کی بھینٹ لیتے رہتے تھے، اور عرب کے مشرک تو لڑکی کی پہلی شادی کو بھی عار جانتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا ان کے نزدیک نہایت شریفانہ فعل

تھا اور فقر و فاقہ کے ڈر سے لڑکیوں کو بھی مار دیتے تھے۔

زندہ دفن کی جانے والی ہر ایک لڑکی سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا بِاَیِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ٥ (اے بے قصور!) تجھے کس قصور کی پاداش میں قتل کیا گیا تھا۔ (سوال حقیقتاً قتل کرنے والوں سے ہوگا۔) فقر و فاقہ کے ڈر سے اولاد کو قتل کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ نے یوں سمجھایا ہے، ہمارا مجوزہ نظام معیشت اختیار کرو ہمارے بنائے ہوئے قوانین پر چلو، فقر و فاقہ باقی نہیں رہے گا۔ فقر و فاقہ کا علاج پیدائش سے قبل یا پیدائش کے بعد اولاد کو مار ڈالنا نہیں ہے۔ رازق تو ہم ہیں وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ اپنی اولاد کو فقر و فاقہ کے ڈر سے مار ڈالا کرو۔ انہیں روزی دینے والے ہم ہیں (اور تمہیں کیا خوف) تمہیں (اور سب کو) ہم روزی دیتے ہیں۔ اولاد کا قتل بے شبہ بڑا گناہ ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ٥ ۔ یقیناً ان لوگوں نے نقصان اٹھایا جنہوں نے جانے بغیر ایسے کام کر رہے ہیں یا برا شخص، حماقت سے اپنی اولاد کو مار ڈالا۔ اللہ کی زمین میں اللہ کی بے شمار نعمتیں ابھی پنہاں ہیں۔ انہیں تلاش کرو اور انہیں انصاف کے ساتھ تقسیم کرو۔

روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! میری ایک بچی تھی۔ میں اسے جب بھی بلاتا تھا وہ دوڑ کر آتی تھی۔ ایک روز میں نے اس سے کہا کہ میرے ساتھ چلو، چنانچہ ہم دونوں ایک کنوئیں کے پاس پہنچے اور

میں نے اُسے کنوئیں میں دھکیل دیا۔ (بابا کی) وہ ابا ابا پکارتی رہی اور میں اس کا ابا ابا کہنا سنتا رہا۔ حضورؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حاضرین میں سے کسی نے ٹوکا کہ تم نے حضورؐ کو غمگین کر دیا موقع تھا تم نے حضورؐ کا جو یہ خواہ مخواہ دل دکھایا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ نہیں انہیں مت ٹوکو۔ جس پر جو بیتی ہے وہ اس کا علاج پوچھنا چاہتا ہے پھر حضورؐ اس کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا۔ اپنا سارا ماجرا پھر اپنا واقعہ دہراؤ۔ اس نے دوبارہ عرض کر دیا۔ حضورؐ کی ریش مبارک روتے روتے آنسوؤں سے بھیگ گئی۔ حضورؐ نے فرمایا جاہلیت کے گناہ اسلام کے بعد معاف ہو چکے۔ تم نئے سرے سے زندگی شروع کرو۔

صحیح مسلم کی حدیث ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: جو شخص دو لڑکیوں کی بھی پرورش کرے یہاں تک کہ سنِ تمیز کو پہنچ جائیں تو میرا اور اُس کا اس طرح ساتھ ہوگا جس طرح یہ دو انگلیاں برابر ہیں (حضورؐ نے دو انگلیاں اونچی کرکے دکھائیں۔)

قتلِ اولاد کے قتل میں عورتیں مردوں سے پیچھے نہیں تھیں۔ اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد حکم نازل ہوا کہ آئندہ جو عورتیں ایمان لائیں ان سے یہ عہد بھی لیا جائے کہ وہ اپنی اولاد کو قتل نہیں کیا کریں گی۔ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ اور مردوں سے تو حضورؐ قبل ہجرت ہی منوا چکے تھے۔ یثرب کے چند حضرات نے جب مکہ آکر بیعت کی ہے جسے بیعتِ عقبہ کہتے ہیں تو بیعت کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اولاد کو قتل نہیں کریں گے۔

اولاد کا دوسرا حق یہ ہے کہ اُس کی نشو و نما کی جائے۔ جب تک اولاد

خود کھانے کمانے کے لائق نہ ہو جائے اُسے کھلانا پلانا اور پہنانا اڑھانا باپ پر واجب ہے۔ کھلانے پلانے اور پہنانے اُڑھانے کی ذمہ داری باپ کی ہے۔ حتیٰ کہ ماں اگر طلاق دے دے اور طلاق دے کر دودھ بچے کو پلاتی رہے تو اُس کا معاوضہ باپ ادا کرے گا۔ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (دودھ پلانے کے زمانے میں اُن (مطلقہ یا بیوہ یا بیوی) کا کھانا اور کپڑا حیثیت کے مطابق بچے کے باپ (یا باپ کے وارث[1]) کے ذمہ ہوگا۔

اولاد کا تیسرا حق یہ ہے کہ اُس کی تعلیم اور تربیت کی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ - اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو (جہنم کی) اُس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں (تنہا اپنا عمل ٹھیک کر لینا کافی نہیں ہے۔ اولاد کو بھی ٹھیک راستے پر ڈالو۔ تمہاری اولاد بھی قرآن و حدیث کے مطابق زندگی گزارے اور ایسے عمل کرے جس سے سارے مسلمان سر بلند ہوں اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سینے سے لگا لیں)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک دفعہ فرمایا باپ کا بچے کو ادب سکھانا ایک صاع صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ ایک دفعہ فرمایا: کوئی باپ اپنے بچے کو اس سے بہتر عطیہ نہیں دے سکتا کہ اُس کو

---

[1] جیسے باپ کا باپ، باپ کا بھائی وغیرہ درجہ بدرجہ جو وارث بھی دودھ پلائے۔

اچھی تعلیم دے۔

لڑکے کو لڑکی پر صرف جنس کے اختلاف کی وجہ سے ترجیح دینے کو حضورؐ پسند نہیں کرتے تھے۔ حدیث ہے کہ جس کے ہاں لڑکی ہو اور وہ اسے جیتا رہنے دے اور اس کی بے توقیری نہ کرے اور اس پر لڑکے کو ترجیح نہ دے تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔

پیار اور محبت بھی بچوں کا حق ہے۔ ایک دفعہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو پیار کر رہے تھے۔ ایک اعرابی نے تعجب کا اظہار کیا اور کہا کہ آپ جیسا باوقار انسان اور اتنا بڑا پیغمبر بچوں کو پیار کرتا ہے۔ میرے دس بچے ہیں۔ میں اُن میں سے کبھی کسی کو پیار نہیں کرتا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر اللہ تعالےٰ نے تیرے دل سے رحم و شفقت کو نکال لیا ہے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

اولاد میں بڑے چھوٹے کا امتیاز بھی اسلام نے مٹا دیا۔ اسلام کے نزدیک ماں باپ سے جو نسبت پہلوٹی کے بچے کو ہے وہی آخری بچے کو ہے۔ ایک دفعہ کسی صحابی نے اپنے لڑکوں میں سے ایک لڑکے کو غلام ہبہ کیا اور چاہا کہ حضورؐ اس بات کے شاہد رہیں۔ چنانچہ حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ بیان کر دیا۔ حضورؐ نے پوچھا۔ کیا تم نے اپنے سب بچوں کو ایک ایک غلام دیا ہے۔ انہوں نے کہا۔ جی نہیں، ایک ہی لڑکے کو دیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: تو میں اس ظالمانہ عطیہ کا گواہ نہیں بنوں گا۔

اس سے اس قانون کا مقابلہ کیجئے جو اب بھی متعدد قوموں میں رائج ہے کہ بڑا بیٹا جائداد کا مالک ہو جاتا ہے اور چھوٹے منہ دیکھتے

ہو جاتے ہیں۔

آج اگر خیال رکھتے ہیں نہ رکھے اسلام میں اولاد کی تربیت حمل قرار پانے کے وقت سے شروع ہو جاتی ہے بلکہ اس سے بھی پہلے جب ماں باپ ملتے ہیں تو ان کو ہدایت ہے کہ انہیں شیطانی خیالات سے بچا کر اپنے آپ کو پاک صاف دل و دماغ کے ساتھ بچے کے دل و دماغ پر اچھا اثر پڑے گا۔ جب یہ حال ہے تو دورانِ حمل میں برے خیالات اور تصورات کو اسلام کیسے گوارا کر سکتا ہے۔

بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اللہ کا نام سنایا جاتا ہے۔ دائیں کان میں نماز کی اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جاتی ہے۔ بچے کو پہلی خوراک کی دیتے ہیں۔ تب کوئی دوا پلاتے ہیں۔

عقیقے کی قربانی اور بالوں کے ہم وزن چاندی کی خیرات سے سمجھانا مقصد ہے کہ جان و مال سب اللہ کے ہیں۔

ختنے میں صفائی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

صفائی اور پاکیزگی کا تصور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اتنا خیال کرتے تھے کہ اپنے بیٹے جناب ابراہیم علیہ السلام کو گود میں لیتے تھے تو جسم دیکھنے لگتے تھے کہ اچھی طرح نہلایا جاتا ہے یا پیشاب کی جگہ پانی بہا دیا جاتا ہے۔

ایک دفعہ زکوٰۃ کی کھجوروں کا ڈھیر سامنے پڑا تھا۔ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے جو تین چار برس کے تھے ایک کھجور اٹھا کر مونہہ میں ڈال لی۔ حضور نے کھجور کھانے نہیں دی اور فرمایا۔ تمہیں معلوم نہیں زکوٰۃ اور صدقہ ہمارے خاندان والے نہیں کھا سکتے۔ ایسی غلطی آیندہ کبھی مت کرنا۔

جناب ابن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ چھوٹے سے تھے۔ کھانا کھانے لگے تو حضورؐ نے فرمایا۔ کھانے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہو اور کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور صرف اپنے آگے سے کھاؤ۔ برتن میں چاروں طرف ہاتھ نہ چلاؤ۔

بچے سیکھنے کے شوقین ہوتے ہیں لیکن تجزیہ نہیں کر سکتے کہ کونسی بات سیکھیں اور کونسی نہ سیکھیں۔ حضورؐ انہیں اچھی باتیں اور تہذیب سکھاتے رہتے تھے کیونکہ بچوں کی تربیت پر متوجہ ہونے کی انہیں نہایت ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت امام حسنؓ سے منقول ہے کہ میری یہ بات بھی تھی کہ حضورؐ نے مجھے سکھایا۔ دَعْ مَا يُرِيبُكَ إِلَىٰ مَا لَا يُرِيبُكَ۔ جس امر میں تردد ہو اسے چھوڑ دو۔ شک والی کو چھوڑو اور شک سے پاک کو اختیار کرو۔

حضورؐ کو دوسرے عربوں پر ایک امتیاز یہ بھی حاصل تھا کہ دوسرے عرب بچوں سے اظہار محبت کو خلاف وقار سمجھتے تھے لیکن حضورؐ انہیں گود میں بٹھاتے تھے۔ انہیں پیار کرتے تھے۔ انہیں بہلاتے تھے۔ حضورؐ سجدہ میں ہوتے اور کوئی بچہ آپ کی پشت مبارک پر چڑھ بیٹھتا تو حضورؐ دیر تک سجدے سے سر نہیں اٹھاتے تھے۔ آخر بچہ خود اتر جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضورؐ نے حضرت حسنؓ کو کندھے پر سوار کر رکھا تھا کسی صحابیؓ نے کہا۔ میاں تم بہترین سواری پر سوار ہو۔ نِعْمَ الْمَرْكَبُ رَكِبْتَ يَا غُلَامُ۔ حضورؐ نے فرمایا سوار بھی تو اچھا ہے۔

نِعْمَ الرَّاكِبُ هُوَ

حضورؐ کا ارشاد ہے: أَكْرِمُوا أَوْلَادَكُمْ بچوں کے ساتھ

عزت کا برتاؤ کیا کرو۔ حضورؐ کی بیٹی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا حاضر خدمت ہوتی تھیں تو حضورؐ اُن کی تعظیم کے لیے کھڑے ہو جاتے تھے اور انہیں اپنی جگہ بٹھا دیتے تھے، اور فرماتے تھے۔ تکیے سے لگ کر بیٹھو۔

میاں بیوی اور اسلام

ماں باپ ایسے ہو سکتے ہیں کہ اولاد کے ہوشیار ہونے سے پہلے مر جائیں اور اولاد پر اُن کے حقوق کی ادائیگی کا بار نہ پڑے۔ علیٰ ہذا اولاد کے لیے بھی ممکن ہے کہ ماں باپ کو حقوق ادا کرنے کا پورا موقع نہ دے اور اللہ کو پیاری ہو جائے۔ پھر بھی ماں باپ، ماں باپ کہلائیں گے، اور اولاد، اولاد کہلائے گی۔

میاں بیوی کی یہ صورت نہیں ہے۔ میاں بیوی جب تک میاں بیوی ہیں، اُن کا ایک دوسرے سے حقوق وصول کرنا یقینی ہے۔ ادائیگی حقوق کی کمی یہ رشتہ برداشت نہیں کر سکتا۔

معاملہ جتنا میاں بیوی کے درمیان پڑتا ہے اُتنا ماں باپ اور اولاد کے درمیان نہیں پڑتا۔ ماں باپ اپنے گھر خوش رہتے ہیں اور اولاد اپنے گھر خوش رہتی ہے لیکن میاں بیوی کا ساتھ مستقل اور مسلسل ہوتا ہے۔

اس رشتے میں خوش گواری اور استواری آجائے تو ایسا محسوس

ہو جاتے تھے کہ اس رشتہ کی بنیاد ماں باپ نے بیٹا بیٹی کی پیدائش اور پرورش محض میاں بیوی کے رشتے کے واسطے کی تھی۔

ماں باپ اور اولاد کے حقوق کی طرح اسلام نے میاں بیوی کے حقوق بھی بتائے اور دونوں کے تعلقات۔

مذہب میں نکاح کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور عورت روحانی ترقی اور اخلاق اور روح کی ترقی مدارج کا مانع سمجھا جاتا تھا۔ ہندوستان میں بدھ، جین، ویدانت اور جوگ کے تمام پیرو اس نظریے کے پابند تھے۔ عیسائی مذہب میں تجرد کو کمال روحانی کا ذریعہ تسلیم کیا گیا تھا۔ اسلام نے آکر اسے باطل قرار دیا اور بتایا کہ اخلاق اور روح کی تکمیل جس قدر تجرد میں ہوسکتی ہے اس سے بدرجہا زیادہ ازدواج میں ممکن ہے۔

اخلاق نام حسن معاملہ اور حسن سلوک کا ہے۔ جو کسی کا شوہر نہ ہو، کسی کی بیوی نہ ہو۔ جو کسی کا باپ نہ ہو۔ جو کسی کی ماں نہ ہو۔ جو کسی کا بھائی نہ ہو اور جو کسی کی بہن نہ ہو۔ غرض جو کسی سے رشتہ ناتا نہ رکھے وہ دنیا کے کن فرائض سے ادا کر سکتا ہے اور اسے اخلاق کی تکمیل کے کہاں سے فطری مواقع مل سکتے ہیں۔ پھر عفت و عصمت کی موت جو اخلاقی قالب کی روح ہے۔ تجرد کی زندگی میں کتنی یقینی ہے۔ مذہبی تجرد کی پوری تاریخ جو دنیا کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ اس دعوے کی شاہد ہے۔

(سید سلیمان ندوی)

اسلام نے ازدواج کو موجب خیر و برکت قرار دیا ہے وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ

اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ط
وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (تم میں سے کنوارے بے عورت کے اور
لونڈی عورت بے مرد کے نہ رہنے پائے۔ جن کا جوڑا نہ ہو سکے اپنے لونڈے
یا لونڈوں سے مردوں اور اپنی لونڈی یا بیوہ عورتوں کا نکاح (کر دیں)
جلدی کیا کرو۔ اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں جو نکاح کے
لائق ہوں ان کا بھی (خیال رکھو) [illegible] انہیں بھی نکاح [illegible]
اگر غریب ہیں (اور انہیں فکر ہے کہ نکاح کے بعد گھر کا خرچ کہاں سے
آئے گا) تو اللہ اپنے فضل سے ان کی حاجت روائی کرے گا۔
اللہ (بڑی) گنجائش والا ہے (اور تمہاری ضرورتوں کے حال سے
واقف ہے (تم اس کے احکام اور قوانین کی تعمیل کرتے رہو)

نکاح سے دو تقدیریں مل جاتی ہیں۔ ایک کی تقدیر میں غربت ہے
تو دوسرے کی تقدیر میں ممکن ہے فارغ البالی ہو۔ اور یہ تجربہ ہے
کہ دنیا میں [illegible] انسان کے ہاتھ پاؤں [illegible] ہیں۔ [illegible] برکت
حرکت میں ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے میں برکت نہیں ہے۔
کسی نیچی قوم کی عورت سے رشتہ مشکل نظر آتا ہے [illegible] مسلم
لڑکی سے رشتہ کرو۔ وہ بھی تمہاری ہم جنس ہے۔ اس کو [illegible]
خیال کر کے اسے ذلیل [illegible] کیا تعجب ہے کہ اس کا ایمان [illegible]
مسلمان کے ایمان سے بڑھ گیا ہو ——— عزت و ذلت کا معیار تقویٰ ہے
اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اور یہ بات کہ
اللہ ہی کو خبر ہے کہ تقویٰ کس کا زیادہ ہے۔ [illegible] طرح
[illegible] اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ

وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِن مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُم مِّن فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِكُم ۚ بَعْضُكُم مِّن بَعْضٍ ۚ

اور تم میں سے جسے اتنی مقدرت نہ ہو کہ (آزاد) مسلمان عورتوں کو نکاح میں لاسکے (اور ان کے اخراجات اٹھا سکے) تو وہ ان لونڈیوں سے نکاح کرے جو تم لوگوں کے قبضے میں ہوں (اور) مسلمان (ہو گئی ہوں) اور اللہ تمہارے ایمان کو بہتر جانتا ہے (بعض دفعہ لونڈیاں ایمان میں حرہ عورتوں سے بڑھی ہوئی ہوتی ہیں اور مسلمان ہو جانے کے بعد تو) تم (سب) آپس میں ایک ہو (سو کسی کے لونڈی غلام ہونے کی پرواہ نہ کرو)

اللہ تعالیٰ نے ازدواج کے تعلق کو اپنی نشانیوں میں سے ایک نشانی فرمایا ہے۔ وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُم مِّنْ أَنفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُم مَّوَدَّةً وَرَحْمَةً ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ۝ اور اس کی نشانیوں میں سے (ایک نشانی) یہ ہے کہ اس نے تمہارے واسطے تمہاری جنس کے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے تسکین (اور راحت) حاصل کرو اور تم میں باہم الفت اور محبت دے دی (تاکہ زندگی مزے سے بسر ہو) لاریب اس میں سوچنے والوں کے لیے (نصیحت و عبرت کی) نشانیاں ہیں۔

عورت اس تسکین کی خاطر بھٹکتی نہ پھرے اور مرد اس تسکین کی خاطر ادھر ادھر جھک نہ مارے۔ صرف نکاح کے ذریعہ تسکین حاصل کی جائے تاکہ نظام عالم میں فتنہ نہ آئے۔ نکاح نہ کرنے سے نظام درہم برہم

ہو جاتا ہے۔ نکاح کے بغیر اولاد پیدا کرنا تفحش ہے اور نکاح کر کے اولاد پیدا کرنا تقدس ہے۔ اسی عظیم اقدس کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ اَتَزَوَّجُ النِّسَآءَ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ۔ میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں اور جس نے میرے طریقے سے روگردانی کی وہ میرا نہیں ہے۔

نکاح کا مقصد عصمت و عفت کی حفاظت اور پاک دامنی ہے
مُحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسَافِحِیْنَ۔ عورت کو بیوی بنا کر رکھو (عورت سے) علانیہ بدکاری اور خفیہ آشنائی مت کرو۔

اللہ تعالٰی میاں بیوی میں موافقت کا طلب گار ہے اور جو میاں بیوی میں تفرقہ ڈلوائیں انہیں آخرت سے محروم کر دیتا ہے۔
فَیَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا یُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَیْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط ..... مَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ قف ط۔ وہ اُن سے ایسی باتیں سیکھتے ہیں جن سے میاں بیوی میں تفرقہ ڈلوائیں ..... اس قسم کے آدمی کا آخرت میں حصہ نہیں ہے۔

میاں اور بیوی، دونوں کے حقوق قریباً یکساں ہیں هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ بیویاں تمہاری پوشاک ہیں (تمہاری پردہ پوش اور تمہاری زینت) اور تم اُن کی پوشاک ہو۔ (اُن کے پردہ پوش اور اُن کی زینت)

میاں کا کام ہے کہ بیوی کی ذرا ذرا سی غلطی کو نہ پکڑے اور نہ اچھالے اور بیوی کا کام ہے کہ میاں کی ذرا ذرا سی غلطی کو نہ پکڑے اور نہ اچھالے اور میاں کو چاہئے کہ بیوی کے محاسن کی تکمیل کرے اور بیوی کو چاہئے

لباسیاں کے محاسن کی تکمیل کرے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ
لَّهُنَّ کے یہی معنی ہیں۔

بیوی پر شوہر کی اطاعت فرض ہے تو شوہر پر بیوی کی دلجوئی لازم ہے۔ اچھے مسلمان کی پہچان حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بتائی ہے کہ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے اچھا ہے۔ ایک صحابی نہایت عبادت گزار تھے حتیٰ کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ ہر وقت رکوع وسجود میں مشغول رہتے تھے۔ حضور نے آپ کا حال سنا تو فرمایا کہ کہا کہ اِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔ بیوی کے حقوق ادا کرنا بھی عبادت ہے۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ عورتوں کا مردوں پر دستور (اسلام) کے مطابق (بالکل) ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کا عورتوں پر ہے۔ مردوں کو عورتوں پر (ایک درجہ) ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ مرد عورتوں کے سرپرست ہیں۔ مردوں کو بتایا اس طرح کیا گیا ہے۔ آپ نے … ثابت … کی ہے کہ مرد عورتوں کے سربراہ ہو سکتے ہیں۔ عورتیں مردوں کی برابری نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ دین مہر، نان و نفقہ، دیہ، پرورش اولاد وغیرہ جملہ مالی ذمہ داریاں اسلام نے مرد کے اوپر ڈالی ہیں۔ عورت گھر کی وزیر ہے اور مرد گھر کا بادشاہ۔ بلکہ گھر میں عورت سب کچھ ہے۔ اسلام نے دونوں کی مشغولیتیں اور ڈیوٹیاں (DUTIES) بانٹ دی ہیں

خانگی انتظام عورت کے سپرد ہے اور بیرونی بار گراں مرد کے کندھوں پر اور مرد کو اللہ کا حکم ہے کہ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا بیویوں کے ساتھ حسن سلوک سے زندگی گزارو تمہیں اگر وہ نہ بھائیں تو (بھی عقل سے کام لو) ممکن ہے تم کو (ان کی کوئی) ایک بات ناپسند ہو مگر اللہ نے اس میں (اور کوئی) بہت (زیادہ) خوبی رکھی ہو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "تم میں ہر شخص اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں ہر شخص سے اس کی بابت باز پرس کی جائے گی۔ مرد اپنی بیوی اور اپنے بچوں کا راعی اور نگہبان ہے اس سے اس کی پرسش ہوگی کہ بیوی بچوں کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اور بیوی شوہر کے گھر کی نگران ہے۔ اس سے اس کی پرسش ہوگی کہ گھر کیونکر چلایا۔"

بیوی تاک جھانک کرنے لگے اور اس کا چال چلن بگڑنے کا امکان نظر آئے تو فوراً طلاق دے دینے کی اجازت نہیں ہے۔ پہلے اُسے سمجھاؤ۔ پھر اس سے بولنا چھوڑ دو اور خواب گاہ میں الگ سوؤ اور نمبر تین اس کو ذرا مارو[لہ] وَاللَّاتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ

لہ حدیث میں مارنے کی تشریح کی گئی ہے۔ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ۔ اُن کو اتنا ہی مارو جس سے تکلیف وہ نہ ہو۔ مسواک سے مارو (لاٹھی سے نہ مارو کہ ہڈی پسلی ٹوٹ جائے۔ مقصود صرف تنبیہ ہے)

وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا۔ تمہیں جن بیویوں کے بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو انہیں (نمبر ایک) سمجھاؤ۔ اور (سمجھانے سے باز نہ آئیں تو نمبر دو) خواب گاہوں میں ان سے علیحدگی رکھو۔ اور (اس کا بھی اثر نہ پڑے تو نمبر تین) انہیں مارو۔ (مارنے کے بعد) اگر وہ تمہاری اطاعت قبول کر لیں تو پھر ان (کو طلاق دینے) کے لئے بہلنے اور راستے نہ تلاش کرو۔

اسلام بدچلنی کا دشمن ہے۔ بدچلنی میں شبہ نہ رہے اور بدچلنی ثابت ہو جائے تو بدچلن مرد اور بدچلن عورت کو سنگسار تک کر دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سزا میاں اپنی بدچلن بیوی کو نہیں دیتا یا بیوی اپنے بدچلن شوہر کو نہیں دیتی۔ اتنی سخت سزا حکومت دے سکتی ہے۔

عام رشتہ دار اور اسلام

ماں باپ اولاد سے اچھا سلوک کیا ہی کرتے ہیں۔ اولاد بھی ماں باپ کے ساتھ عموماً ٹھیک رہتی ہے۔ اور میاں بیوی کا رشتہ تو ایسا ہے کہ ان میں یگانگت نہ ہو تو گھر دوزخ اور زندگی عذاب بن جائے لیکن بھائیوں بھائیوں۔ بہنوں بہنوں اور بھائیوں بہنوں اور دوسرے قریبی اور بعیدی رشتہ داروں کے درمیان سلوک اس قسم کی بات ہے کہ اس پر زیادہ سے زیادہ زور دینے کی ضرورت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ نے ارشاد فرمایا: قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى ۔ (اے رسولؐ! ان لوگوں سے) کہو کہ میں تم سے (دینِ حق کی تعلیم کا) کوئی صلہ (اور معاوضہ) نہیں طلب کرتا، مگر یہ کہ تم اپنے رشتہ داروں سے محبت کرو۔

رشتہ داروں کے درمیان محبت قائم رکھنے کے لئے اس سے زیادہ اصرار کیا کیا جا سکتا ہے کہ رشتہ داروں سے محبت کرنے کو حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی تعلیم و ہدایت کے احسان کا

بدلہ قرار دیا گیا ہے۔

ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا کہ رحم (مادر) رحمٰن (اللہ) سے مشتق ہے جس نے رحم کے رشتوں کو ملایا اُسے اللہ نے اپنے سے ملا لیا اور جس نے رحم کے رشتوں کو کاٹا اُس کو اللہ نے اپنے سے کاٹ پھینکا۔ رشتوں کے خیال رکھنے کا ذکر اللہ نے اپنے ساتھ فرمایا ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ

جس اللہ کے تم ایک دوسرے سے درخواستیں کرتے وقت واسطے دیا کرتے ہو اُس کا خیال بھی تو رکھا کرو اور رشتوں کا بھی خیال رکھا کرو۔

اللہ اُن لوگوں کو فاسق کہتا ہے جو رشتوں کی بیہ فطری گرہیں توڑیں

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفَاسِقِيْنَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ۔ (ترجمہ اور) اس (حیثیت کی مخلوقات کی مثالوں) سے اللہ صرف انہیں گمراہ کرتا ہے جو فاسق ہیں۔ (یعنی جن کے دل میں کھوٹ ہے اور جنہوں نے نیکی کی صلاحیت کھو دی ہے جو اللہ کا حکم نہیں مانتے اور اللہ کے حکم کا اُلٹا اثر لیتے ہیں) اور جو اللہ سے عہد باندھ کر توڑتے ہیں اور اللہ نے جس رشتے کے جوڑنے کی ہدایت فرمائی ہے اُسے کاٹتے ہیں۔

عرفِ محاورے میں اہلِ قرابت کے حقوق کی ادائگی کا نام "صلۂ رحم" ہے اور عدمِ ادائگی کا نام "قطعِ رحم" کیونکہ رحمِ مادر سے تعلقاتِ قرابت کی ابتدا ہوتی ہے۔ باہمی تعلقات اور باہمی اشتراک کی چیزیں اور بھی بہت سی ہیں، مثلاً ہم عمری، ہم مکتبی، ہم سائیگی، ہم وطنی، ہم قومی،

ہم پیشگی، ہم مذاقی وغیرہ، لیکن قرابت جیسی استوار اور مضبوط چیز کوئی نہیں ہے۔ قرابت اور رحم رحمی وہ بندھن ہے جسے اللہ کا دستِ قدرت باندھتا ہے اور جسے انسان توڑ نہیں سکتا اور توڑتا ہے تو قدرت سے لڑتا ہے۔ خلاف فطرت عمل کرتا ہے۔

قرآن مجید میں متعدد جگہ صلۂ رحم کی تاکید کی گئی ہے۔ فَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّهٗ۔ تو رشتہ دار کو اُس کا حق ادا کر۔ فَاٰتِ ذَاالْقُرْبٰی حَقَّهٗ۔ اور قرابت والے کو اُس کا حق ادا کر۔ وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی۔ (اصلی نیکی اُس کی ہے) جس نے (مال و دولت کی محبت اور ذاتی ضرورت کو پسِ پشت ڈالا اور) اللہ کی خوشنودی کے لئے (تکلیف برداشت کر کے) قرابت مندوں کی امداد کی۔ قُلْ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ۔ اے رسول! مسلمان تم سے پوچھتے ہیں کہ ہم اپنے مال میں سے اللہ راہ کتنا خرچ کریں۔ اِن سے) کہو (کہ یہ تمہاری حُب اور توفیق پر منحصر ہے لیکن اتنا سمجھ لو کہ) جو کچھ بھی اللہ راہ خرچ کرو (اُس میں اِس کا دھیان رکھنا کہ) وہ (نمبر ایک) ماں باپ کے لئے ہے اور (نمبر دو) رشتہ داروں کے لئے۔ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّذِی الْقُرْبٰی (اور بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ اللہ کی پرستش اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنا۔ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی۔ بے شک اللہ انصاف اور حسنِ سلوک کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو (مالی مدد) دینے کا (بھی)۔ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ

وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى ....
وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ط اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ
اللّٰهُ لَكُمْ ط اور (اے مسلمانو! رشتہ دار تمہیں کوئی اذیت
پہنچائیں تو بھی) جو تم میں صاحبِ فضل اور صاحبِ کشائش ہیں
وہ رشتہ داروں کی امداد روکنے کی قسم نہ کھائیں۔..... ....
(بلکہ صبر و تحمل سے کام لیں اور ان کی خطا) معاف کر دیں اور (ان
کی غلطی سے) درگزر کریں (مسلمانو!) کیا تم اس (بات) کو پسند نہیں کرتے
کہ اللہ تمہاری مغفرت فرما دے (اور تمہارے قصوروں کو بخش دے۔ اگر
تم اس بات کو پسند کرتے ہو تو تم بھی رشتہ داروں کا قصور معاف کر دو)
وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ
اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى۔ اللہ کی عبادت کرو اور کسی شے کو
اس کا شریک مت ٹھیراؤ۔ (سب سے مقدم تو یہ ہے) اور (پھر) ماں
باپ اور قرابت داروں کے ساتھ نیکی کرنا۔

احادیث میں ہے کہ صلۂ رحم کا کمال اسے نہ سمجھا جائے کہ صلۂ رحم
کے جواب اور بدلہ کے طور پر صلہ رحم کیا جائے۔ جو قطع رحم کرتا ہے اس کے
ساتھ صلۂ رحم کرنا چاہیے جو حقِ قرابت ادا نہیں کرتے ان کا حقِ قرابت ادا
کرنا چاہیے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک موقع پر
فرمایا کہ "جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اللہ اس کی روزی میں وسعت اور
اس کی عمر میں برکت دے اسے صلہ رحمی کرنی چاہیے"۔ گویا صلہ رحمی روزی
اور عمر بڑھانے کا نسخہ ہے۔ علامہ سید سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اس

حدیث کی حسب ذیل تشریح کی ہے کہ "جو لوگ اپنے خاندان والوں کے
ساتھ صحیح کا برتاؤ کرتے ہیں اور صلۂ رحم اور خوش خلقی سے پیش آتے
ہیں اُن کی زندگی میں خانگی مسرت اور طمانیتِ خاطر رہتی ہے" اس لئے
اُن کی دولت اور عمر میں اللہ تعالیٰ وسعت اور درازی عطا فرماتا
ہے۔

ہمسائے اور اسلام

انسان جسمانی اعتبار سے اور حیوانوں کی طرح الگ الگ ہوتے ہیں لیکن روحانی اعتبار سے انہیں ایک دوسرے کے ساتھ عام حیوانوں کی نسبت زیادہ پیوستہ رہنا پڑتا ہے۔

حیوان بھی آپس میں ملے جلے دکھائی دیتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں کے دکھ کا اثر لیتے ہیں۔ مگر انہیں چھوٹے موٹے دکھ کی خبر نہیں لگتی۔ کوے اسی وقت چیختے ہیں جب آپ کسی کوے کو مار ڈالیں، اور بندروں کی گپ الفت اسی وقت پھڑکتی ہے جب کسی بندر پر بھرپور اور نمایاں آفت آجائے۔

پھر عام حیوانوں میں کتے جیسی مخلوق ہے جو انسان کی تو وفادار ہے لیکن کتوں کی دشمن ہے اور مچھلی جیسی مخلوق ہے کہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان کتوں اور مچھلیوں کے پیرو نہ بنیں اور اپنے ہم جنسوں کے دکھ درد کا کووں اور بندروں کی نسبت زیادہ احساس کریں۔

ایک انسان واقعی مسکین ہے تو غنی انسان کا فرض ہے کہ اُسے روٹی کھلائے اور اُسے کپڑا پہنائے اور غنی انسان اگر ذی اقتدار ہے تو اُس کا فرض ہے کہ اُسے مکان بھی دے اور مسکین کی مسکنت دور ہو سکتی ہے تو مسکنت دور کر دے یا مسکین بالکل معذور ہے تو ایسا انتظام کرے۔ علیٰ ہذا بیمار کی تیمارداری تندرست انسان پر واجب ہے غرض ہر مصیبت کا مداوا ایسے شخص کے ذمے ہے جو مداوا کر سکتا ہو۔ مداوا کرنے کی طاقت کے باوجود اگر کوئی پہلوتہی کرتا ہے تو اُس سے جواب طلب کیا جائے گا۔

دو انسان برابر برابر آباد ہوں تو اُن کے لئے اسلام نے خاص ہدائتیں کی ہیں۔ برابر برابر آباد ہی نہیں، ایک سفر کے دو رفیق۔ ایک مدرسے کے دو طالب علم۔ ایک استاد کے دو شاگرد۔ ایک کارخانے یا دفتر کے دو ملازم۔ ایک دکان کے دو شریک، سب ہم سایہ ہیں۔

ہم سائگی اور رفاقت میں قرابت اور ہم مذہبی کی شرط نہیں ہے۔ تاہم بصورت قرابت و ہم مذہبی ہم سائگی اور رفاقت کی اہمیت بڑھ جاتی ہے بہرحال (اللہ نے) ہم سایہ قریب رشتہ دار اور ہم مذہب اور ہم سایہ بیگانہ (غیر رشتہ دار اور غیر مذہب) اور برابر رہنے والے کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے کا حکم دیا۔

وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ
وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک روز صحابہ کے مجمع میں تشریف فرما تھے حضور کی زبانِ مبارک سے نکلا "خدا کی قسم اُس

کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا۔ خدا کی قسم اس کا ایمان کامل نہیں ہوگا" یہ کلمہ تین بار ارشاد کیا۔ صحابہ رض نے پوچھا "یا رسول اللہ کس کا ایمان کامل نہیں ہوگا" فرمایا "جس کا ہم سایہ اس کی شرارتوں سے محفوظ نہ رہے" جو اللہ اور روزِ جزا پر ایمان رکھتا ہے اُسے چاہیئے کہ ہم سایہ کی عزت کرے اور اُسے ایذا نہ دے"

"اللہ کے نزدیک اچھا وہ ہے جو اپنے ساتھیوں اور اپنے ہم سایہ کے حق میں اچھا ہے"

ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رض سے فرمایا "جبریل ع نے مجھے ہم سایوں کے حقوق کی اتنی تاکید کی کہ میں سمجھا کہیں ہم سایوں کو وراثت کا حق نہ دلا دیں"

ہم سایہ کا پہلا حق یہ ہے کہ اُسے ایذا نہ دی جائے۔ خوش گوار اور ناخوش گوار دونوں قسم کے تعلقات ہم سایہ ہی کے ساتھ ہو سکتے ہیں۔ دُور کے اجنبی آدمی کو خوش گوار اور ناخوش گوار تعلق سے کیا واسطہ لہٰذا یہ ہم سایہ ہی کا حق ہے اور مقدم حق کہ اُسے ناخوش نہ کیا جائے۔ اور اپنی ہم سائیگی اُس کے لئے دوزخ نہ بنائی جائے۔ اِس کے بعد اسے خوش کرنا اور خوش رکھنا چاہیئے، اپنی ہم سائیگی اُس کے لئے جنت بنانی چاہیئے۔ وہ گھر سے باہر قدم دھرے تو آپ کی محبت اور مدد پر بھروسہ کر کے اور گھر کے اندر قدم دھرے تو آپ کی محبت اور مدد پر بھروسہ کر کے۔

"زنا حرام ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول ص نے اُسے حرام کر دیا

کیا ہے۔ لیکن دس زناؤں سے بڑھ کر زنا یہ ہے کہ انسان
اپنے ہم سایہ کی بیوی سے زنا کرے "

(حدیث)

"چوری حرام ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ نے اسے حرام کیا
ہے۔ لیکن دس چوریوں سے بڑھ کر چوری یہ ہے کہ انسان
اپنے ہم سایہ کے ہاں کی چیز چرائے "

(حدیث)

دو عورتیں تھیں۔ ایک بے حد عبادت گذار۔ دن کو روزے رکھتی
اور رات بھر نفل پڑھتی۔ صدقہ و خیرات بھی کرتی تھی۔ لیکن زبان پر قابو
نہیں تھا۔ اُس کی زبان سے ہم سایہ تنگ تھے۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم نے اس کے لئے فرمایا "اسے دوزخ کی سزا ملے گی "
دوسری عورت صرف فرائض ادا کرلی تھی مگر کسی کو ستاتی نہ تھی۔ اُس کے
لئے حضورؐ نے فرمایا " یہ جنتی بیوی ہے "

"تم میں کوئی مومن مومن نہیں مانا جائے گا۔ جب تک وہ
اپنے پڑوسی کی جان کو اتنا ہی عزیز نہ رکھے جتنا خود اپنی
جان کو عزیز رکھتا ہے "

(حدیث)

"جس کو یہ پسند ہو کہ اللہ اور اُس کا رسولؐ اُسے پیار کرے
یا جس کو اللہ اور اُس کے رسولؐ کی محبت کا دعوے ہو، تو
اُسے چاہئے کہ اپنے پڑوسی کا حق ادا کرے "

(حدیث)

"قیامت کے دن بارگاہِ الٰہی میں سب سے پہلے دو مدّعی
و مدعا علیہ پیش ہوں گے جو پڑوسی ہوں گے"

(حدیث)

ایک دفعہ بعض صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہؐ! ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں اچھا کر رہے ہیں۔ فرمایا "جب اپنے پڑوسی کو اپنی نسبت اچھا کہتے سنو تو سمجھو کہ اچھا کر رہے ہو اور جب برا کہتے سنو تو سمجھو کہ برا کر رہے ہو"

ایک دفعہ ایک صحابی نے شکایت کی۔ یارسول اللہؐ! میرا پڑوسی مجھے پریشان کرتا ہے۔ فرمایا "صبر کرو" اس کے چند دن بعد وہ پھر شکایت لے کر آئے۔ حضورؐ نے پھر صبر کی تلقین کی۔ تیسری دفعہ شکایت کی تو ارشاد ہوا کہ مکان بدلنے کا انتظام کر لو۔ چنانچہ انہوں نے گھر کا سامان نکالنا شروع کیا۔ پڑوسی کو خبر لگی تو اس نے اطمینان دلایا کہ آئندہ شکایت پیدا نہیں ہونے دوں گا اور مکان بدلنے نہ دیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ایک دفعہ گھر والوں سے پوچھا کہ آج کی بکری کا گوشت یہودی ہمسایہ کو بھی بھیجا تھا یا نہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کہتے سنا ہے کہ جبریلؑ ہمسایہ کے ساتھ سلوک کرنے کی اس قدر تاکید کر رہے تھے کہ میں سوچنے لگا کہ شاید ہمسایہ کو ترکہ کا شریک بنا دیا جائے گا۔

ہدیوں اور تحفوں کا تبادلہ پڑوسیوں میں ضرور ہونا چاہیے۔ بیش قیمت چیزوں کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کھانے پینے کی معمولی چیزیں کافی ہیں۔ ایک دفعہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا "اے ابوذر! جب سالن پکاؤ تو پانی ڈال کر شوربا بڑھا دو، اور اس سے ہمسایہ کی خبر گیری کرو۔"

ایک دفعہ حضورؐ نے عورتوں کو خطاب فرمایا "اے مسلمانوں کی بیویو! تم میں کوئی پڑوسن اپنی پڑوسن کو بکری کا کھر بھی بھیج سکے تو بھیج دے اور اُسے حقیر خیال نہ کرے" یعنی نہ بھیجنے والی یہ خیال کرے کہ ایسی حقیر چیز کیا بھیجوں اور نہ دوسری عورت یہ خیال کرے کہ کیا حقیر چیز بھیجی ہے۔ جو چیز بھی میسر ہو اُسے بھیج کر اظہار تعلق کرنا چاہیئے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے پوچھا۔ یارسول اللہ! میرے دو پڑوسی ہیں اور میرے پاس جو چیز ہے وہ ایک کو بھیجنے کے لائق ہے۔ کسے بھیجوں اور کسے نہ بھیجوں۔ فرمایا: جس کے گھر کا دروازہ تمہارے گھر سے قریب ہو اُسے بھیج دو۔

ایک دفعہ حضرت جابرؓ گوشت کا ٹکڑا ہاتھ میں لٹکائے چلے جا رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا لئے جا رہے ہو۔ عرض کیا امیرالمؤمنین! گوشت کھانے کو جی چاہا تھا، ایک درہم کا خریدا ہے۔ فرمایا۔ اے جابر! کیا اپنے پڑوسی کو نظر انداز کر کے فقط اپنی فکر کرو گے؟ کیا یہ آیت یاد نہیں؟ یَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِينَ كَفَرُوا عَلَى النَّارِ أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (قیامت کے دن) جب کفار دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے (تو) اُن سے کہا جائے گا کہ تم اپنے مزے اپنی دنیا میں لے چکے اور خوش گوار چیزوں سے (وہیں) فائدہ اٹھا چکے۔

یتیم اور اسلام

یتیم وہ بھی ہے جس کا باپ مرتے وقت اُس کے لئے دولت چھوڑ جائے اور وہ بھی جسے وراثت میں ایک پیسہ نہ ملے اور جو باپ کے مرنے سے بالکل بے سہارا رہ جائے۔ اسلام نے دونوں قسم کے یتیموں کی بابت ہدائتیں نافذ کی ہیں۔

عربوں میں رواج تھا کہ باپ دولت چھوڑ کر بھی مرتا تو اُسے بڑی اولاد ہتھیا لیتی تھی۔ چھوٹے بچوں کو عموماً کچھ نہیں ملتا تھا چھوٹے بچے یتیم ہو کر لاوارثے اور غور و فکر، پرداخت سے محروم ہو جاتے تھے۔ قرآن مجید کی ان آیات میں بدسلوکی کا ذکر ہے: اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یُکَذِّبُ بِالدِّیْنِ۝ فَذٰلِکَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ۔ دیکھا تم نے اُس شخص کو جو روزِ جزا کی تکذیب کرتا ہے۔ اسی لئے تو وہ یتیم (کی مدد کرنے کی بجائے یتیم) کو دھکے دیتا ہے۔ (روزِ جزا کا ڈر ہوتا تو یتیم کو دھکے نہ دیتا)

دولت مند یتیموں کے سرپرست اور ولی بن کر لوگ طرح طرح

کی بے ایمانیاں اور بد دیانتیاں کیا کرتے تھے۔ مال پر قبضہ کرکے انہیں دھکے نہیں دیتے تھے اور دھتا نہیں بتاتے تھے۔ تو کم از کم اپنی بُری چیزوں سے اُن کی اچھی چیزیں بدل لیتے تھے اور اپنی بُری چیزیں ان کی اچھی چیزوں میں ملا کر اچھی چیزیں ہضم کر جاتے تھے۔ اللہ نے حکم فرمایا: وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ ۖ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝ اور یتیموں کو (جب وہ بالغ ہو جائیں تو) اُن کے مال سپرد کر دو اور (زمانہ تولیت میں اُن کی کوئی) اچھی چیز (اپنی) بُری چیز سے مت بدلو اور نہ اُن کے مال کو اپنے مال میں گڈمڈ کرکے خورد برد کرو (ولی اپنا اور یتیم کا کھانا پینا شامل رکھ سکتا ہے۔ لیکن اِس بہلانے سے یتیم کا مال کھا جانا) یہ (بہت بڑا گناہ ہے۔

دولت مند یتیم لڑکیوں کے مال پر قبضہ جمانے کی غرض سے لوگ انہیں نکاح میں لے آتے تھے اور پھر اُن کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ارشاد ہوا۔ وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ (یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنا ممنوع نہیں ہے۔ لیکن) اگر تمہیں ڈر ہو کہ تمہاری طبیعت ایسی ہے کہ یتیم لڑکیوں کی کم زوری سے فائدہ اُٹھاؤ گے اور) یتیم لڑکیوں کے حق میں انصاف سے کام نہ لے سکو گے تو اُن سے نکاح کرنے کی بجائے بہتر ہے کہ) اور عورتوں سے جو تم کو بھلی لگیں نکاح کر لو۔

یہی نہیں ہے کہ یتیم کا مال ولی نہ لُوٹے۔ یتیم کا مال اُس کے اپنے ہاتھوں سے بھی نہیں لٹوایا جا سکتا۔ ولی کا فرض ہے کہ یتیم کے مال کی امین

وقت تک پوری حفاظت کرے کہ یتیم جوان اور عاقل و بالغ ہو جائے۔ نادانی کی عمر میں یتیم کا مال یتیم کے حوالے کر دینے کی اجازت نہیں ہے۔ وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ فَإِنْ آنَسْتُم مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ج اُن یتیموں کو جو نا سمجھ ہیں (جب تک وہ بالغ اور سمجھدار نہ ہو جائیں) اپنے (زیرِ حفاظت) مال مت دو جسے اللہ نے تمہارے (یعنی تم انسانوں کے) گذر بسر کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں ان کو اس میں سے کھلاتے پہناتے (ضرور) رہو اور (مال اُن کے قبضے میں نہ دینے کی وجہ) انہیں معقولیت سے بتا دو (کہ ہم تمہارے نفع کی خاطر اس وقت تمہیں مال حوالے نہیں کرتے) اور یتیموں (کو کام کاج میں لگا کر) جانچتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح (کی عمر) کو پہنچیں اور اُن میں (اپنے نفع نقصان کی عقل اور مال کی حفاظت کی) قابلیت[۱] پاؤ تو اُن کا مال اُن کے حوالے کر دو۔

وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَن يَكْبَرُوا ط اس خیال سے کہ یتیم بڑے ہو جائیں گے (تو مال قبضے سے نکل جائے گا) اُن کے اموال جلدی جلدی فضول خرچی کر کے (کبھی) مت کھانا۔

---

۱ پچیس سال کا ہو جانے کے بعد قابلیت کا سوال ہی نہیں رہتا۔ قابلیت پاؤ یا نہ پاؤ، مال دے دینا چاہیے۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ٥ جو (ولی) کو احتیاج نہ ہو تو اُسے چاہیے کہ یتیم کے مال سے (قطعی) پرہیز کرے اور جو ... ضرورت مند ہے تو (بقدر) حاجت اور دستور کے مطابق (ضرورت ... مند ...) کھالے۔ اور جب ان کا مال ان کے حوالے کرنے لگو تو (ایسا) ... تاکہ بوقت ضرورت کام آئیں۔ ویسے تو اللہ حساب لینے کو کافی ہے ... کسی گواہ شاہد کی ضرورت نہیں ہے یہ سب باتیں تمہاری دنیا کی صفائی کے لئے مقرر کردی گئی ہیں۔

ایک جگہ ظاہری شریعت نوازی اور جانوروں کی علامت و حرمت میں بے معنی جزئیات پرستی اور روحانی گناہوں سے بے پرواہی کا ذکر کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصلی باتیں خیال کرنے کی یہ ہیں ......

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ .... اور بہتری کی غرض کے سوا یتیم کے مال کے قریب نہ پھٹکو، یہاں تک کہ یتیم (اپنی) طاقت کی عمر کو پہنچ جائے۔

ایک اور جگہ ہے : وَأَنْ تَقُومُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ یہ کہ یتیموں کے معاملے میں انصاف ہاتھ سے نہ چھوڑو۔ یہاں تک میں نے ورثہ پانے والے یتیموں کے احکام بیان کئے۔ اب ورثہ سے محروم اور بے سہارے یتیموں کی نسبت لکھتا ہوں۔

بے سہارے اور لاوارث یتیموں کا سہارا اور وارث کل قوم کو

بنایا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اُن کی پرورش اور اُن کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور اللہ چاہتا ہے کہ انہیں جو عزت دی جائے ذلیل سمجھ کر نہ دی جائے۔ ایک جگہ اللہ ڈانٹتا ہے: كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ۔ نہیں۔ یہ بات نہیں۔ بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے فرمایا گیا ہے:
أَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَآوَىٰ ..... فَأَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ۔ کیا تمہیں اللہ نے یتیم نہیں پایا تھا اور تمہیں اللہ نے پناہ نہیں دی تھی ..... تم بھی (کبھی کسی) یتیم پر نامہربان مت ہونا۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خود فرماتے ہیں کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنّت میں مجھ سے اس طرح قریب ہوگا جس طرح انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے یتیم کی کفالت کرنے والوں کو اپنے برابر لا کھڑا کیا ہے۔

ایک اور حدیث ہے کہ جو شخص کسی یتیم بچّے کو اپنے گھر بلا کر لائے اور اُسے کھلائے پلائے اُسے اللہ جنّت کی نعمت عطا فرمائے گا بشرطیکہ اُس نے کوئی ایسا گناہ نہ کر رکھا ہو جو قابلِ بخشش ہی نہ ہو۔ ایک اور حدیث ہے کہ مسلمانوں کا سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بھلائی کی جائے اور مسلمان کا سب سے بُرا گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم کے ساتھ بدسلوکی کی جائے۔

ان تعلیمات نے ہر صحابی اور صحابیہ کو یتیموں پہ مہربان کر دیا تھا۔ بعض صحابہ یتیم بچّے کو ساتھ بٹھائے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ کسی یتیم نے ایک شخص پر دعویٰ کیا کہ اُس کے پاس جو فلاں نخلستان ہے وہ میرا ہے لیکن یتیم اپنا دعوےٰ ثابت نہ کر سکا۔ حضورؐ نے دعوےٰ خارج کر دیا، اس پر یتیم کو رونا آگیا۔ حضورؐ نے مدعا علیہ سے فرمایا۔ نخلستان تم اسے دے دو۔ اللہ اس کے بدلے تمہیں جنت عنایت کرے گا۔ وہ ہچر مچر کرنے لگا تو حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے اُس سے کہا کہ میرے باغ سے اپنا نخلستان بدل لو اور نخلستان تبادلے میں حاصل کر کے یتیم کی نذر کر دیا۔

مسلمانوں سے پہلے یتیم خانوں کا کہیں وجود نہیں تھا۔ عرب پہلی سرزمین ہے جہاں یتیم خانے کی بنیاد پڑی۔

بیوہ اور اسلام

ہندو عورت کا فرض ہے کہ شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی چتا میں بیٹھ کر جل جائے۔ بیوہ عورت کو ہندو مذہب میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اور ملکی قانون اُسے مرنے نہ دے تو بقیہ عمر وہ باندیوں سے بدترین کر زندہ رہ سکتی ہے، کسی آسائش کسی آرائش اور کسی عزت سے واسطہ نہیں رکھ سکتی۔

یہودی عورت شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کے بھائی کی ہو جاتی تھی اور عورت کی مرضی کا اِس جبر یہ تعلق زن و شوئی میں مطلق دخل نہ تھا۔ شوہر کا بھائی اُس کے ساتھ جو معاملہ کرنا چاہتا کیا کرتا تھا۔ عیسوی مذہب نے جبر دُور کر دیا لیکن کوئی ایجابی پہلو نہیں پیش کیا خود عرب میں رواج تھا کہ عورتیں مرنے کے لیے بطور ورثہ بانٹی جاتی تھیں۔

اسلام نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ عورت کے سوگ کی حد قائم کر دی یعنی صرف چار مہینے اور دس دن۔ اسلام میں عورت پر سوگ

تنے دن گزرنے واجب ہے کہ ایک تو پتہ چل جائے کہ مرنے والے شوہر سے حمل ہے یا نہیں ہے۔ دوسرے طبعی غم فراموش ہو جائے۔ اس محدود زمانے کو "مدت" ہے۔ عدت کے معنی ہیں "شمار کے دن"۔

عدت کا زمانہ گذر چکے تو عورت کو بناؤ سنگھار کرنے کی اجازت ہے۔ جائز بناؤ سنگھار سے اسلام پھر اُس کا ہاتھ نہیں پکڑے گا اور وہ دوسرا نکاح کرے تو اسلام خوش ہوگا کہ اُسے ماننے والی بداخلاقی کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئی اور اس نے حصول آسائش کا صحیح راستہ اختیار کر لیا۔

اللہ کا حکم ہے: وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ اپنی بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں: بیوہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا اللہ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرنے والا۔

دوسری حدیث ہے: بیوہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا اس مجاہد کے مانند ہے جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اور اس شخص کے مانند ہے جو دن بھر روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نفل پڑھتا ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں ایک چالیس سالہ بیوہ (حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی) سے عقد کیا تھا اور اُسے اس خوبی سے نبا رکھا تھا کہ حضرت خدیجہ پینسٹھ سال کی ہو گئیں اور حضور نے ان کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور حضرت خدیجہ کے وفات پا جانے پر بھی نکاح کئے تو

حضرت عائشہ صدیقہ رض کے سوا) بیواؤں سے کئے۔

اسلام کا قانون ہے کہ شوہر نے زندگی میں مہر نہ دیا ہو تو اس کے ترکے میں سے پہلا قرض مہر کا اُتارا جائے۔ مہر کے علاوہ بیوہ ترکے کی وارث بھی حصّہ دار ہے۔ اولاد ہو تو بیوہ کو روپے میں دو آنے ملتے ہیں اور اولاد نہ ہو تو روپے میں چار آنے۔

عورت دوسری شادی کے معاملے میں مختار ہے۔ اسلام نے اُسے دیوروں اور شوہر کے دوسرے عزیزوں کی حکومت ہی سے نہیں نکالا، دوسری شادی کے معاملے میں وہ اگر بول سکتے ہیں تو بس صلاح اور مشورہ دے سکتے ہیں۔

جو بیوائیں چھوٹے بچّوں کی پرورش اور خدمت کی خاطر دوسرا نکاح نہ کریں اور اپنی عصمت کا پورا خیال رکھیں وہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن دو انگلیوں کی طرح میرے قریب ہوں گی۔

مطلب یہ ہے کہ اصل چیز عصمت کی حفاظت ہے

ایک اور حدیث ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے میں جنّت کا دروازہ کھولوں گا۔ اُس وقت ایک عورت مجھ پر سبقت لے جانا چاہے گی۔ میں پوچھوں گا تو کون ہے۔ وہ کہے گی۔ میں بیوہ ہوں، جس کے چھوٹے چھوٹے کئی یتیم بچے تھے۔

عام حاجت مند اور اسلام

انسان کی عمر از ابتدا تا انتہا عموماً یکساں نہیں کٹتی۔ عمر میں تھوڑا بہت اُتار چڑھاؤ ضرور رہتا ہے۔ مال و دولت، عزت و وجاہت اور تندرستی وصحت کی طرح خیالات بھی جھونکے کھاتے رہتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ انجام بخیر کرے اور ایمان کے ساتھ اُٹھالے۔

خیر ذکر اِس وقت صرف مال و دولت کا ہے۔

میرے دوست، خان بہادر حبیب الرحمٰن صاحب کھانا کھلانے پر پابندیاں لگنے سے پہلے سال میں دو چار مرتبہ سینکڑوں غربا کو ایسے کھانے بھجوا دیا کرتے تھے جیسے شادی بیاہ کے مواقع پر کھائے جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ انھوں نے سوچا کہ دوسروں کی نسبت اپنی برادری کے غریب اِن کھانوں کے زیادہ مستحق ہیں۔ اب کے کھانا انہیں جانا چاہئے۔ خان بہادر صاحب دلّی کی پنجابی برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ دلّی کی پنجابی برادری تجارتی پیشہ ہے۔ اِن میں سے بہت سوں کو ۱۹۴۷ء کے انقلاب نے بنا دیا اور بہت سوں کو تباہ کر دیا۔ جہاں دلّی کے

پنجابی سوداگروں کی عظیم الشان کوٹھیاں ہیں۔ وہیں تباہ شدہ پنجابی سوداگروں کی جھونپڑیاں بھی ہیں۔ خان بہادر صاحب نے فیصلہ کیا کہ تین سو آدمیوں کا کھانا تباہ شدہ پنجابیوں کو جایا کرے گا۔

جس دن کھانا تقسیم ہوتا تھا اُس دن خان بہادر صاحب خود وہاں گئے تاکہ تقسیم کی نگرانی کریں۔ وہاں سے خان بہادر صاحب سیدھے میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے "آج جو کچھ دیکھا ہے اُسے سنائے بغیر دل نہیں چاہا کہ گھر جاؤں۔ کھانا لینے والوں میں فلاں صاحب بھی تھے۔ مجھے یاد ہے وہ ۱۹۴۷ء تک یہی کھانا، تاقتال شب دیگ اور ترنجبن غربا میں تقسیم کیا کرتے تھے"

ایسے واقعات ہر انسان کی آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں، لیکن ہر انسان اِن کا صحیح احساس نہیں کرتا اور اِن سے سبق نہیں سیکھتا اور اِنہیں بھلا دیتا ہے۔

انسان کو زیب نہیں دیتا کہ دولت و اقتدار حاصل کر کے مصیبت زدہ اور لاچار انسانوں سے بے نیاز ہو جائے ؎

مکرم جنس ہے یاں دست گیری ناتوانوں کی
خریدا کر ملیں جتنی دعائیں نیم جانوں کی

جنتی مسلمانوں کی تعریف میں ارشادِ باری تعالےٰ ہے : وَفِيٓ أَمۡوَٰلِهِمۡ حَقّٞ لِّلسَّآئِلِ وَٱلۡمَحۡرُومِ ۝ اِن کے مال میں جو (منہ سے) مانگتا اُس کا (بھی) حصّہ تھا۔ اور جو بصورتِ سوال ہوتا اُس کا (بھی حصّہ تھا۔)

عذابِ جہنّم سے بچنے والوں کی بابت ارشاد ہے : وَٱلَّذِينَ

فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ ۙ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۙ

(متقی بہ جنتوں سے وہ مسرات چکھیں گے ....) جن کے مالوں میں (ہر حقدار) کا ایک معین حصہ ہے (کسے؟ بشمول) مانگنے والوں کے لیے بھی (اُن کا مال حاجت مندوں کے لیے) نیز نہ مانگنے والوں کے لیے بھی۔

کچھ خبر نہیں مصیبت اور لاچاری انسان کو کب آگھیرے اور اس کا ہاتھ دوسروں کے آگے پھیلوا دے۔ انسان یہ نہ سمجھے کہ اُسے کبھی کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

سائل کے معنی بھیک مانگنے والے ہی کے نہیں ہیں، ہر وہ ضرورتمند جو تم سے امداد[۱] طلب کرے سائل ہے۔ اور محروم بھی ضرورتمند ہی ہوا۔ جسے فارغ البالی میسر نہ ہو یا جس کی فارغ البالی فلاکت سے بدل جائے۔ وہ محروم ہے۔

سائل کا سوال اگر پورا نہ کیا جا سکے تو نرمی کے ساتھ عذر کرنا چاہیے سختی نہیں برتنی چاہیے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ۔ سائل کو جھڑکا مت کرو۔

مدد کی ایک شکل یہ ہے کہ کسی اور سے مدد کرا دو۔ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ج جو نیک بات کی سفارش کرے گا (تو امداد دینے والے کو تو ثواب

۱۔ مالی امداد کے علاوہ جسمانی اور علمی امداد کا طلب گار بھی سائل ہے۔ مثلاً کوئی لنگڑا کہے کہ مجھے ذرا اپنے کندھے کا سہارا دے دو۔ تو اُسے بھی سائل کہا جائے گا۔

ملے گا یعنی) اُس کے ثواب میں اِس (سفارش کرنے والے) کا بھی حصہ ہوگا۔
حکم ہے: وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم فرماتے ہیں: جو شخص اپنے بھائی کی حاجت براری میں لگا رہے گا۔ اللہ اُس کی ضرورت پوری کرنے میں لگا رہے گا، اور جو کسی مسلمان کی کوئی مصیبت دور کردے گا۔ اللہ قیامت کی مصیبتوں میں سے کوئی مصیبت اُس کی دور کردے گا۔

ایک اور حدیث ہے: اللہ اپنے بندے کی مدد میں اُس وقت تک لگا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ جب اہلِ حاجت حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو حضورؐ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم اِن کی سفارش کر دیا کرو تاکہ تمھیں اتنی مدد کا ثواب مل جائے۔

بیمار اور اسلام

اللہ تعالےٰ نے بیمار کو اجازت دی ہے کہ وہ کھڑا ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو بیٹھ کر پڑھ لے، اور بیٹھ کر نہ پڑھ سکے تو لیٹے لیٹے اشاروں سے پڑھ لے۔

بیمار وضو کی بجائے تیمم کر سکتا ہے اور ضرورت پڑ جائے تو روزہ توڑ سکتا ہے۔

حج میں بھی بیمار کے لئے کچھ رعائتیں ہیں۔

جہاد بیمار کر ہی نہیں سکتا۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ (جہاد میں شریک نہ ہو تو) نہ اندھے پر کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر کوئی گناہ ہے، نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

ذرا سوچئے بیمار کو اللہ نے اپنے حقوق معاف کر دیے تو اللہ کے بندوں کا بیمار کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیئے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بیماروں کی عیادت

کو بڑی تاکید فرمائی ہے۔ عیادت کے معنیٰ فقط بیمار پرسی کے نہیں ہیں۔ بیمار پرسی عیادت کی معمولی اور ادنیٰ قسم ہے۔ عیادت میں تیمار داری اور خدمت گزاری سب چیزیں شامل ہیں۔

حضورؐ نے ہمیں عیادت کے آداب سکھائے ہیں۔ مریض کے سامنے کیا دعائیں پڑھی جائیں یہ بتایا ہے اور بتایا ہے کہ ان باتوں کا کتنا ثواب ملے گا۔

حدیث ہے کہ جو مسلمان کسی کا غم ہلکا کرے اللہ اُس کا غم ہلکا کرے گا۔

حدیث ہے کہ جب کوئی صُبح کو کسی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو شام تک فرشتے اُس کی مغفرت کی دعا مانگتے رہتے ہیں اور جب کوئی رات کو کسی کی عیادت کرنے جاتا ہے تو فرشتے صبح تک اس کی مغفرت کی دعا مانگتے ہیں۔

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو حضورؐ نے ان کا مسجد ہی میں خیمہ نصب کرا لیا تاکہ بار بار اُن کی عیادت کی جا سکے۔

حضورؐ کا ایک عام حکم تھا کہ "بھوکے کو کھلاؤ۔ قیدی کو چھڑاؤ اور بیمار کی عیادت کرو"۔

عیادت کے معاملے میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مسلم اور غیر مسلم کی تفریق نہیں برتتے تھے۔ حضورؐ نے یہودی کی عیادت فرمائی ہے۔ منافقوں تک کی عیادت کو تشریف لے گئے ہیں۔ صحابہ کرام کا بھی یہی عمل تھا۔

ایک دفعہ حضورؐ نے عیادت کی فضیلت کو اس دلکش طرز

میں بیان فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا "اے آدم کے بیٹے! میں بیمار پڑا مگر تونے میری عیادت نہیں کی"۔ بندہ کہے گا۔ "اے پروردگار! تو تو سارے جہان کا پروردگار ہے۔ تیری عیادت میں کیوں کر کرتا"۔ جواب ملے گا "کیا تجھے خبر نہیں ہوئی کہ میرا بندہ بیمار تھا۔ تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا"۔

غلام اور اسلام

اِس مضمون میں غلام سے مراد جنگی قیدی نہیں ہیں جنگی قیدیوں کے متعلق سرورِ کائنات ؐ کے حصہ دوم میں طویل مضمون لکھا جا چکا ہے یہاں غلام سے مراد ہیں محکوم۔ کاشتکار۔ مزدور اور نوکر۔

حاکم محکوموں کے ساتھ، زمیندار کاشتکاروں کے ساتھ، کارخانہ دار مزدوروں کے ساتھ اور آقا نوکروں کے ساتھ جس نوعیت کا برتاؤ کرتے رہے ہیں اُسے ہر جاننے والا جانتا ہے۔ بے سہارے لوگوں پر ظلم ڈھانا ذی اقتدار لوگوں کا مسلک سا رہا ہے۔ مصر میں بنی اسرائیل غلام نہیں تھے تو کیا تھے اور بھارت میں اچھوت کس سلوک کی یادگار ہیں رومیوں نے غیر رومیوں سے کون سی مشقت تھی جو نہیں لی۔

عرب میں بھی کمزوروں کے ساتھ یہی ڈھنگ تھا۔ بلال حبشی رضؓ یاسر یمنی رضؓ۔ صہیب رومی رضؓ۔ جناب بن الارت رضؓ۔ عامر بن فہیرہ رضؓ ابو فکیہہ رضؓ اور سالم رضؓ جیسے بے سہارا مردوں اور لبینہ رضؓ۔ زنیرہ رضؓ نہدیہ رضؓ سمیہ رضؓ اور ام عبیس رضؓ جیسی بے سہارا عورتوں کو جتنا ستایا گیا

اُن مسلمانوں کو نہیں ستایا جاسکا جن کا کسی قبیلے سے تعلق تھا، جن کی حمایت کے لئے کوئی قبیلہ کھڑا ہو سکتا تھا۔

اسلام نے کمزوروں کو اونچا کرنے کا بیڑا اُٹھایا۔ اِسلام نے فَکُّ رَقَبَۃٍ (گردن سے غلامی کی رسی کھولنا) اپنی تحریک کا جزو لازم قرار دیا۔ طرح طرح سے غلاموں اور زیردستوں کو آزادی دلانے کی تاکید کی۔ ارشاد ہوا: وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا۔ اللہ کو (اور فقط اللہ کو) پوجو۔ کسی کو اُس کا شریک نہ بناؤ۔ یہ تو ہے پہلی بات اور دوسری بات ہے وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط ماں باپ کے ساتھ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور عزیز پڑوسی اور بیگانہ پڑوسی کے ساتھ اور پہلو کے رفیق کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور اُس کے ساتھ جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہو گئے ہیں نیکی کرو۔

اللہ کی عبادت اور شرک کی ممانعت کے بعد دوسرا حکم لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے کا ہے۔ لوگوں کی فہرست دے دی ہے اور فہرست میں اُن انسانوں کا نام بھی ہے جن پر انسان حکومت کرتا ہے۔

انسانوں پر انسانوں کی حکومت اسلام میں جائز نہیں ہے حکومت کا حق صرف اللہ کو ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ انبیا علیہم السّلام انسانیت کی تعلیم دینے آئے تھے۔ انسانیت اللہ کی بندگی ہے۔ اللہ

کی ہمسری انسانیت نہیں ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ انسان بنانا ہے۔ حضورؐ کے پیروکار پرندوں کی طرح ہوا میں اڑنے اور مچھلیوں کی طرح پانی میں چلنے پھرنے کو کمال نہیں سمجھتے۔ حضورؐ کے سچے پیروکاروں کے نزدیک کمال یہ ہے کہ انسان انسان بنے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہدایت کردی تھی کہ غلاموں کو عبد نہ کہا جائے۔ فتائی (میرا جوان) کہا جائے اور آقا غلاموں سے اپنے آپ کو رب نہ کہلوائیں، مولیٰ کہلوائیں۔ حضورؐ نے فرمایا جنہیں تم غلام کہتے ہو، یہ تمہارے بھائی ہیں۔ انہیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہ پہناؤ جو خود پہنتے ہو، اور ان سے اتنا کام لو جتنا یہ کر سکیں زیادہ کام دو تو اُس میں ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ تم بھی ساتھ کام کرو۔

صحابہ کرام اپنے غلاموں کو اس طرح رکھتے تھے جیسے وہ گھر کے رکن ہیں اور خاندان کے ممبر ہیں۔

غلام آزاد ہونے کے بعد آزاد کرنے والے کے موالی کہلاتے تھے یعنی آزاد شدہ غلام کا آقا سے ولاء کا تعلق رہتا تھا۔ ولاء کا تعلق نسب کے تعلق جیسا ہوتا ہے لحمۃ کلحمۃ النسب۔

ان ہی تعلیمات کا نتیجہ تھا کہ بے شمار مسلمان غلام مسندِ علم اور تختِ سلطنت پر رونق افروز نظر آتے ہیں۔ تاریخ اس دعوے کی مثالوں سے لبریز ہے۔

لملام

اسلامی برادری اور اسلام

عرب آپس کی لڑائیوں کے باعث دنیا بھر میں بدنام تھے کسی قبیلے کا کوئی آدمی قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کا قبیلہ صرف قاتل سے بدلہ نہیں لیتا تھا۔ قاتل کے پورے قبیلے کے پیچھے پڑ جاتا تھا اور قاتل کا قبیلہ مقتول کے قبیلے کی مستقل دشمنی مول لے لیتا تھا۔ انتقام در انتقام کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا تھا۔ صدیاں انتقامی لین دین میں بیت جاتی تھیں۔

اسلام آیا تو ایک ایسا رشتہ ساتھ لایا جو تمام رشتوں پر فائق تھا۔ اس رشتے نے صرف عربوں کو شیر و شکر نہیں کیا۔ ساری دنیا کو شیر و شکر ہونے کی دعوت دی۔ اور جس نے اس رشتے کو قبول کر لیا وہ واقعی نسل و وطن کی زنجیریں توڑ کر شیر و شکر ہو گیا۔

وَ اَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ط لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ ط اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ اللہ نے ان کے دل

ملا دیئے۔ (اے رسول!) اگر تم ساری دنیا کی دولت) خرچ کر ڈالتے تو
اُن کے دلوں میں اُلفت (ومحبت) نہیں پیدا کر سکتے تھے (یہ اللہ ہی کا
کام تھا کہ) اللہ نے اُن کے دل ملا دیئے۔ وہ (نہایت زبردست)
قدرت وطاقت والا اور (تدبیر و) حکمت والا ہے۔ وَاعْتَصِمُوا
بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ص وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ
فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ج اللہ کی رسی کو سب مضبوط پکڑو
اور اتحاد کو مت توڑو۔ اور اللہ کی (اس) نعمت (اور عنایت) کو یاد
رکھو جو (اس نے) تم پر کی ہے کہ ایک وقت تم (ایک دوسرے کے)
دشمن تھے (اللہ نے) تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) اُلفت
ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی (بھائی) ہو گئے۔

اسلام اسے عظیم گمراہی قرار دیتا ہے کہ آدم اور حوا کے بیٹے زمین کے ٹکڑوں اور
خاندانوں کی تنگ لکیروں میں کھو جائیں اور آدم حوا کے بیٹے ہونے کو بھلا دیں
جغرافیہ اس رشتہ کو توڑتا ہے، اسلام اسے جوڑتا ہے۔ انسانوں کا زمین کے ٹکڑوں میں
پھیل جانا اور خاندانوں میں بٹ جانا رشتۂ خلقت کو ختم نہیں کر سکتا۔
يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۔ اے لوگو! ہم نے (دنیا
میں) تمہاری خلقت کا وسیلہ مرد اور عورت کو بنایا (اور) تم کو ... اور
قومیں نسلیں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ (محض) اس لئے
کہ باہم پہچانے جاؤ۔ (ورنہ در اصل یہ ذریعہ امتیاز نہیں ہے) امتیاز
اور شرف تو اسی کو حاصل ہے جو اللہ کے نزدیک زیادہ متقی ہے۔

قومیت کا مدار اشتراک وطن بن گیا تھا۔ اور آج بھی عموماً یہی مدار ہے لیکن اسلام نے دین کے اشتراک کو بنیاد بنایا اور وطن، نسل، رنگ اور زبان کے امتیازات کی جگہ روحانی امتیاز کو دے دی۔ اسلام وطن، نسل، رنگ اور زبان کے وجود کا منکر نہیں ہے۔ وجود سے کیسے انکار کیا جا سکتا ہے۔ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ اخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ[1] وجود تو ہے لیکن فقط اس لئے کہ "باہم پہچانے جاؤ" (لِتَعَارَفُوْا) اسلام ایسی عالمگیر برادری کی طرح ڈالتا ہے جس کے دامن میں نوع انسانی کا ہر حصہ پناہ لے سکے۔ اللہ کی زمین باہمی اتحاد کے واسطے ہے آسے نزاعات کا گھر نہ ہونا چاہیئے۔ اسلامی قومیت اختلاف قول اور تفرقے کی بجائے واحد معبود کی وحدت پر قائم ہے۔ تمام رشتے منقطع ہیں اصل رشتہ وہی ہے جو مخلوق کو خالق اور پروردگار سے ترتیب دیتے۔ اِنَّ ھٰذِہٖٓ اُمَّتُکُمْ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّاَنَا رَبُّکُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ تمہاری جماعت واحد جماعت ہے اور ہم تمہارے واحد پروردگار اور پالنے والے ہیں۔

اس رشتے کی مضبوطی اس وقت تک ہے جب تک سب اس کو مضبوطی سے پکڑے رہیں اور دوبارہ اختلافات پیدا کر کے ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو جائیں۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْھَبَ رِیْحُکُمْ۔ اللہ اور اس کے رسول کے احکام اور ہدایات کی پابندی کا خیال رکھو۔ اور آپس میں جھگڑا مت۔

---

[1] تمہاری زبانوں اور تمہارے رنگوں کا اختلاف اللہ کی نشانیوں میں سے ہے

(خودسری اور نااتفاقی وہ بُری بلائیں ہیں کہ چند دن میں تمہاری قوت کو منتشر اور تمہارے شیرازے کو بکھیر دیں گی۔ اگر تم نے اللہ رسول کی اطاعت اور متحد رہنے کی پرواہ نہ کی۔) تو تم (بے ہمّت اور) سست ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اُکھڑ جائے گی۔

دین کا رشتہ اس قسم کا رشتہ ہے کہ دین میں شامل ہوتے ہی سخت سے سخت دشمن مسلمانوں کا بھائی ہو جاتا ہے۔ فَاِنْ تَابُوْا وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ ط منکرین اگر (انکار سے) باز آجائیں، اور (احکام الٰہی کو واجب العمل مان لیں) نماز (کو نماز کی طرح) پڑھیں اور زکوٰۃ (کو خلوص نیت کے ساتھ) ادا کریں تو (مسلمانو! یہ) تمہارے دینی بھائی ہیں۔

دین کا رشتہ اس قسم کا رشتہ ہے کہ دین میں شامل ہوتے ہی ایسا غلام جس کے باپ تک کا پتہ نہ ہو مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے۔ فَاِنْ لَّمْ تَعْلَمُوْٓا اٰبَآءَ ھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ مَوَالِیْکُمْ۔ اگر تم اُن کے باپوں کو بھی نہ جانتے ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور علاقہ مند۔

یہ بات کسی اور رشتے میں میسّر نہیں آتی۔

مسلمان مسلمان کو قتل بھی کر دے تو قاتل مقتول کے رشتہ داروں کا بھائی ہی رہے گا۔ دین کا رشتہ ٹوٹے گا نہیں۔ فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ۔ اگر قاتل کو اُس کے بھائی کی طرف سے کچھ معاف کر دیا جائے۔ دیکھئے بھائی کا لفظ باقی ہے۔

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی غیبت کرے تو اِسے مردہ بھائی کا گوشت کھانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا۔ کیا تم میں سے کوئی یہ بات پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تمہیں (کبھی) گوارا نہیں ہوگا۔ (لہٰذا غیبت بھی ناگوار ہونی چاہیے۔ پیٹھ پیچھے برائی کرنا مُردے کا گوشت کھانا ہے)

ایک مسلمان بھائی کا دوسرے مسلمان بھائی پر حق ہے کہ وہ اُس کے لئے دُعا کیا کرے اور کہا کرے: رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے ہیں۔ معاف فرمادے: وَلَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ نہ رہنے دے۔ اے ہمارے پروردگار! تو مہربان اور رحیم ہے۔

مسلمانوں کو آپس میں رحم و شفقت رکھنی چاہیے رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ (آپس میں رحیم و شفیق) اُن کی شان ہے۔ مسلمانوں کو دوسرے مسلمانوں سے جھک کر ملنا چاہیے اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ (مسلمانوں سے جھکنے اور نرمی برتنے والے اُن کی صفت ہے۔

اتفاق سے مسلمانوں میں کسی بات پر اختلاف پیش آجائے تو اُسے دُور کرنے کی صورت بھی بتادی ہے کہ اللہ اور رسولؐ کے حکم کی طرف رجوع کیا جائے: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ

إِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۔ اگر کسی معاملے میں تمہارے (آپس میں
یا تمہارے اور اولوالامر کے) درمیان اختلاف آپڑے تو اُس معاملے
میں اللہ اور رسول ؐ (کے احکام) کی طرف رجوع کرو۔

اور اگر اختلاف جھگڑے اور جدال کی حد تک پہنچ جائے تو مسلمان
زیادتی کرنے والے سے لڑیں اور اُسے صلح کے لئے مجبور کر دیں ۔ وَاِنْ
طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا
فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ
تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۔ اگر مسلمانوں کے دو گروہ
آپس میں لڑیں تو اُن کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اگر اُن دونوں میں سے
ایک (گروہ) دوسرے (گروہ) پر زیادتی کئے جائے تو زیادتی کرنے والے
گروہ سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم الٰہی کی طرف رجوع کرلے (اور ہنگامہ
و فساد چھوڑ دے)

ایک حدیث ہے : اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا ۔
اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم ۔ صحابہ ؓ نے عرض کیا۔
یارسول اللہ! مظلوم کی مدد کو تو ہم سمجھ گئے ۔ لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟
حضور ؐ نے فرمایا ۔ اُسے ظلم کرنے سے روک دو۔ یہ اس کی مدد ہے ۔

حضور ؐ فرماتے ہیں : مسلمانوں کو تم ایک دوسرے پر رحم محبّت
اور شفقت کرنے کے اعتبار سے جسم انسانی کی مانند پاؤ گے کہ جسم کے ایک
عضو کو تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے سارے اعضاء بخار اور بے خوابی
میں مبتلا ہو جاتے ہیں ۔

دوسری حدیث میں ہے کہ آنکھ دکھے تو اور سر دکھے تو سارا جسم

دُکھ محسوس کرتا ہے۔

مقصود یہ ہے کہ اُمّتِ مسلمہ ایک جسم ہے اور اُس کے افرادِ اُس کے اعضاء ہیں۔ لہٰذا فردِ واحد کو تکلیف پہنچے تو ساری قوم کو وہ تکلیف محسوس کرنی چاہیے

ایک اور حدیث ہے: مسلمان قوم مثل دیوار کے ہے کہ اُس کا ایک حصّہ دوسرے حصّے سے مل کر اور جُڑ کر مضبوط ہوتا ہے۔ یعنی اکیلی اینٹ میں اور بہت سی اینٹوں کے انضمام میں بڑا فرق ہے۔ اکیلی اینٹ کو بچّہ توڑ سکتا ہے اور دیوار کو پہلوان نہیں گرا سکتا۔ ہاں ایک اینٹ اپنی جگہ چھوڑ دے تو پوری دیوار گر جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان اپنی قابلیت اور صلاحیت فقط اپنے اُوپر صرف نہ کرے قوم و ملّت پر بھی صرف کرے۔ وہ خود جب ہی زندہ رہ سکتا ہے جب تمام مسلمان زندہ ہوں۔ تنہا مسلمان ہزار ترقی کرلے اُس کی ترقی کسراب ہے۔

صحابہ نے ایک دفعہ سوال کیا۔ یارسول اللہؐ! سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ فرمایا: جس کے ہاتھ اور جس کی زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ایک حدیث ہے: مسلمان کو گالی دینا فسوق ہے یعنی اللہ کی نافرمانی اور اُس سے لڑنا اور قتال کرنا۔ اللہ کا انکار ہے" یعنی کفر۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے مسلمانوں کو باہم صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے جو اللہ کے حکم کو نہیں مانتا وہ اللہ کا انکار نہیں کرتا تو اور کیا کرتا ہے مسلمان کو قتل کرنے کی سزا بھی وہی ہے جو کافر کی ہے۔ وَمَن

يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا۔ جو مسلمان (جان بوجھ کر) ارادتاً کسی مسلمان کو قتل کر ڈالے تو اُس کی سزا جہنم ہے۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور اُس پر اللہ کا غضب (نازل) ہوگا۔ اور اللہ کی پھٹکار پڑے گی اور (اللہ نے) اُس کے لئے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دیکھو میرے بعد کافر مت ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

جان تو بڑی شے ہے، کسی مسلمان کی آبرو کے پیچھے بھی پڑنا گناہِ عظیم ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: "سب سے بڑا ربا کسی مسلمان کی آبرو کی طرف بے سبب ہاتھ بڑھانا ہے" اور حضورؐ فرماتے ہیں اگر کوئی مسلمان ایسے جھگڑے میں پھنس جائے کہ اُس کی آبرو ریزی ہونے کا ڈر ہو تو ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اُس کی آبرو بچائے۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کا اِس قسم کے موقع پر بے مدد چھوڑ دے گا تو اللہ اِسے اِس قسم کے موقع پر بے مدد چھوڑ دے گا اور اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان کی اِس موقع پر مدد کرے گا تو اللہ اُس کی اِس قسم کے موقع پر مدد فرمائے گا"۔

ایک حدیث ہے کہ تم میں سے کوئی مومن کامل نہیں ہے جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔

دو مسلمانوں کی بول چال بند ہو جائے تو حضورؐ نے تین دن سے

زیادہ بول چال بند رکھنے کو منع کیا ہے اور کہا ہے کہ بول چال بند کرنے والے دو مسلمانوں میں افضل وہ ہے جو سلام (اور ملاپ) میں سبقت کرے۔

ایک بات اور سن لیجئے۔ جب کوئی شخص اپنے تئیں مسلمان کہے اور اظہار اسلام کے لئے کسی کو سلام کرے تو اُسے یہ حق نہیں رہتا کہ سلام کرنے والے سے کہہ دے کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا۔ جو شخص تمہیں (اسلامی) سلام کرے اُس سے یہ مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔

مسلمان کو کافر کہنا خود ایک درجے کا کفر ہے۔

ایک جنگ میں کوئی مخالف کسی صحابی کی زد میں آگیا تھا صحابی نے اُسے قتل کرنا چاہا تو اُس نے فوراً کلمہ پڑھ دیا۔ مگر صحابی نے اُسے چھوڑا نہیں قتل کر دیا۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا علم ہوا تو حضورؐ نے صحابی کو بلا کر فرمایا کلمہ پڑھنے کو تم نے کیوں قتل کیا۔ صحابی نے کہا۔ یا رسول اللہ! وہ دل سے تھوڑا ہی ایمان لایا تھا۔ موت کے ڈر سے کلمہ پڑھنے لگا تھا۔ حضورؐ نے فرمایا "تم اُس کے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے ساتھ کیا کرو گے؟" "کیا تم نے اس کا سینہ چیر کر دیکھ لیا تھا؟"

مومن ہونا مشکل ہے مسلم ہونا مشکل نہیں ہے۔ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ط قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِىْ قُلُوْبِكُمْ ط دیہاتی عرب کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ (اے رسول!) آپ اِن سے فرمائیے کہ تم (ابھی)

ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ "ہم مسلمان ہو گئے" ایمان ابھی تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

مسلمان تو وہ ہے جس کے بل (STRENGTH) پر پاکستان بن گیا اور جسے ۱۹۴۷ء میں بھارت کے غیر مسلم مسلمان سمجھتے تھے۔ جسے بھارت کے اندر ٹھہرنا دوبھر ہو گیا تھا۔ بادشاہوں کے درجے کے مسلمان بھی پریشان تھے اور گداؤں کے درجے کے مسلمان بھی پریشان تھے۔ بھارت کی زمین سب ہی کے پیروں سے نکلی جاتی تھی، لیکن جان بچانے کے لئے کسی ایسے شخص نے بھی جسے صحیح کلمہ تک پڑھنا نہ آتا تھا یہ نہیں کہا کہ "میں مسلمان نہیں ہوں"۔

انسانی برادری اور اسلام

لوگوں سے اچھائی کے ساتھ پیش آنا اور انہیں اچھی باتیں بتانا انسانیت ہے۔ اللہ حکم فرماتا ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا لوگوں کو اچھی بات بتاؤ۔ اس میں اپنے پرائے کی تخصیص نہیں ہے کوئی ہو اسے اچھی باتیں بتانی چاہئیں۔ انسان کی تبلیغ انسانی خیرخواہی کا خیال کر کے ہی کی جاتی ہے اور جس کی تبلیغ میں انسانی خیرخواہی کا خیال شامل نہیں ہے وہ اسلام کی پیروی نہیں کرتا۔

حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم صرف مسلمانوں کے لئے نہیں۔ سب انسانوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو تم مسلمان بن جاؤ گے۔ یعنی جب تک مسلمان سارے انسانوں کی بھلائی کا جذبہ دل میں نہ رکھے وہ پورا مسلمان ہی نہیں ہوتا۔

ایک اور حدیث ہے: تم میں سے کوئی اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوگا جب تک وہ دوسرے انسانوں کے لئے وہی پسند نہ

کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، اور جب تک وہ انسان سے صرف اللہ کے لئے محبّت نہ کرے۔

ایک حدیث میں ہے: اے لوگو! ایک دوسرے سے کینہ مت رکھو۔ ایک دوسرے سے حسد مت کرو۔ ایک دوسرے سے مونہہ مت پھیرو۔ اور اے بندگانِ خدا آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

صحابہ کچھ غریبوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے تو صحابہ نے اُن کی امداد بند کر دی۔ اللہ نے فرمایا: لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنفُسِكُمْ۔ اُن کو راہ پر لے آنا (اے رسولؐ! تمہارے اختیار کی چیز نہیں ہے۔ ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے راہ پر لے آتا ہے اور (اے مسلمانو!) جو بھلائی کا خرچ تم کروگے وہ اپنے (نفع کے) واسطے کروگے (اُس کا نفع تمہیں بہرحال پہنچے گا۔ تمہاری نیکی کا ثواب بہرحال ملے گا۔)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں سے اُن کے مشرک والدین کی مدد کراتے تھے۔ حضورؐ کے سامنے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے مشرک بھائی کو تحفہ بھیجا۔ حضورؐ نے اُس سے اختلاف نہیں کیا۔

جو رسولؐ جانوروں کے باہم لڑانے کو منع فرماتا ہو وہ انسانوں کے ملے رہنے سے کیسے اختلاف کر سکتا تھا۔

جانوروں کے گوشت کو اللہ نے انسانوں کی غذا بنایا ہے۔ پچانوے فی صدی انسان گوشت کھاتے ہیں اور کھانے پر مجبور ہیں۔ نہ کھائیں تو

پیٹ کیسے بھریں۔ لیکن اسلام کی ہدایت ہے کہ جانور کو ضرورتاً ہی ذبح کرو اور ضرورتاً ذبح کرتے وقت کندی چھری استعمال نہ کرو۔ ذبح کرنے میں جانور کے ساتھ جانورپن اور سختی مت برتو۔ اسی طرح خاص خاص حالات میں مسلمانوں اور عام انسانوں کا فرق کرنا پڑ جاتا ہے، ورنہ عام انسانوں کے ساتھ اسلام سے بہتر سلوک کسی مذہب نے نہیں سکھایا عام انسان تو الگ رہے جو غیر مسلم مسلمانوں کے مقابلے میں فریق بن کر آئیں اُن کے ساتھ اسلام کیا سلوک سکھاتا ہے اُسے آپ اگلے مضمون میں بالتفصیل ملاحظہ کریں گے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم فرماتے ہیں: بُرائی کے بدلے بھلائی کرو تو بُرائی مٹ جاتی ہے۔

ایک اور حدیث ہے: ہر اُس ہستی کے ساتھ جس میں زندگی کی تری ہے نیک سلوک کرنا موجب ثواب ہے۔

ایک اور حدیث ہے: تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

ایک اور حدیث ہے: جو بندوں پر رحم نہیں کرتا اُس پر اللہ رحم نہیں کرتا۔

غیر مسلم اور اسلام

مذہب عیسوی کی یہ ہدایت بہت مشہور ہے کہ وہ تیرے داہنے
گال پر اگر کوئی تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دے
لیکن اس ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہم نے کسی عیسائی کو نہیں
دیکھا اور نہ سنا اور نہ کتابوں میں پڑھا کہ فلاں زمانہ گذرا ہے کہ
عیسائی دائیں گال پر تھپڑ مارنے والے کے آگے بایاں گال کر دیا ہے
کہ اسے بھی نوازے۔ آج کل کیا حال آپ کے سامنے ہے۔

ہندوؤں میں بے شک ایسے لوگ کچھ موجود ہیں جو منہ پر
کپڑا باندھے رہتے ہیں تاکہ ہوائی جراثیم سانس کے ساتھ اندر جا کر
مر جانے سے بچ جائیں۔ سو پہنچ کے راستے سے جائیں اور ان کی کثیر تعداد
ہلاک ہو۔ موذی جانوروں کو ہلاک نہ کرنا شاید ہے ... کی تعلیم
ہے مگر ایسا احساس ہونا چاہتا ہے کہ ان باتوں نے ہندوؤں کو بزدل
تیار کیا ہے۔

اسلام ایسی بے معنی رحم دلی نہیں سکھاتا جو بایاں گال آگے کر دے

خلافِ فطرت تعلیم نہیں دیتا۔ اسلام کا رحم دکھائی دینے والے کیڑوں اور جانوروں تک محدود ہے[لہ]

ایک سفر میں حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ مجاہد جس جگہ کھانا پکا رہے ہیں وہاں چیونٹیاں ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ یہاں کھانا نہ پکاؤ۔ ان چیونٹیوں کی جان کا خیال کرو۔ اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔ مَنْ یُّحْرَمِ الرِّفْقَ یُحْرَمِ الْخَیْرَ جو انسان نرمی سے محروم ہو گیا وہ ہر شے سے محروم ہو گیا لیکن موذی جانوروں کو مارنے سے اسلام نہیں روکتا۔ قَتْلُ الْمُؤْذِیْ قَبْلَ الْاِیْذَآءِ[۵] مسلمانوں کا تکیہ کلام ہے۔

اسلام رحم کے وقت رحم کراتا ہے اور سختی کے وقت سختی۔ کیڑے مکوڑوں سے لے کر انسانوں تک سے برتاؤ کی اسلام نے ہدایات دی ہیں۔ اسلام انسان اور انسانیت کا بڑا قدردان ہے۔ مسلمانوں میں پھوٹ پڑنے کو تو اسلام نے شرک کے مشابہ بتایا ہے یعنی عظیم ترین گناہ

لہ اسلام میں افراط اور تفریط دونوں ناجائز ہیں۔ وسعت اسلام کے نزدیک اس وقت تک وسعت ہے جب تک وہ معتدل اور مناسب ہے۔ روپیہ خرچ کرنا اچھی بات ہے لیکن افراط سے خرچ کیا جائے گا تو اسراف کہلائے گا اور تفریط سے خرچ کیا جائے گا تو بخل کے حکم میں آئے گا۔ اسی طرح اسلام شرافت اور بے غیرتی کا فرق سکھاتا ہے۔

۵ موذی جانور کو ایذا پانے سے قبل مار ڈالو۔

لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا۔ (اے مسلمانو!) تم کہیں مشرکین کی صف میں نہ جا ملنا جنھوں نے اپنے دین کے پرخچے اُڑا دیے ہیں اور گروہ گروہ ہو گئے ہیں گویا متفرق اور منتشر ہونا شرک یا مثلِ شرک یا مشابہ شرک ہے"[1] اور حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اُمّت کو حضرت ہارون علیہ السلام کے سُپرد کر کے توریت لینے طور پہاڑ پر گئے۔ اور اُن کے پیچھے سامری نے اُمت سے بچھڑے کی پوجا کرادی تو موسیٰ غصّے میں بھرے (اور) غم میں ڈوبے، واپس آئے (اور) کہنے لگے۔ اے میری قوم والو! (تمہاری عقلیں کہاں چلی گئی تھیں) کیا تم سے تمہارے رب نے (توریت جیسی مُصلح کتاب دینے کا) پیارا وعدہ نہیں فرمایا تھا۔ کیا (اُس وعدے کے پورا ہونے میں چند دن لگ جانے سے وہ) وعدہ تمہیں (بہت) لمبا معلوم ہوا۔ یا تم نے (جان بُوجھ کر) اِس کی تمنّا کی ہے کہ تمہارے رب کا قہر تم پر ٹوٹ پڑے۔ تم نے مجھ سے پیمان (حق پرستی) باندھ کر توڑا ہے۔ وہ بولے (اے موسیٰ) ہم نے تم سے پیمان بطورِ خود نہیں توڑا۔ بلکہ (ہم سامری کے بہکائے میں آگئے۔ واقعہ یہ ہے کہ مصر سے روانہ ہوتے وقت) قبطیوں کے زیورات کے گٹھڑ ہم پر لاد دیئے گئے تھے۔ ہم نے (سامری کے کہنے سے پگھلانے کے لیئے) اُن (زیورات) کو (آگ میں) ڈال دیا۔ علیٰ ہذا سامری نے (اپنا زیور بھی لاکر) ڈالا۔ پھر اُس نے (ہم) لوگوں کے واسطے (اُس پگھلے ہوئے سونے سے) بچھڑے جیسا ایک ڈھانچہ (ڈھال کر) نکالا جس میں سے

---

[1] یہاں سے "خیال نہ رکھنا" تک قرآن مجید کا بیان ہے۔

بچھڑے جیسی آواز نکلتی تھی۔ اور (بچھڑا) سامری اور سامری کے ساتھیوں نے کہا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود (دراصل یہی) ہے۔ موسیٰ جو طور پہ گئے ہیں تو بھول کر گئے ہیں (وہاں جانے کی حقیقتاً ضرورت نہیں تھی)

موسیٰ نے (ہارون کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر) کہا۔ اے ہارون! جب تو نے دیکھا (تھا) کہ یہ گمراہ ہونے جاتے ہیں تو میری پیروی (اور میری تقلید میں انہیں سمجھانے) سے تجھے کس نے روکا تھا کیا تو نے (بھی) میری نافرمانی کی۔

ہارون نے کہا۔ اے میرے ماں جائے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑو (اور مجھ پر برہم مت ہو۔ نرمی سے جتنا سمجھایا جا سکتا تھا میں نے سمجھایا لیکن میری سختی نہیں کی۔ ہاں) اس بات سے میں بے شک ڈرا کہ سختی برتوں (اور گوسالہ پرستی سے زبردستی روکوں) تو کہیں تم مجھ سے (نہ) کہو کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ پیدا کر دیا اور (میں تو صلح سلامتی سے رہنے کو کہہ گیا تھا) تو نے میری بات کا خیال نہ کیا۔ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ ○

جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ تفرقہ پڑ نے دیا ہوتا۔ گویا حضرت ہارون علیہ السلام کا عذر قبول کر لیا۔ پھر حضرت ہارونؑ خود بھی نبی تھے۔ ان کا جواب غلط ہو ہی کیسے سکتا تھا ـــ پھر اللہ ان کے جواب کو بیان کر کے غلط نہیں بتاتا۔ اس سے اندازہ لگائیے کہ اتحاد رکھنا اور تفرقہ نہ ہونے دینا کتنا اہم ہے حضرت ہارون علیہ السلام

نے اتحاد کی خاطر بنی اسرائیل کے جلد باز مشرکوں پر اتنی سختی نہیں کی جتنی سختی کا حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مستحق سمجھ رہے تھے۔

انسان نوازی اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے۔ بھول کر شرک بھی کر بیٹھیں تو بیٹہ نہ کاٹو۔ شرک چھوڑ کر لوگ توحید اختیار کر سکتے ہیں، لیکن بیٹہ کٹ گیا اور تفرقہ تو نہ توحید اختیار کریں گے اور نہ دنیا کو چین سے رہنے دیں گے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ کہتا ہے: اُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔ "لوگوں کو اپنے رب کے راستے پر حکمت کے ساتھ اور نیک وپند سمجھا کر بلاؤ" وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ "اور اُن کے اعتراضوں کا جواب دو ایسے طریقے سے دو کہ انہیں خوش گوار محسوس ہو۔"

جو طرز ہم نے اختیار کر لیا ہے یہی طرز حضورؐ کا ہوتا تو اسلام نہ پھیلتا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ج (اے محمدؐ! یہ) اللہ کی رحمت ہے کہ تم اِن (لوگوں) کے حق میں نرم ہو۔" وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ص اور جو کہیں تم تندخو اور سخت قلب ہوتے تو (سب) تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔" پیغمبر کا نرم دل ہونا اللہ کا احسان ہے تو عام کو سخت برتاؤ کی کہاں گنجائش اور سختی کر کے پیغمبر توقع نہیں رکھ سکتا کہ لوگ اس کی طرف سختی برت کر کامیابی کی توقع کیسے کر سکتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدانخواستہ مسلمان تکلیف نہیں دیتے تھے۔ حضورؐ کے صبر تحمل کی دنیا معترف ہے وہ غیر مسلموں کے ہاتھے

میں تھا غیر مسلموں کی فقط زبانوں سے نہیں، غیر مسلموں کے ہاتھوں سے حضور تکلیفیں اٹھاتے تھے۔ مگر بددعا نہیں دیتے تھے۔ بلکہ دعا کرتے تھے کہ الٰہی ان کی آنکھیں کھول۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ یا اللہ انہیں ہدایت دے۔ یہ (جاہل ہیں) حق کو پہچانتے نہیں ہیں۔

مسلمانوں کو حکم ہے: لَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے اس کا ترجمہ کیا ہے "مت برا کہو اُن لوگوں کو کہ پکارتے ہیں سوائے خدا کے" یعنی جو اللہ کی بجائے اوروں کی پرستش کرتے ہیں۔ انہیں برا مت کہو۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ اِلٰی قَوْمٍۢ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِّیْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْکُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُھُمْ اَنْ یُّقَاتِلُوْکُمْ اَوْ یُقَاتِلُوْا قَوْمَھُمْ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَھُمْ عَلَیْکُمْ فَلَقٰتَلُوْکُمْ ج بجز (غیر مسلم) اُن لوگوں میں جا ملے ہیں جن سے تمہارا عہد و پیمان ہے یا (ایسے غیر مسلم) جنہیں اپنی قوم کی طرفداری کر کے تم سے لڑنا اور تمہاری طرفداری کر کے اپنی قوم سے لڑنا پسند نہیں ہے اور وہ تنگ آ کر تمہارے ہاں پہنچ گئے ہیں، تو انہیں گرفتار کرنا اور قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ اللہ اگر چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا (اور) پھر وہ تم سے ضرور لڑتے (مگر اللہ نے ان کے دلوں کو تم سے مرعوب کر دیا) فَاِنِ اعْتَزَلُوْکُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ وَاَلْقَوْا اِلَیْکُمُ السَّلَمَ لا فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ لَکُمْ

عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝ لہٰذا اب یہ غیر مسلم تم (کو ستانے) سے باز رہیں۔ اور تم سے نہ لڑیں اور تمہارے ساتھ سلامت روی (کا برتاؤ) برتیں تو اللہ نے ایسے غیر مسلموں پر (سختی کرنے کی) تمہارے لئے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے (سختی کرنے کے تمام راستے بند کر دئے ہیں)

اور ارشاد ہے: فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا (اے محمدؐ) منافقوں سے درگذر کرو اور انہیں سمجھاؤ اور ایسی باتیں کہو کہ ان کے دل میں اتریں۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں انصاف سے نہ بھٹکائے۔ سب کے ساتھ انصاف کرو۔ یہ بات تقویٰ سے قریب تر ہے۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۔ دین کے معاملے میں زبردستی نہیں کی جا سکتی (دین کا معاملہ دل کا معاملہ ہے۔ جس کا دل ہی دین کی جانب نہیں آتا اسے زبردستی دین میں شامل کرنے سے حاصل کیا ہے) صحیح راستہ غلط راستے سے نمایاں ہو چکا (اب جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے ایمان نہ لائے)
فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۔ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ (اے پیغمبرؐ سمجھانے پر بھی لوگ نہ

سمجھیں اور معاذ مومنون ذکر ہیں دیں تو تمہارے ذمہ تو صرف دعوت الی اللہ پہنچا دینا ہے۔ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ۔ تم ان پر داروغہ نہیں بنائے گئے ہو۔

لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝ وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ ۝ نیکی اور بدی برابر کی چیزیں نہیں ہیں۔ برائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو کہ وہ دوسرے کو بھلا لگے۔ اگر تم نے یہ کیا تو تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس شخص میں عداوت تھی وہ تمہارا دلی دوست بن گیا۔ اس قسم کے برتاؤ کی توفیق اُن ہی کو دی جاتی ہے جو صبر و ضبط سے کام لیتے ہیں اور جنہیں اس قسم کی توفیق ملتی ہے وہ بڑے صاحب نصیب ہوتے ہیں۔

اسلام نے جن اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دی ہے۔ اُن کی بابت یہ کہیں نہیں کہا کہ انہیں صرف مسلمانوں کے ساتھ برتنا۔ غیر مسلموں کو اِن سے محروم رکھنا اور اِس آیت میں تو خاص کر دشمنوں سے حسنِ سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔ فرمایا کہ بُرائی کا دفعیہ ایسے برتاؤ سے کرو گے جو دوسرے کو اچھا لگے تو تم دیکھو گے کہ تم میں اور جس میں عداوت تھی وہ تمہارا دلی دوست بن گیا اور فرمایا کہ ایسا برتاؤ خوش نصیب لوگ کیا کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کسی غیر مسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو گالی دی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔

حضرت ابوبکرؓ نے گالی کا جواب نہیں دیا۔ غیر مسلم نے دوبارہ گالی دی حضرت ابوبکرؓ اُسے بھی انگیز کر گئے۔ مگر تیسری مرتبہ بدزبانی کرنے پر حضرت ابوبکرؓ سے نہ رہا گیا۔ کچھ بول اُٹھے۔ حضرت ابوبکرؓ کا بولنا حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو پسند نہیں آیا۔ حضورؐ کھڑے ہو گئے اور وہاں سے چلنے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکر! تم جب تک چُپ تھے۔ اللہ کا فرشتہ تمہاری طرف کھڑا تھا۔ تم نے جواب دیدیا تو وہ ہٹ گیا۔

حضورؐ نے فرمایا: صلہ رحم یہ نہیں ہے کہ صلہ رحم کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحم کیا جائے۔ بلکہ یہ ہے کہ جو قطع رحم کرے اُس کے ساتھ صلہ رحم کرو۔ یعنی دوستوں کے ساتھ دوستی کوئی کمال کی بات نہیں ہے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنی اصلی خوبی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: قُلْ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یَغْفِرُوْا لِلَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ اَیَّامَ اللّٰهِ لِیَجْزِیَ قَوْمًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْهَا

(اے رسول!) مسلمانوں سے کہہ دیجئے کہ اُن لوگوں سے در گذر کریں جو اللہ کے معاملہ پڑنے کی اُمید نہیں رکھتے تاکہ اللہ ہی ان لوگوں کو اُن کے کئے کا بدلہ دے جو شخص عمل نیک کرتا ہے تو اپنے (فائدے کے لئے کرتا ہے اور جو بُرائی کرتا ہے تو (اُس کا خمیازہ) اسی کو بھگتنا ہے (مسلمان بُرے کے ساتھ بُرے نہ بنیں، اور بُروں کا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیں)

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جن ہزاروں آدمیوں کو معافی دی تھی وہ حضورؐ کے دوست نہیں تھے: دشمن تھے خون

کے پیاسے۔ اِن میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے ہجرت کے دن اعلان کیا تھا کہ جو حضورؐ کو قتل کرکے یا زندہ پکڑ کے لائے گا اُسے انعام ملے گا۔

حضورؐ نے اُس یہودی کو معاف فرمایا جس نے خیبر میں حضورؐ کی دعوت کی تھی اور زہریلا کھانا کھلانا چاہا تھا۔

حضورؐ نے اپنے چچا کے قاتل کو معاف کیا اور چچا کا کلیجہ چبانے والی کو معاف کیا۔

حضورؐ نے اُس شخص کو معاف کیا جس نے حضورؐ کی بیٹیؓ کی جان لینے کی صورت پیدا کردی تھی۔

حضورؐ نے اُن طائف والوں کو معاف کیا جنہوں نے سنگ باری کرکے حضورؐ کا اتنا خون بہایا کہ جوتی خون سے بھر گئی تھی۔

حضورؐ دشمنوں کو دعائیں ہی دیا کرتے تھے اور کوئی بد دُعا کرنے کی درخواست کرتا تو حضورؐ کہتے: میں رحمت لے کر آیا ہوں، لعنت لے کر نہیں آیا۔

مسلمانوں کو تو بے مہار نہیں چھوڑا گیا کہ اہل ہوں یا نہ ہوں دین کے معاملوں میں جمہور مسلمین سے اختلاف کرنے بیٹھ جائیں اور کبھی روس کی کسوٹی پر دین کی جانچ کریں اور کبھی امریکہ کی کسوٹی پر، لیکن غیر مسلم اللہ کے نزدیک دین کے معاملے میں آزاد ہیں۔ اُنھیں اسلام کی تبلیغ کردی جائے اس کے بعد وہ جانیں اور اللہ جانے ——— جو غیر مسلم اسلام کی تبلیغ میں مزاحمت نہ کریں اور اسلامی نظام سے نہ ٹکرائیں، اُنھیں اسلام نے امن کی زندگی گذارنے کا بالکل مسلمانوں جیسا حق دیا ہے۔ وہ اپنے مذہب کے مطابق امورِ زندگی کی تنظیم کرسکتے ہیں اور عبادات بجا لاسکتے ہیں۔ اسلام

قطعی دخل نہیں دے گا بلکہ اُن کے عبادت خانوں کی حفاظت کرے گا۔

ایک اور فقط ایک موقع ہے کہ اُس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ترکِ موالات کی بھی ہدایت ہے اور لڑنے کا بھی حکم ہے۔ وہ موقع ہے اسلام کے پیچھے پڑ جانے کا۔ غیر مسلم اگر اسلام کے درپے ہو جائیں، اسلام کے مٹانے کی سازشیں اور کوششیں کریں تو انھیں رفیق اور راز دار مت بناؤ۔ اُن سے میل جول نہ رکھو اور لڑنے کا مرحلہ آ جائے تو جان کی بازی لگا دو۔ سو اپنی نیک تحریک کے قیام و بقا اور اپنی مفید خلائق تحریک کی حفاظت کی خاطر یہ بات ہر تحریک کا سربراہ کرتا ہے۔

اس موقع کے علاوہ اسلام کا فیصلہ صاف ہے: لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (اے مسلمانو!) اللہ تمہیں (اس سے) نہیں روکتا کہ تم اُن لوگوں سے جو تم سے دین (کے معاملے) میں نہیں لڑے اور جنھوں نے) تم کو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ بھلائی، اور منصفانہ برتاؤ کرو۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے

اور

اَلَّذِیْنَ عَاھَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْکُمْ شَیْئًا وَّلَمْ یُظَاھِرُوْا عَلَیْکُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ اِلٰی مُدَّتِھِمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝ جن مشرکوں سے تم نے (صلح کا) معاہدہ کر رکھا ہے اور اُن مشرکوں نے (عہد نبھانے میں) کچھ کوتاہی نہیں کی اور نہ تمہارے

مقابلے میں (تمہارے) کسی (دشمن) کی مدد کی تو تم اُن سے کئے ہوئے معاہدے کو اُن (کے عہد) کی مدّت (معیّنہ) تک (نباہو اور) پورا کرو (اور ہرگز بد عہدی مت کرو) اللہ (پرہیزگاروں اور) متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے غیر مسلموں کے ساتھ معاہدہ کا پورا کرنا، تقوے کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ ہاں اسلام ذاتی اغراض اور شخصی منافع کے لئے دوستی و دشمنی کا قائل نہیں ہے۔ وہ کہتا ہے اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ دوستی بھی اللہ کے لئے کرو اور دشمنی بھی اللہ کے لئے کرو۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یثرب (مدینہ منورہ) پہنچ کر فقط مسلمان مہاجرین اور مسلمان انصار کا ہی بھائی چارہ نہیں کرایا تھا۔ یثرب کے یہودیوں سے بھی مسلمانوں کو ملا دیا تھا اور اس ملاپ اور سمجھوتے میں یہودیوں کی مذہبی آزادی کا صاف صاف اعلان کیا تھا۔

ایک دفعہ یہودی توریت لے کر حضورؐ کے پاس آئے۔ حضورؐ نے توریت کو تکیے پر رکھ لیا اور فرمایا۔ میں اس کتاب کی بھی تعظیم کرتا ہوں اور اس کتاب کے لانے والے (یعنی موسےٰ علیہ السلام) کی بھی تعظیم کرتا ہوں۔

نجرانی عیسائیوں کا وفد حضورؐ کی خدمت میں آیا تو حضورؐ نے اُنہیں مسجد میں اپنے طریقے سے عبادت کرنے کی اجازت دے دی۔ صحابہ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! یہ تو نجس ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔

کوئی انسان نجس نہیں ہوتا۔ البتہ انسان اپنے کو خود نجس بے شک بنا لیتا ہے۔

اللہ تعالےٰ نیک توفیق عطا فرمائے۔ انہیں جو چھوٹے چھوٹے مسائل اٹھا کر مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑواتے ہیں۔

۵ ستمبر ۱۹۵۸ء کے صدق جدید (لکھنؤ) نے رسالہ برہان، (دہلی) سے حضرت الفاضل علامہ گیلانی کے کسی مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے۔ علامہ علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں: "کیدانی فقہ کے متن کی ایک عبارت کی بدولت سرحد و کابل و ترکستان وغیرہ میں معمولی فقہی جزئیہ کی وجہ سے ایک فتنہ صدیوں برپا رہا یعنی نماز میں التحیات پڑھتے ہوئے تشہد کے موقع پر انگلی اٹھائی جائے یا نہ اٹھائی جائے۔ کیدانی کا رجحان انگلی نہ اٹھانے کی طرف ہے۔ اس پر اصرار کرنے والے اصرار کرتے تھے اور جو انگلی اٹھاتا تھا بسا اوقات اس کی انگلیاں توڑ دی جاتی تھیں یا تراش لی جاتی تھیں۔ علامہ رشید رضا آفندی مصری نے براہِ راست بعض افغانیوں سے پوچھا۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ہاں ایسا ہوتا تھا۔"

ایسا ہی ہونے نے اسلام کو بدنام کر دیا۔ غیر مسلم کیا مسلم بھی اسلام کی سبقاً سبقاً تعلیم نہیں پاتے۔ سب یہ دیکھتے ہیں کہ اسلام کے پیروؤں کی روش کیا ہے۔ اسلام کے پیرو کیا کر رہے ہیں۔ پیروؤں کی حرکتوں سے اسلام کی بابت رائے قائم کی جاتی قدرتی بات ہے۔ میری یہ مختصر سی تحریر وہ رائے کیوں کر بدلے گی۔ بہرحال مسلمانوں مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے والے بھی ملا ہیں اور میں بھی ملا ہوں۔ میں غیر مسلموں کے دل سے غلط فہمیاں دھونی چاہتا ہوں

اور علامہ گیلانیؒ تو آخری زمانے کے ممتاز عالم تھے[1] لڑانے والوں ہی کو کیوں دیکھا جائے، ملانے والوں کی بھی سُنئے۔

اسلام نے ہرگز ان سختیوں کی اجازت نہیں دی۔ اسلام نے نرمی و شفقت اور رحم و رافت کی ہدایت فرمائی ہے اور رواداری کو قائم کیا ہے۔ ہم خیال و ہم عقیدہ بنانے کے لئے دباؤ استعمال کرنا اور اختلاف خیال و عقیدہ کی بنا پر تنگ کرنا اسلام میں منع ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

---

[1] اپنے پورے دین پر کسی قوم نے کبھی عمل نہیں کیا۔ صرف ہمارے دین کا ایک دور ایسا گذرا ہے کہ قوم کی قوم دین کے رنگ میں رنگ گئی تھی۔ لیکن ادھر خلافت خود غرضی سے بدلی۔ ادھر وہ دور ہلکا پڑنے لگا اور ہلکا پڑتے پڑتے بری نوبت کو پہنچ گیا۔ علمائے سوء دورِ خود غرضی کی پیداوار ہیں۔ اسلام جیسے عاقلانہ اور مشفقانہ دین کو سبک خود غرضی ہی نے کیا ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے مسلمانو! مجھے ڈر ہے تمہارا دل کہیں دولت و اقتدار سے نہ لگ جائے۔ (اوکما قال) حضورؐ کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ دولت و اقتدار ہر قوم کو اندھا اور بے کپے کر دیتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا بڑا فضل تھا اور ہے کہ مسلمانوں میں علمائے خیر بھی برابر پیدا ہوتے رہے اور برابر پیدا ہو رہے ہیں اور اسلام پر قوم کی قوم کا نہ سہی افراد کا کامل دینی عمل ہمیشہ رہا ہے اور اب تک ہے۔ ان افراد میں لاکھوں کے نام زندہ ہیں اور کروڑوں کے نام ہم آپ نہیں جانتے۔ خدا جانے کتنے تھے جن کے نزدیک حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی طرح اصلی کرامت قرآن سنت کی پیروی ہی تھی اور جو ہر آن ملحوظ رکھتے تھے کہ مَنْ یَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَہٗ۔ جس نے اللہ کی حدود (اور اللہ کے بتائے ہوئے قانون) کو توڑا اس نے یقین جانو اپنے نفس پر ظلم عظیم کیا۔ (اپنا دین بھی بگاڑ لیا اور دنیا بھی)۔

اسلام کا دستور العمل ہے۔

ذرا ملاحظہ کیجئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرب کے یہودیوں کو کیا سند عطا کی تھی۔ سر ولیم میور اپنی کتاب "دی لائف آف محمدؐ" میں اس سند کے حسب ذیل الفاظ لکھتے ہیں:

"یہودیوں کی امداد و اعانت کی جائے گی۔ یہودی اپنے مذہب پر رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب پر، لیکن بیرونی حملوں کی مدافعت میں یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔"

ایک اور فرمان:

"یہ فرمان، محمدؐ رسول اللہؐ نے تمام قریش اور تمام اہل یثرب کو لکھ کر دیا ہے۔ خواہ وہ کسی مذہب اور کسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں کہ صلح و جنگ کی حالت سب کے لئے عام ہوگی یہود جو ہماری حکومتِ اسلامیہ میں رہتے ہیں۔ انہیں ہر اذیت اور ذلت سے بچایا جائے گا۔ انہیں نصرت و حمایت و حسن سلوک کے حقوق مسلمانوں کے مساوی حاصل رہیں گے۔ بنی عوف، بنی نجار، بنی حارث، بنی حشم، بنی غالب بنی اوس، (یعنی یہود) اور جملہ باشندگان یثرب مسلمانوں کے ساتھ ایک قوم سمجھے جائیں گے۔

جو قبیلے یہود کے دوست ہیں اور یہود کے زیر حفاظت ہیں ان کا بھی ویسا ہی اعزاز کیا جائے گا جیسا کہ خود یہود کا کیا جائے گا۔"

عیسائیوں کے لئے امن نامہ

"یہ امن نامہ ہے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے یوحنا بن روبہ (ایلہ کے حاکم) اور ایلہ کے پادریوں اور باقی تمام لوگوں کے لئے، جو خشکی میں ہوں یا تری میں وہ اللہ اور اس کے رسول کی امان میں ہیں۔"

منذر بن ساوی کے نام خط:

"تمہارے قاصدوں نے تمہاری نسبت اچھے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ جو لوگ مسلمان ہو گئے ہیں تم انہیں مسلمان رہنے دو، اور جنہوں نے نہیں مانا ہے۔ انہیں میں نے معاف کر دیا۔ تم بھی معاف کر دو۔

تم جب تک عدل و انصاف کرتے رہو گے تمہیں معزول نہیں کیا جائے گا۔ یہودی اور مجوسی اپنے اپنے مذہب پر رہیں ان سے صرف جزیہ (ٹیکس) لیا جائے گا۔"

آزادی کی انتہا:

یہ عہد نامہ ہے جسے محمدؐ بن عبداللہ، رسول اور بشیر و نذیر نے لکھا ہے تاکہ بعد کے لوگوں کے لئے عذر اور بہانہ باقی نہ رہے۔ اس عہد نامے کو میں نے نزدیک اور دور، مشرق اور مغرب، عرب اور عجم، حال اور مستقبل کے عیسائیوں کے واسطے لکھا ہے مسلمانوں میں سے جو اس عہد کو توڑے گا اور اس سے تجاوز کرے گا وہ اللہ کے ہاں عہد شکن ٹھیرے گا اور اللہ کی لعنت کا سزاوار بنے گا۔ خواہ حاکم ہو یا رعیت

میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر کوئی راہب یا عیسائی سیاح وغیرہ پہاڑ، جنگل، آبادی، صحرا یا عبادت خانے میں میری حمایت کا خواستگار ہوگا تو میں اپنے اعوان و انصار کے ساتھ اُس کی حمایت کروں گا اور اُسے اُس کے دشمنوں سے بچاؤں گا۔ کیونکہ وہ میرے ذمّی ہیں اور مجھے دشمنوں کی ایذا سے بچنے کے لیئے جزیہ (ٹیکس) دیتے ہیں۔ لیکن اگر وہ چاہیں کہ اپنی جان، مال اور آبرو کی بطورِ خود حفاظت کریں تو میں اس پر بھی رضامند ہوں۔

کسی بشپ کو اُس کے عہدے سے۔ کسی راہب کو اُس کی کی رہبانیت سے اور کسی عابد کو اُس کی عبادت گاہ سے اور کسی سیاح کو اُس کی سیاحت سے نہ روکا جائے۔ اُن کی گرجائیں منہدم نہ کی جائیں۔ گرجاؤں کی کوئی چیز مسجدوں اور گھروں کے بنانے میں نہ لگائی جائے جو مسلمان ایسا کرے گا وہ اللہ اور رسول سے وعدہ شکنی کرے گا۔

راہبوں اور بشپوں سے جزیہ (ٹیکس) اور تاوان نہ لیا جائے۔ جو عیسائی اماکنِ متبرکہ میں گوشہ نشین ہیں، وہ جو کچھ بوئیں جوتیں، اُس کا اُن سے عشر نہ لیا جائے اور غلّہ کی اُن کے ہاں کمی پڑے تو اُنہیں غلّہ دیا جائے۔ جنگ میں مدد کرنے تکلیف وہ چاہیں کریں چاہیں نہ کریں۔ اِس عہد کی خلاف ورزی قیامت تک نہ ہو۔"

والٹیئر کا قول ہے:

"میں اس بات سے جو آپ کہتے ہیں مکمل اختلاف کرتا ہوں لیکن آپ کو یہ بات کہنے کا قطعی حق ہے اور میں آپ کے اس حق کے لئے تادمِ زیست لڑتا رہوں گا"۔ اس ذہنیت کی بنیاد حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ڈالی تھی جنہیں اسلام اور اسلام کے پیروؤں سے کد نہ ہو۔ اسلام اور اسلام کے سچے پیروؤں کے نزدیک انہیں حق ہے کہ وہ اپنے عقائد پر رہیں اور عزت، آبرو اور آزادی کے ساتھ زندگی گذاریں۔ بلکہ یہ ایسی پالیسی تھی جسے اسلام کے ناقص پیروؤں، یعنی مطلق العنان بادشاہوں تک نے نباہا۔ مسلمانوں میں ذاتی عقائد ٹھونسنے کی مثالیں ملتی ہیں۔ لیکن غیر مسلموں کے عقائد وغیرہ سے کبھی چھیڑ نہیں کی گئی اور سچے مسلمانوں کا کام تو ہمیشہ صرف اسلام کا پہنچا دینا رہا۔ اسلام کا ٹھونسنا کبھی نہیں رہا۔"

خلفائے راشدین کے معاہدے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے معاہدوں کی طرح محفوظ ہیں اور شاہانِ اسلام کا حال عام تاریخوں میں پڑھ لیجیے۔ ذیل میں فقط ایک خلیفہ کے معاہدے کا اقتباس درج کرتا ہوں۔ حضورؐ کے معاہدوں اور خلیفہ کے معاہدے میں ذرہ برابر فرق نہیں ہے۔ فرماتے ہیں:

"اللہ کے نام پر جو غفور اور رحیم ہے، یہ معاہدۂ حفاظت ہے جسے اللہ کا بندہ عمر اہلِ اسلام کے سالار کی حیثیت

سے یروشلم کے لوگوں کے ساتھ کرتا ہے۔ عمر یروشلم کے
عیسائیوں کو اُن کی جان، مال، معابد، صلیبوں اور مریضوں
اور صحت مندوں سب کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔
اُن کے معبدوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔ انہیں اُن
کے قبضہ میں رکھا جائے گا۔ نیز اُن کی کوئی زمین نہیں چھینی
جائے گی۔ یہ اللہ اور اُس کے رسول ؐ کے احکام کی رو سے ہے
اور میرے پیش رو خلیفہ (ابوبکر صدیق رضؓ) کے ارشادات کے
مطابق ہے، اور تمام اہل اسلام کے منشا کے مطابق ہے۔"

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ایک مشرک
عورت اسلام کی ہجو میں اشعار گاتی پھرتی تھی۔ حاکم نے اسے گرفتار کر لیا۔
حضرت ابوبکر کو اطلاع ہوئی تو حضرت نے حاکم کے نام اِس مضمون کی تحریر
بھیجی :

"ہم نے اُس کے شرک سے درگذر کیا ہے تو ہجو تو بہرحال شرک
سے کم درجے کی شے ہے۔"

حضرت اسامہ بن زید جب فوج لے کر رومیوں کے مقابلے کے
لئے شام جانے لگے تو حضرت ابوبکر نے اُن سے فرمایا :

"دیکھو، فریب، دغا، خیانت اور مثلہ (یعنی ہاتھ پاؤں
کاٹ ڈالنے) سے بچنا۔ عورتیں، بچے اور بوڑھے قتل
نہ ہونے پائیں۔ گوشہ نشین لوگوں پر سختی نہ کی جائے۔"

ایک مرتبہ عراق کے عیسائیوں نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں

عرض کیا کہ جسے آپ نے ہم پر حاکم مقرر فرمایا ہے وہ بھی ستاتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے تحقیقات کے بعد حاکم کو لکھا :

"تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس حکم سے روگردانی کی ہے کہ غیر مسلموں کے حقوق کا خیال رکھا جائے۔ لہٰذا جواب دہی کے لئے تیار رہو۔" اور پھر اُسے بلا کر عہدے سے ہٹا دیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں دمشق کا محاصرہ جاری تھا۔ ایک سمت حضرت ابو عبیدہ نے گھیرا ڈال رکھا تھا۔ دوسری سمت حضرت خالد نے۔ حضرت خالد جست لگا کر شہر پناہ کے اوپر چڑھ گئے۔ اور اندر اُتر کر انھوں نے شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا۔ فوج شہر میں داخل ہو گئی حضرت ابو عبیدہ کو اس کی خبر نہ تھی۔ اہلِ شہر نے حضرت ابو عبیدہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور حضرت ابو عبیدہ سے صلح کر لی۔ شہر میں مسلمانوں کا ایک لشکر ایک سمت سے فاتحانہ گھس رہا تھا اور دوسرا لشکر دوسری سمت سے صلح قبول کر کے آ رہا تھا۔ وسط شہر میں دونوں کی ملاقات ہوئی اور عقدہ کھلا۔ حضرت خالد نے صلح کا احترام کیا اور فتح کردہ حصے کو بھی صلح کے ماتحت کر دیا۔ قیدی چھوڑ دیئے اور مالِ غنیمت لوٹا دیا۔

اسکندریہ پر قبضہ کرنے کے بعد کسی مسلمان سپاہی کے تیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مجسمے کی آنکھ ٹوٹ گئی تھی۔ اسکندریہ کے عیسائیوں نے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص سے کہا کہ تم عدل کے مدعی ہو تو اپنے پیغمبر کا مجسمہ بناؤ۔ ہم اس کی آنکھ توڑ دیں گے۔ حضرت عمرو بن العاص نے فرمایا

یہ تو بالکل لغو بات ہے۔ لو یہ خنجر لو اور میری آنکھ پھوڑ دو۔ خنجر عیسائی کے ہاتھ میں تھما دیا۔ مگر عیسائی اس جرأتِ مؤمنانہ سے ایسا متاثر ہوا کہ خنجر اُس کے ہاتھ سے گر پڑا

والیٔ مصر حضرت عمرو بن العاص چوگان کھیل رہے تھے۔ کسی قبطی کا گھوڑا حضرت عمرو بن العاص کے گھوڑے سے آگے نکل گیا۔ حضرت عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ کو غصہ آ گیا۔ انہوں نے قبطی کی کوڑے سے خبر لے ڈالی۔ قبطی مدینہ منورہ پہنچا اور حضرت عمر کے سامنے یہ واقعہ پیش کیا۔ حضرت عمر نے حضرت عمرو بن العاص اور اُن کے بیٹے کی طلبی کے احکام جاری کر دیئے۔ وہ دونوں حاضر ہو گئے تو قبطی سے کہا۔ جس نے تجھے کوڑے سے پیٹا تھا تو بھی اس کے کوڑے مار اور اتنے کوڑے مار جتنے اُس نے مارے تھے۔ چنانچہ قبطی نے عبداللہ سے بدلہ لیا۔

تمام شریف عیسائی مورخ اِن حقائق کو تسلیم کرتے ہیں۔

ایڈم میٹس اپنی تصنیف "چوتھی صدی ہجری میں اسلام کی نشاۃ الثانیہ" میں قرونِ وسطیٰ کی اسلامی تہذیب کے ایک وصف کی طرف توجہ دلاتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "مسلمانوں کی صفوں میں دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کی بڑی تعداد ملتی ہے جو اُس رواداری، ہم آہنگی اور رفیقانہ تعاون کا نتیجہ تھی جس کی اسلام نے تعلیم دی ہے، اور جس سے اُس زمانے کا یورپ ناواقف تھا۔ اسلامی قوانینِ حکومت میں غیر مسلموں پر کاروبار کے سلسلے میں مطلق پابندی عاید نہیں کی گئی ہے۔ چنانچہ

اسلامی مملکتوں میں بعض بڑے نفع بخش کاروبار پر غیر مسلم قابض تھے اور
ان کے پاس بڑی دولت تھی اور ملکیتیں تھیں۔ اسلامی حکمرانوں نے شاذ ہی
کبھی غیر مسلم رعایا کے معاملات میں مداخلت کی ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس
وہ غیر مسلموں کے میلوں اور تہواروں اور رسوم میں حصہ لیتے تھے۔"

"مقامی اور غیر ملکی کلچر، فلسفہ اور تصوف، قدامت پسندی
اور جدت پسندی، سب کو اسلام کی آغوش میں جگہ حاصل ہے۔ لہٰذا
علم کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں اسلام نے ذہنی سرگرمیوں پر
قدغن عاید کیا ہو۔ اسلام میں مذہب اور سائنس کا اختلاف کوئی اہم
مسئلہ نہیں ہے۔"

"انسانی ترقی کے موجودہ دور میں مسلمان اگر مذہب بالا حقیقت کو
سمجھیں تو ان کی خود اعتمادی عود کر آئے گی اور وہ دوبارہ امن عالم کو برقرار
رکھنے اور انسانی خوش حالی کے اضافے میں مؤثر حصہ لے سکیں گے
اور مغرب کے لوگ اس حقیقت پر غور کریں تو انہیں پتہ چلے گا کہ مشرق کے
روشن دور میں اسلام نے کتنا گراں قدر اضافہ کیا ہے۔"

ان واقعات کو پڑھنے کے بعد منصف مزاج یورپین محقق بے اختیار
کہہ اٹھتے ہیں:

"یہ الزام کہ اسلام قبول نہ کرنے کی سزا تلوار تھی اتنی ہی
بے ہودہ ہے جس طرح اور الزام جو غیر مذاہب والوں نے
قطعی ناانصافی سے اسلام پر لگائے ہیں۔
الزام لگانے والے یا تو اسلام کو جانتے نہیں یا دیدہ و دانستہ
حقائق پوشی کرتے تھے۔

ڈاکٹر [illegible]

"مذاہب عالم میں اسلام تنہا ایسا مذہب ہے جو
تنخواہ دار مبلغوں اور منظم تبلیغی مشنوں کی بجائے
عامۃ المسلمین کے ذریعہ زمین کے اس سرے سے اُس
سرے تک پھیل گیا۔
اسلام کی اشاعت مسلمان سلاطین نے نہیں کی۔ بلکہ
صوفیوں، سیاحوں، اور تاجروں نے اپنا اچھا نمونہ پیش
کرکے اسلام کو پھیلایا۔
مسلمان تاجر بڑے کامیاب مبلغ ثابت ہوئے۔ صوفیوں
کا پھر بھی ایک مشن تھا۔ وہ تھے ہی اسلام کے واسطے وقف
لیکن تاجروں کا تجارت کے دوران میں کچھ اس قسم کا کردار
رہتا تھا کہ اسلام خود بخود لوگوں کے دلوں میں اُتر جاتا تھا۔
اسلامی افواج نے کبھی کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں
کیا۔ اسلامی افواج سے فقط اسلامی مقبوضات کی حفاظت
اور نظم و نسق کا کام لیا جاتا تھا"

(مسز تھامس آرنلڈ)

"اسلامی فوجیں جہاں کہیں گئیں۔ قرآن کی تعلیم اُن کے ساتھ
رہی۔ انہوں نے کسی جگہ ظلم و جور کا ارتکاب نہیں کیا۔ کسی
قوم کو انہوں نے اس بنا پر تہ تیغ نہیں کیا کہ وہ اسلام
قبول کرنے سے انکار کرتی تھی"

(روبن سن)

اسلام نے اپنے عقائد منوانے کے لیے تلوار ہرگز نہیں

پھیلائی۔ یہ کہنا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے ایک
من گھڑت افسانہ ہے۔ حقیقت میں مسلمانوں نے مفتوحہ
اقوام کے ساتھ جو رواداری برتی ہے اس کی نظیر یورپین
مذہبوں کا یورپ نہیں پیش کر سکتا۔"

(ای۔ ڈی۔ پورٹر)

"مسلمان جب ملک میں پہنچے انہوں نے وہاں والوں کے
مذہبی خیالات و عقائد کو نہیں چھیڑا بلکہ ان کی مذہبی
آزادی کو قائم رہنے دیا۔ قرآن نے مسلمانوں سے کہا ہے
کہ جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی ان سے لڑو مگر زیادتی نہ کرو
خدا زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(ایچ۔ پامر)

"مشرق کے عیسائی مسلمانوں کی حکومت میں خوش رہتے
تھے، کیونکہ مغرب کے عیسائی حکمران انہیں رومن کیتھولک
بننے پر مجبور کرتے تھے اور وہ رومن کیتھولک نہیں بنتے تھے تو
انہیں مار ڈالتے تھے۔

جب غیر مسلموں نے مسلمانوں کے پیغام صلح کو ٹھکرا دیا تو ان
سے مسلمان بے شک لڑے اور حالتِ جنگ میں غیر مسلموں
کے بعض عبادت خانوں کا نقصان بھی ہوا۔ لیکن زمانۂ
امن میں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش کرنا مشکل ہے۔"

(گبن)

"جن کی طبیعتیں عصبیت سے پاک ہیں وہ بلا جھجکے

اس بات کو تسلیم کریں گے کہ محمد کا دین مشرقی دنیا کے لئے ایک نعمت تھا۔ اسی وجہ سے انہیں خون ریز تدبیروں کی حاجت نہیں پڑی۔ ایسے دین کے ساتھ گستاخانہ پیش آنا اور اس کی بیجا مذمت کرنا بہت بری حرکت ہے۔ جنہوں نے عیسائیت اور اسلام دونوں کا مطالعہ کیا ہے وہ یہ ماننے پر مجبور ہیں کہ اسلام کے احکام عمدہ اور اسلام کے تمام عمل اچھے ہیں، اور اسلام سے انسانوں کو بڑا فائدہ پہنچا ہے۔"

(جان ڈیون پورٹ)

عیسائی مورخوں کے اعترافات سے آگے کسی مسلمان کی تحریر نقل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر چونکہ بے شمار غیر مسلم اعتبار کرتے ہیں ان کے ایک مضمون کا اقتباس پیش کرتا ہوں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"مسلمان دنیا میں صرف اس لئے آئے ہیں کہ حکومت الہیہ قائم کریں۔ اللہ کے عبادت خانوں کی حفاظت کریں اور نوع انسانی کو ظالموں اور سرکشوں کی شرارتوں سے بچائیں۔ چنانچہ جب ایک مذہب دوسرے مذہب کو برباد کرنا چاہتا تھا، جب کہ ہر قوم چاہتی تھی کہ خدا کی زمین صرف ہمارے لئے وقف ہو جائے اور کسی دوسری قوم کے مذہب اور مذہبی عمارات کو اس پر جگہ نہ ملے تو مسلمانوں ہی کی تلوار تھی جس نے ان کو ظلم و استیلا سے بچایا اور برباد اور ہلاکت سے نجات دلائی۔

جزیرہ عرب و یمن کے اندر مسلمانوں کی توجہ سے عیسائیوں

کو جو نفع عظیم پہنچا، اُس کا تذکرہ طولانی اور محتاج تمہید ہے لیکن یہ کون نہیں جانتا کہ مصر کے قبطیوں کو جس قوم نے عیسائیوں کے مذہبی ظلم سے نجات دلائی اور قبطی معابد کو آزادی بخشی وہ مسلمان ہی تھے۔ چھٹی صدی عیسوی میں خود عیسائیوں ہی کے اندر انتہا درجہ کی مذہبی تفریق، تعصب اور جنگ و جدال تھا۔ ایک چرچ دوسرے چرچ کے پیرو کی تکفیر کرتا تھا اور جلا وطنی کی سزا دیتا تھا اور بسا اوقات زندہ جلا دیتا تھا۔ خصوصیت کے ساتھ گریک چرچ اس تعصب میں سب سے بڑھ چڑھ کر تھا جس کے ہاتھوں مذہب یعقوبی فرقے کو کیسی کیسی دلگیر مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ یہ مسلمان ہی تھے جنھوں نے مصر اور اسکندریہ میں اس فرقے کو پناہ دی یہاں تک کہ اس کے معابد محفوظ ہو گئے اور یہ فرقہ آزادی کے ساتھ اپنے گرجوں کے اندر اقرار توحید کے ساتھ خدائے مسیح کی پرستش کرنے لگا۔ پھر اسلامی حکومتیں قائم ہوئیں۔ گو اسلام کی شرعی خلافت کا یہ دور نہیں تھا۔ تاہم شاہانہ امویہ و عباسیہ کے عہد پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ تمام مذاہب و ملل کو اسلامی حکومتوں میں کس طرح آزادی دے دی گئی تھی اور علی الخصوص عیسائیوں کے فرقے کس طرح مسلمانوں کی بدولت بربادی سے بچ گئے تھے گو خود اسلامی عقائد کو آزادی حاصل نہ تھی۔ شوافع حنابلہ کے دشمن تھے اور حنابلہ شوافع کے۔ سنیوں اور شیعوں کا باہمی قتال بھی ایک داستانِ خونیں ہے۔ خوارج اور

قرامطہ کے حالات تاریخ میں پڑھیے۔ ہمیشہ ایک فرقے نے دوسرے فرقے کو تباہ کیا۔ تاہم یہ کیسی عجیب بات ہے کہ مسلمان خود تو ایک دوسرے کو برباد کرتے تھے لیکن غیروں کو انہوں نے ہمیشہ پناہ دی اور ذمیوں کے حقوق میں کبھی بے احترامی نہ ہونے دی۔ بغداد کے شوافع نے حنابلہ کا محلہ توڑ پھوڑ لوٹ لیا۔ مگر عیسائیوں کے گرجوں کی برابر حفاظت ہوتی رہی۔"

گاندھی جی کی رائے بھی سن لیجئے۔ فرماتے ہیں:

"قرآن صاف الفاظ میں کہتا ہے لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ یعنی مذہب جبر سے اختیار کرنے کی چیز نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام کی سیرت بھی اس الزام کی پوری تکذیب کرتی ہے کہ اسلام بجبر پھیلا ہے۔ اسلام عالمگیر مذہب ہی نہ ہوتا اگر اس کی جبریہ تبلیغ کی جاتی۔ میرا پختہ عقیدہ ہے کہ اسلام نے تلوار کے بل پر رسوخ حاصل نہیں کیا۔ میں نے ایک بے لوث طالب علم کی طرح پیغمبر اسلام کی سیرت (طرز زندگی) اور قرآن کا مطالعہ کیا ہے۔ میں قرآن کی تعلیم کو عدم تشدد کے موافق پاتا ہوں۔"

غرضیکہ منصف مزاج غیر مسلموں کے بیانات کہاں تک درج کروں۔ بیانات لاتعداد ہیں۔ میں تو سو کی ایک بات کہتا ہوں کہ اسلام کا نمونہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

حجاج بن یوسف جیسے مسلمانوں کی کسوٹی پر اسلام کو پرکھنا
چاہیے۔ حضور سرور کائنات کا طرز عمل پیش نظر رکھنا چاہیے۔ حضور
کا طرز عمل یہ تھا کہ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے تو ... جو لوگ تھے
جنہوں نے حضور کو آٹھ سال وطن سے نکال رکھا تھا، جو حضور کے
راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ حضور پر آوازے کستے تھے۔ حضور پر
پتھر برساتے تھے۔ حضور کو لہولہان کر دیتے تھے۔ نماز پڑھتے تو
پشت مبارک کو اوجھڑیوں سے دبا دیتے تھے۔ گلے میں پھندے
ڈال ڈال کر کھینچتے تھے۔ حضور کو اور حضور کے متبعین کو اور ان
کی عورتوں اور بچوں سمیت پہاڑ کی گھاٹی میں تین سال محصور رکھ چکے
تھے اور درختوں کے پتے اور گرے پڑے ... کھا کر گزارا کرنے پر
مجبور کر چکے تھے۔ غرض کہ حضور نے اور حضور کے متبعین نے ان کے
ہاتھوں سے وہ وہ ظلم سہے تھے کہ ان ظلموں کا تصور رونگٹے کھڑے
کر دیتا ہے اور جسم کو لرزا دیتا ہے۔ لوہے کی تپتی ہوئی سلاخوں سے
مسلمانوں کے جسم داغے جاتے تھے۔ انہیں آگ جیسی گرم ریت
کے اوپر لٹایا جاتا تھا۔ بورے میں بند کیا جاتا تھا اور بورے کے اندر
دھواں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ مگر معلوم ہے حضور نے ان ظالم دشمنوں
سے کیا سلوک کیا۔ ان سے کیا بدلہ لیا۔ حضور نے ان سے فرمایا
"میں تمہیں اس طرح معاف کرتا ہوں جس طرح یوسف علیہ السلام نے
نے اپنے بھائیوں کو معاف کیا تھا لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ آج

لہ حجاج نے کبھی ذمیوں پر کوئی ظلم نہیں کیا تھا۔ ظالم وہ مسلمانوں کے لئے تھا۔

تم پر کچھ الزام نہیں ہے۔)

اہل مکہ نے مہاجرین کے مکانوں پر قبضہ جمالیا تھا۔ بجائے اس کے کہ مہاجرین کے مکان واپس دلائے جاتے حکم ہوا کہ مہاجرین مکانوں کو اہلِ مکہ ہی کے قبضہ میں رہنے دیں اور اُن کی ملکیت سے دست بردار ہو جائیں۔

الہ آباد کے مشہور و معروف پنڈت سندر لال جی اپنی کتاب حضرت محمدؐ اور اسلام میں لکھتے ہیں:

"ایسے ہی وقت پر آدمی اصلی رنگ میں دکھائی دیتا ہے۔ زندگی بھر کے دشمنوں کے اوپر محمد صاحب (صلعم) کی سب سے بڑی جیت کا دن، اُن کی اپنی آتما (نفس) کے اوپر بھی سب سے بڑی جیت کا دن تھا۔

جس وقت انھوں نے اپنے کٹر دشمنوں کے شہر میں پاؤں رکھا، صرف چار نام اُن کے پاس ایسے تھے جنہیں انصاف کی رُو سے سزا دینا ضروری تھا۔

پیغمبر کی طرح اُن کی فوج نے بھی اُنہیں کی مثال پر عمل کرتے ہوئے ٹھنڈے دل سے اور چُپ چاپ شہر میں قدم بڑھائے نہ ایک مکان لوٹا گیا اور نہ ایک عورت کی بے عزتی کی گئی۔

اُس زمانے کے فوجی اتہاس (تاریخ) میں سچ مچ یہ ایک اَن ہونی بات تھی۔ جن چار آدمیوں کو سزا دینی ضروری تھی ان میں سے بھی تین کو معاف کر دیا۔"

فتح مکہ سے پہلے بھی جب کبھی مکے کے مشرک مدینہ پر چڑھ کر گئے تو حضور ؐ نے یہی ہدایت کی کہ

"مسلمانو اپنے تیر قابو میں رکھو۔ دشمن قریب آئے تو چلاؤ ورنہ مت چلاؤ۔ اور تلواریں صرف اس وقت استعمال کرو کہ دشمن تمہاری صفوں میں داخل ہو جائے۔"

ان جنگوں میں جو لوگ پکڑے جاتے تھے وہ وہی ہوتے تھے جن کے مظالم کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اور جن کے مظالم نے حضور ؐ سے اور حضور ؐ کے متبعین سے مکہ چھڑوایا تھا۔ ان ظالموں کے لئے حضور ؐ کا حکم تھا کہ انہیں قیدی سمجھ کر نہ رکھا جائے۔ مہمان سمجھ کر رکھا جائے۔ چنانچہ مسلمانوں نے کئی کئی قیدیوں کو مہمان بنا لیا تھا۔ مسلمان خود کھجوروں سے پیٹ بھر لیتے تھے اور قیدیوں کو روٹیاں کھلاتے تھے۔

اور طائف میں اہل طائف اور اہل حنین گھر گئے اور ان کے پاس کھانے پینے کا سامان نہیں رہا۔ وہ اور ان کے بال بچے بھوکے مرنے لگے۔ حضور ؐ نے فرمایا:

"مجھ سے نہیں دیکھا جاتا کہ اللہ کی مخلوق خواہ وہ میری دشمن ہی کیوں نہ ہو یوں بھوک پیاس سے تڑپے محاصرہ اٹھا لو اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرو۔"

ایک جنگ میں مسلمانوں نے بنو ثقیف اور ہوازن کے چھ ہزار مرد و عورت گرفتار کئے تھے۔ دوسرے دن حضور ؐ کا منشا پا کر چھ ہزار کے چھ ہزار کو آزاد کر دیا گیا۔

یہودیوں کے ساتھ بھی یہی رحم اور انصاف کا برتاؤ ہوتا تھا۔

ایک روز حضرت عمرؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ بیٹھے باتیں کر رہے تھے جب کسی یہودی نے آکر کہا کہ میں علی کے خلاف یہ شکایت کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کا زمانہ تھا۔ انہوں نے حضرت علیؓ سے فرمایا "ابوالحسن! سامنے کھڑے ہو جاؤ اور جواب دو"۔ حضرت علیؓ اٹھے مگر آپ کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ یہودی کا دعویٰ غلط تھا۔ حضرت عمرؓ نے اسے خارج کر دیا۔ یہودی جب چلا گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ اس وقت ناخوش سے کیوں نظر آ رہے تھے۔ کیا یہودی کے برابر کھڑا ہونا ناگوار تھا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ نہیں یہ بات نہیں تھی بلکہ آپ کا ابوالحسن کہہ کر مجھے مخاطب کرنا ٹھیک نہیں معلوم دیا تھا۔ مبادا یہودی خیال کرتا کہ اس کے مقابلے میں میرا نام عزت سے لیا جا رہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اسلامی عدالت کی شان معدلت کے خلاف ذرا سا بدگمانی پیدا ہو۔

غیر مسلموں کی اسلام نے تقسیم کر دی ہے۔ ایک غیر مسلم وہ ہیں، جو اسلامی حکومت میں نہیں رہتے۔ کون دیوانہ ہے جو بیٹھے بٹھائے، خواہ مخواہ ان پر پل پڑے گا۔ دوسرے غیر مسلم وہ ہیں جو اسلامی حکومت میں رہتے ہیں۔ انہیں جیسا کہ ابھی تفصیل سے بتا چکا ہوں۔ ہرگز مجبور نہیں کیا جاتا کہ اسلام قبول ہی کریں۔ بلکہ انہیں اسلامی حکومت کی طرف سے جنگ اور اخراجات جنگ میں شرکت کے لئے بھی مجبور نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ مسلمان اسلامی حکومت کی طرف سے جنگ اور اخراجات جنگ میں شرکت کے لئے مجبور کیا، مامور ہیں۔ البتہ غیر مسلموں سے ٹیکس ضرور لیا جاتا ہے۔ سو ٹیکس مسلمان بھی دیتے ہیں ٹیکس کی ادائیگی مسلمانوں

کا ولیہ الٰہی فریضہ ہے جیسا حج فریضہ ہے۔ مسلمانوں کے ٹیکس کو زکوٰۃ کہتے ہیں اور غیر مسلموں کے ٹیکس کا نام جزیہ ہے

کیا آپ کوئی حکومت موجودہ زمانے کی یا پرانی ایسی دکھا سکتے ہیں جو ٹیکس وصول نہیں کرتی۔ ٹیکس کے بغیر حکومت کیسے چل سکتی ہے۔ فوج پر، پولیس پر، ججوں پر، مجسٹریٹوں پر، تعلیم و تربیت پر، پینے کے پانی پر، صفائی ستھرائی پر، غرض فلاں بات کا انتظام اور فلاں بات کا انتظام کیا یوں ہی ہو جاتا ہے۔ اس کے واسطے بہرحال روپیہ چاہیئے۔

آپ اتنا تو کر سکتے ہیں کہ ٹیکس کا روپیہ زیادہ تر رعایا کے فلاح و بہبود پر صرف ہونا چاہیئے لیکن نفس ٹیکس کے خلاف زبان ہلانا بیکار ہے۔ ٹیکس کی زد امراء و اغنیا تک محدود رہے۔ غربا اور فلاکت زدہ ہیر پھیر سے (INDIRECTLY) بھی ٹیکس کی زد میں نہ آئیں تو ٹیکس تو نعمت ہے۔ چنانچہ اسلام نے جس طرح زکوٰۃ کا ٹیکس فقط مسلمان اغنیا پر لگایا ہے۔ اسی طرح جزیہ کا ٹیکس فقط غیر مسلم اغنیاء پر لگایا ہے۔ زکوٰۃ اور جزیہ دونوں اغنیا سے لئے جاتے تھے اور عام ضرورتوں پر صرف کئے جاتے تھے۔ خصوصاً فلاکت زدہ لوگوں کی ضرورتوں پر۔

جزیہ کو خواہ مخواہ ہوّا مشہور کر دیا ہے۔ غیر مسلموں پر یہ اکیلا ٹیکس تھا یا زمینداروں سے تھوڑا سا لگان لیا جاتا تھا جو غیر مسلموں کے ساتھ مخصوص نہیں تھا۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ کے علاوہ اور ٹیکس بھی تھے۔ مثلاً جنگ کے وقت انہیں اخراجات جنگ کا بار حسب حیثیت اٹھانا پڑتا تھا۔ غیر مسلم جنگ کے لئے کچھ نہیں دیتے تھے جزیہ ہی جنگ کے وقت بھی ان کی حفاظت کا ضامن ہوتا تھا۔

جزیہ کو تو شہرت دی گئی، لیکن ایک واقعہ ہے، ذمی کے شہرت نہیں دی گئی۔ ذمی اسے کہتے ہیں جس کی جان، مال اور عزت، آبرو کی حفاظت کا ذمہ لے لیا جائے۔ بلکہ اس سے اوپر جیسا کر حسب اللہ کا ہمسایہ قرار دیا گیا ہے ــــ "جوار اللہ و ذمۃ محمد رسول اللہ" اللہ کا ہمسایہ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے ذمہ دار۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے: غیر مسلم جزیہ اس غرض سے ادا کرتے ہیں کہ ان کے خون اور مال کی مسلمانوں کے خون اور مال جیسی حیثیت ہو جائے۔

بیس سال سے کم اور پچاس سال سے اوپر کے مرد سے جزیہ نہیں لیا جاتا تھا۔ عورتیں جزیے سے مستثنیٰ تھیں۔ مردوں کے ساتھ بھی کم از کم اوسط درجہ آمدنی کی شرط تھی۔ جو مرد اپنی خوشی سے جنگی خدمات بجا لاتے تھے انہیں جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا جاتا تھا۔ جزیے کی مقدار بارہ سے اڑتالیس درہم سالانہ تک تھی اور ماہانہ قسطوں میں وصول کی جاتی تھی۔

فرانس کا نامور مؤرخ ڈاکٹر گستاؤ لیبان لکھتا ہے۔

"مسلمانوں کے سے متحمل اور روادار فاتح کبھی پیدا نہیں ہوئے اور نہ ایسا نرم اور مہربان مذہب وجود میں آیا۔"

ڈاکٹر جے۔ اے کانڈرا لکھتا ہے:

"مسلمان مفتوح قوموں سے جو شرائط کرتے تھے، وہ ایسی ہوتی تھیں کہ مفتوح اپنی پہلی زندگی پر ان شرائط کی زندگی کو ترجیح دیتے تھے اور اسے خوش قسمتی کہتے تھے۔"

عربوں کی بات کا بھرم تھا۔ اُن کے عہد و پیمان کا اعتبار کیا جاتا تھا۔"

اطالوی مؤرخ ڈراکن لینو کٹیانی لکھتا ہے:

"مسلمان حاکموں نے ہر زمانے میں مسلموں اور غیر مسلموں کے ساتھ یکساں سلوک رکھا۔ سولھویں صدی کا یہ سلامی حکم محفوظ ہے کہ ذمی جب جزیہ دینے آئیں تو ان سے اخلاق برتو، اُن کی خاطر مدارات کرو۔"

سر تھامس آرنلڈ لکھتا ہے:

"عیسائی اور دیگر اقوام کے لوگ اگر ترکِ وطن کرتے تھے تو اسلامی ممالک میں پناہ لیتے تھے اور جزیہ دے کر پوری مذہبی آزادی سے زندگی گذارتے تھے۔"

ڈاکٹر الیشور ٹوپا لکھتے ہیں:

"جزیہ وصول کرنے کے بعد ذمیوں کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا مذہبی فریضہ تھا۔ جزیہ گویا مسلمانوں کے اُس خون کی قیمت تھی جسے مسلمان ذمیوں کی مدافعت میں بہاتے تھے۔"

حضرت عمر کے زمانے میں ایک دفعہ مسلمانوں کو شہر حمص کسی وجہ سے خالی کرنا پڑا تو حاکم شہر نے جتنی رقم اس سال جزیہ کی وصول کی تھی وہ واپس کردی کیونکہ جس کام کے لئے لی گئی تھی اسے انجام جب ہی دیا جاسکتا تھا جب مسلمان وہاں رہتے۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے: لَهُمْ مَا لَنَا وَعَلَيْهِمْ مَا عَلَيْنَا۔ جیسے ہمارے حقوق ہیں ویسے ہی ذمیوں

کے حقوق ہیں اور جس طرح ان پر ہمارے حقوق کی ادائگی لازم ہے اسی طرح ہم پر ان کے حقوق کی ادائگی لازم ہے۔

ایک اور موقع پر حضورؐ نے ارشاد کیا: من اذی ذمیا فلیس منا جس نے ذمی کو بلا قصور اذیت پہنچائی وہ ہماری جماعت سے خارج ہے۔

ایک اور حدیث ہے: جو کسی ذمی کو قتل کرے گا اسے جنت کی خوشبو بھی سونگھنی نصیب نہیں ہوگی۔

ذمی کی شراب اور ذمی کا سور تلف کر دیا جائے تو تاوان دینا پڑتا ہے۔ ذمی کی غیبت کرنی حرام ہے۔

اسلامی تاریخ کے یہ شواہد اور اسلامی قانون کا غیر مسلموں کے ساتھ یہ سلوک، اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اسلامی حکومت غیر مسلموں کے لیے ہر اعتبار سے امن و سلامتی کا گہوارہ ہوتی ہے اور اسلام غیر مسلموں کو صرف کاغذ پر نہیں بلکہ عمل واقعیت کی دنیا میں حقوق دیتا ہے اور

اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ۔ (مخلوق خدا کا کنبہ ہے۔

کی عملی تفسیر پیش کرتا ہے۔

سرورِ کائناتؐ کا دربار

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہر لمحہ لوگوں کو فیض پہنچانے کے واسطے وقف تھا، لیکن تمام لوگ ہر وقت حاضرِ خدمت نہیں رہ سکتے تھے کبھی ایک جماعت مستفیض ہوتی تھی، کبھی دوسری، اس لئے حضورؐ نے ایک مستقل اجلاس کا بھی اعلان کر رکھا تھا کہ جو آنا چاہیں اُس وقت آجائیں۔

یہ اجلاس بیشتر مسجدِ نبوی میں منعقد کئے جاتے تھے اور ان کا وقت عموماً پنج وقتہ نمازوں کے بعد کا تھا خصوصاً صبح کی نماز کے بعد۔ مٹی کی چھوٹی سی چبوتری[1] تھی جس پر حضورؐ نشست فرماتے تھے اور چبوتری کے سامنے اور دونوں جانب صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین

---

[1] چبوتری اس غرض سے بنا دی گئی تھی کہ اجنبی آنے والوں کو حضورؐ کی شناخت میں دشواری پیش نہ آئے، ورنہ ابتداءً حضورؐ سب کے ساتھ مل کر بیٹھتے تھے حضورؐ نے اپنی کوئی خاص اور ممتاز جگہ مقرر نہیں فرمائی تھی۔

بیٹھتے تھے۔

حضنگار کا دربار بے حد سادہ تھا۔ حاضرین میں اگرچہ ایسے باادب حضرات ہوتے تھے کہ بغیر اجازت زبان نہیں کھولتے تھے اور مطلق جنبش نہیں کرتے تھے۔ ان کی بابت راویوں کے الفاظ یہ ہیں کہ سروں پر گویا چڑیاں بیٹھ جاتی تھیں کہ جنبش کی اور وہ اُڑیں کَاَنَّ الطَّیْرَ فَوْقَ رُؤُسِهِمْ مگر گنواروں (بدوؤں) کی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ آتے ہی پوچھتے "محمدؐ کون ہیں" اور جب اُنہیں بتایا جاتا کہ "وہ گورے رنگ والے جو ٹیک لگائے بیٹھے ہیں" تو کہتے " اے ابن عبدالمطلب! خفا مت ہونا۔ میں سختی سے سوال کروں گا" اور عجیب عجیب سوال کرتے مثلاً " بتائیے۔ میرے باپ کا نام کیا ہے " یا " میرا اونٹ کھو گیا ہے، بتائیے کہاں ہے "

حضورؐ چاہتے تھے کہ سوالات صرف تزکیہ نفس کے متعلق کیے جائیں اور لغو اور فضول سوالات کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر لغو اور فضول سوالات کو برداشت ضرور کر لیتے تھے۔ ایک دفعہ البتہ حضورؐ نے بگڑ کر اتنا کہا تھا کہ " پوچھے جاؤ جو پوچھنا ہو۔ میں سب کا جواب دوں گا" اور صحابہ رضؓ نے محسوس کیا تھا کہ حضورؐ برہم ہیں۔

کوئی آدابِ مجلس سے ناواقف دوران تقریر میں یا دوسرے کا جواب دیتے میں سوال کرتا تھا تو حضورؐ تقریر جاری رکھتے تھے اور تقریر ختم کر کے سائل کی بات کی طرف توجہ فرماتے تھے حضورؐ سے ایک وقت میں ایک ہی شخص گفتگو کر سکتا تھا۔

ایک بار حضورؐ تقریر کر رہے تھے کہ ایک گنوار (بدو) آیا اور آتے ہی بولا " قیامت کب آئے گی " حضورؐ تقریر کرتے رہے۔ تقریر

سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا "قیامت کی بابت کس نے سوال کیا تھا"
بدّو نے کہا "میں نے" حضورؐ نے جواب دیا "قیامت جب آئے
گی جب لوگ امانت ضائع کرنے لگیں گے۔ بدّو نے پوچھا "امانت
کیونکر ضائع ہوگی؟" فرمایا "جب کام نا اہلوں کے ہاتھ میں پہنچ جائے گا۔
یہی بدّو حضورؐ کے پاس بیٹھتے بیٹھتے تمیز سیکھ جاتے تھے۔

حضورؐ کے دربار میں نام و نسب یا دولت و ثروت کی وجہ سے کسی کو
امتیاز نہیں دیا جاتا تھا۔ کچھ ایسا برتاؤ ہوتا تھا کہ ایک شخص بھی یہ محسوس
نہیں کرتا تھا کہ مجھے دوسروں کی نسبت کم عزت دی گئی ہے۔

اول حضورؐ اہل حاجت کو اپنی حاجتیں پیش کرنے کا موقع بخشتے
تھے۔ جب تک بولنے والا چپ نہ ہو جاتا تھا حضورؐ اس کی بات سنتے
رہتے تھے۔ بعض اوقات بولنے والا بولے جاتا تو اُسے انگیز کر لیتے تھے۔
قبیلوں کے سردار آجاتے تو حضورؐ اُن کی تعظیم و تکریم فرماتے تھے
حضورؐ کا ارشاد ہے: اَکرِمُوا کَرِیمَ کُلِّ قَومٍ۔ ہر قوم کے معززین
کی عزت کرو۔ ویسے از راہِ شفقت بیٹی (حضرت فاطمہ زہرا) کے لئے بھی
کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے۔ اپنی انّا (بی بی حلیمہ) کے لئے بھی اُٹھ کر
چادر بچھادی تھی اور حضرت حلیمہ کے فرزند تشریف لائے تو اُن کے لئے بھی
کھڑے ہو گئے تھے۔ مگر اس قسم کی تعظیم و تکریم جو بادشاہوں اور امراء و
رؤسا کے ہاں رائج تھی (اور آج تک رائج ہے)، اُس کی حضورؐ نے
شد و مد سے مذمت فرمائی ہے۔ مثلاً ایک شخص کے آنے پر تمام
حاضرین کا کھڑا ہو جانا۔ یا ایک شخص بیٹھا ہو اور حاضرین اُس کے سامنے دست
بستہ کھڑے رہیں۔ گویا اللہ کے سامنے قیام کر رہے ہیں۔ حضورؐ نے

اس قسم کی تعظیم و تکریم کو منع فرمایا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے "جسے یہ پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے تعظیماً کھڑے رہیں اُسے اپنی جگہ جہنم میں تلاش کرنی چاہیئے" باتیں پوچھنے والے کو حکم تھا کہ بیٹھ کر پوچھو۔ کھڑے رہ کر مت پوچھو۔

حضورؐ حاضرین کے ساتھ بے تکلف اور شگفتہ ہو کر بیٹھتے تھے۔ ہنسی اور ظرافت کی بات اگر ادب، آداب اور تہذیب کے خلاف نہ ہوتی تو اُسے بھی جائز رکھتے تھے اور ہنسی و ظرافت میں حصہ لیتے تھے۔

ایک دفعہ حضورؐ نے فرمایا "اللہ سے کسی شخص نے خواہش کی کہ میں جنت میں کھیتی کروں گا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ اِدھر بوؤں اُدھر کاٹ لوں۔ چنانچہ دانہ ڈالتے ہی فصل تیار ہو گئی۔ کوئی بدو صاحب بھی حاضر دربار تھے، وہ بولے، یہ نعمت فقط مکہ مدینہ والوں کے حصے میں آئے گی۔ کیونکہ مکہ اور مدینہ والے ہی اہل زراعت ہیں۔ ہم تو زراعت نہیں جانتے۔ حضورؐ ہنسنے لگے۔

ایک دفعہ ایک صحابی آئے اور بولے۔ میں تباہ ہو گیا۔ حضورؐ نے پوچھا کیوں۔ کیسے؟ صحابی نے عرض کیا۔ میں نے رمضان میں بحالتِ صوم بیوی سے ہم بستری کر لی۔ حضورؐ نے فرمایا ایک غلام آزاد کر دو۔ کفارہ ہو جائے گا۔ صحابی نے کہا۔ میں غریب آدمی ہوں۔ غلام کہاں سے لاؤں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا۔ دو مہینے کے روزے رکھو۔ صحابی نے کہا۔ یہ بھی ممکن نہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اچھا۔ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ صحابی نے کہا۔ اِس کا بھی مقدور نہیں۔ اتفاق سے اسی وقت

کھجوروں کا ڈھیر حضورؐ کی خدمت میں کہیں سے پہنچا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ لو۔ یہ ڈھیر مسکینوں میں بانٹ دو۔ صحابی نے کہا۔ اُس اللہ کی قسم جس نے آپ کو رسول بنایا ہے۔ سارے مدینے میں مجھ سے بڑھ کر مسکین دوسرا نہیں ہے۔ حضورؐ ہنس پڑے اور فرمایا۔ اچھا تم اپنے ہی لئے لے جاؤ۔

ایک مرتبہ دو شخص حاضر ہوئے۔ ایک کو چھینک آئی۔ اس نے اَلحَمدُ لِلّٰہ نہیں کہا۔ حضورؐ نے بھی یَرحَمُکَ اللّٰہ نہیں فرمایا۔ دوسرے کو چھینک آئی تو اس نے اَلحَمدُ لِلّٰہ کہا اور حضورؐ نے یَرحَمُکَ اللّٰہ فرمایا۔ اَلحَمدُ لِلّٰہ نہ کہنے والا اَلحَمدُ لِلّٰہ کہنے والے کی نسبت ذی حیثیت تھا۔ اُسے اپنے لئے یَرحَمُکَ اللّٰہ نہ فرمانا اور دوسرے کے لئے یَرحَمُکَ اللّٰہ فرمانا کھٹکا۔ اس نے حضورؐ سے شکایت کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اُس نے اللہ کو یاد رکھا۔ لہٰذا میں نے اسے دعا دی۔ تم اللہ کو بھول گئے۔ میں نے تمہیں بھلا دیا۔

ایک دفعہ حضورؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے۔ مجمع زیادہ تھا۔ تین شخص آئے۔ ایک کو درمیان میں ذرا سی جگہ مل گئی۔ وہ وہاں گھس بیٹھا۔ دوسرے نے کنارے پر بیٹھ جانا غنیمت سمجھا۔ وہ کنارے پر بیٹھ گیا۔ تیسرا واپس چل دیا۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ایک نے اللہ کی پناہ لی۔ اللہ نے اُسے پناہ دی۔ دوسرے نے اللہ سے حیا کی۔ اللہ بھی اس سے شرمایا۔ تیسرے نے اللہ سے موہنہ پھیر لیا۔ اللہ نے بھی اُس سے موہنہ پھیر لیا۔

اس مجمع میں چونکہ خواتین شریک نہیں ہو سکتی تھیں۔ خواتین نے درخواست کی کہ ہمارے واسطے الگ دن مقرر کر دیجئے۔ چنانچہ الگ دن مقرر کر دیا گیا۔ خواتین کی مجلس میں عام مسائل شرعیہ

پوچھنے کی اجازت تھی - لیکن عورتوں کے مخصوص مسائل پوچھنے کی اجازت نہیں تھی - وہ مسائل ازواج مطہرات رض انہیں بتاتی رہتی تھیں مخصوص مسائل خواہ عورتوں کے متعلق ہوتے خواہ مردوں کے متعلق، کوئی سب کے سامنے، برملا دریافت کرنے لگتا تھا تو حضورؐ کو ناگوار گذرتا تھا اور حضورؐ مکدر ہو جاتے تھے -

ایک مرتبہ حضرت عاصم انصاری رض نے مجمع عام میں سوال کیا کہ اگر انسان اپنی بیوی کو غیر مرد کے ساتھ دیکھے تو کیا کرے - حضورؐ نے انہیں جھڑک دیا -

عام سوالات لوگ بے دھڑک کرتے تھے اور جواب باصواب پاتے تھے -

ایک طریقہ تعلیم کا یہ بھی تھا کہ حضورؐ بطور امتحان خود سوال کرتے تھے اور لوگوں سے فرماتے تھے کہ جواب دو - اس سے لوگوں کو دماغ پر زور ڈالنے کی عادت پڑتی تھی - مثلاً ایک دفعہ حضورؐ نے سوال کیا - اچھا بتاؤ وہ درخت کون سا ہے جس کے پتے جھڑتے نہیں اور جو مسلمانوں سے مشابہ ہے - حضرت عبداللہ بن عمر رض کہتے ہیں "میرا ذہن کھجور کے درخت کی طرف گیا - لیکن میں کم سن تھا، اظہار کی جرأت نہیں ہوئی - دوسرے حضرات اور درختوں کے نام لیتے رہے - آخر حضورؐ نے فرمایا کہ وہ کھجور کا درخت ہے میں ہمیشہ افسوس کیا کرتا ہوں کہ میں نے اس وقت کھجور کیوں نہ کہہ دیا تھا -

ایک دفعہ حضورؐ نے پوچھا - تم لوگ جانتے ہو مفلس کون ہے صحابہ نے عرض کیا - بے زر کو مفلس کہتے ہیں - فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ جملہ قسم کی نیکیاں لے کر

آئے گا۔ لیکن اُس نے کسی کو گالی بھی دی ہو گی۔ کسی پر تہمت بھی لگائی ہو گی کسی کا مال بھی کھایا ہو گا۔ کسی کا خون بہایا ہو گا۔ کسی کو مارا ہو گا تو اُس کی نیکیوں میں سے تھوڑا تھوڑا اُن کو دے دیا جائے گا جن کے ساتھ اُس نے زیادتی کی ہے، اور پھر اُس کے پاس کوئی نیکی نہیں بچے گی، بلکہ اوروں کا کچھ اُس کے ذمّے رہ جائے گا۔ سو اوروں کی بدیاں اُس کے نام لکھ دی جائیں گی، اور وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

ایک دفعہ فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں اچھے کون ہے اور بُرا کون ہے۔ فرمایا۔ اچھا وہ ہے جس سے لوگ اچھائی کی اُمید رکھیں اور جس کی برائی سے لوگ امن میں ہوں اور بُرا وہ ہے جس سے اچھائی کی توقع نہ کی جائے اور جس کی بُرائی سے کوئی مامون نہ ہو۔

دقیق مباحث جو عامۃ الناس کی سمجھ میں عموماً نہیں آتے اُن کو حضورؐ نہیں چھیڑنے دیتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ تقدیر پر بحث کر رہے تھے کہ تقدیر کیا شے ہے۔ حضورؐ کے کانوں میں آواز پہنچی تو حضورؐ حُجرے سے باہر نکل آئے اور بڑے غصّے سے بولے تمہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ آپس میں قرآن کو ٹکراؤ۔ پچھلی اُمتیں ایسی ہی باتوں سے برباد ہوتی رہتی تھیں۔

ایک دوسرے موقع پر حضورؐ نے تقدیر کی گرہ یا توں باتوں میں کھول دی۔

کسی میّت کے ساتھ حضورؐ قبرستان تشریف لے گئے تھے۔ وہاں حضورؐ نے فرمایا کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کا جنتی یا دوزخی ہونا لکھا نہ جا چکا ہو۔ ایک صاحب نے کہا تو پھر عمل کس توقع پر کیا جائے۔ تقدیر پہ توکل کر کے

عمل کیوں نہ چھوڑ دیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ توکل قوتِ عمل کو معطل کر دینے کا نام ہے۔ اعمال ہی تقدیر ہیں اللہ جسے جیسے اعمال کی توفیق بخشتا ہے۔ وہی اس کا نوشتہ تقدیر ہے۔ جو جنتی ہوگا وہ جنتیوں کے عمل ضرور کرے گا اور جس کی تقدیر میں دوزخ لکھی ہے وہ دوزخیوں کے عمل کرے گا۔

دقیق مباحث کے علاوہ عام بحثیں حضورؐ صحابہ کو کرنے دیتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ اس مضمون پر بحث ہو رہی تھی کہ شہرت طلبی اور تفاخر خلوصِ عمل کے منافی ہیں یا نہیں۔ ایک صحابی نے کہا۔ اگر اس نوع کے فقرے جہاد میں کہے جائیں کہ میں فلاں ہوں اور فلاں قبیلے سے ہوں ذرا میرا وار روکو تو سہی " تو ثواب نہیں ملے گا۔ دوسرے صحابی نے کہا میرے نزدیک تو اتنا دینا جائز ہے" حضورؐ نے سنا تو فرمایا "شہرت اور ثواب میں بیر نہیں ہے "

ایک دفعہ حضورؐ مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ بعض صحابی قرآن خوانی اور ذکر و شغل میں مشغول ہیں اور بعض علمی باتیں کر رہے ہیں حضورؐ نے فرمایا۔ دونوں جماعتوں کا عمل ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے اللہ نے معلم بنا کر بھیجا ہے (اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا) اور حضورؐ علمی باتیں کرنے والی جماعت میں بیٹھ گئے۔

حضورؐ کی مجالس کتنی باثر ہوتی تھیں۔ اس کا اندازہ مندرجہ ذیل دو روایتوں سے کیجئے :

ایک دفعہ حضرت ابو ہریرہؓ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! جب تک ہم حضورؐ کی خدمت میں رہتے ہیں۔ دنیا ہماری نظر میں ہیچ ہو جاتی ہے لیکن بال بچوں میں جا کر حالت پھر بدل جاتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا

ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمہاری زیارت کو آتے۔

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! میں منافق تو نہیں ہو گیا۔ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوتا ہوں تو جنت اور اور دوزخ دکھائی دینے لگتی ہیں۔ مگر گھر پہنچ کر جنّت اور دوزخ کو بھول جاتا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اگر ہر وقت وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے۔

ایک دفعہ ایک امیر خاتون چوری کے جرم میں پکڑی ہوئی آئیں بعض صحابہ نے اُن کی سفارش کی۔ حضورؐ نے فرمایا۔ تم سے پہلے کی قومیں اسی لیے تباہ ہو جایا کرتی تھیں کہ معمولی لوگ قصور کرتے تھے تو انہیں سزا ملتی تھی اور بڑے لوگ قصور کرتے تھے تو حکام ٹال دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک بدّو آیا۔ اتفاق سے اُسے استنجے کی حاجت ہوئی وہ مسجد کے صحن میں بیٹھ کر رفع حاجت کرنے لگا۔ صحابہ مارنے دوڑے حضورؐ نے فرمایا۔ تم سختی کے لئے کئے گئے۔ تمہارا ہے۔ اس کے بعد حضورؐ نے بدّو کو بُلا کر سمجھا دیا اور صحابہ کو حکم دیا کہ غلاظت پانی سے بہا دو۔

ایک دفعہ کسی صحابی نے پوچھا۔ یا رسول اللہ! کوئی اگر یہ کوشش کرے کہ اُس کے کپڑے اچھے اور سلیقے ہوں۔ اُس کا جوتا اچھا ہو۔ تو کیا یہ بھی غرور ہے۔ فرمایا نہیں اِنَّ اللہَ جَمِیْلٌ وَّ یُحِبُّ الْجَمَالَ اللہ صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ بندوں کو چاہیے کہ اپنے طور و طریق اور لباس میں سلیقے اور جمال کا لحاظ رکھیں

کبھی کبھی حضورؐ بات کو اہمیت دینے کے لیے اُسے کئی بار دوہراتے تھے۔ مثلاً ایک دفعہ فرمایا: واللہ وہ صاحب ایمان نہیں۔ واللہ وہ صاحب ایمان نہیں۔ واللہ وہ صاحب ایمان نہیں ——— حاضرین نے پوچھا۔ کون یا رسول اللہ! فرمایا: جس کے پڑوسی کو اُس کی برائیوں سے امن نہ ملا۔

ایک دفعہ فرمایا: دین داری اخلاص کا نام ہے۔ دین داری اخلاص کا نام ہے۔ دین داری اخلاص کا نام ہے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس کے ساتھ؟ فرمایا۔ اللہ کے ساتھ، اُس کی کتاب کے ساتھ، اُس کے رسول کے ساتھ، مسلمان کے سربراہوں کے ساتھ اور عام مسلمانوں کے ساتھ۔

سرورِ کائنات ﷺ بعدِ وفات

انسان اگر ڈوب کر مرتا ہے اور اُس کی لاش نکالی نہیں جاتی تو اُسے پانی کے جانور کھا لیتے ہیں۔ لاش نکلتی بھی ہے تو مچھلیوں کی کُتری کُترائی نکلتی ہے۔ مچھلیاں لاش کو فوراً کھانا شروع کر دیتی ہیں۔

انسان اگر خشکی پر مرتا ہے تو یا جلا ڈالا جاتا ہے یا دفن کر دیا جاتا ہے جل کر بھی جب باقی نہیں رہتا اور دفن ہو کر بھی کیڑوں مکوڑوں کی غذا بن جاتا ہے یا مٹی میں مل جاتا ہے۔ غرض عام اجسام کو کسی حال بقا نہیں ہے۔ بادشاہ اور گدا سب کے جسم حال سے بے حال ہو جاتے ہیں۔

بہ دروازۂ مرگ چوں در شویم
بہ یک ہفتہ باہم برابر شویم

جب موت کے دروازے پر پہنچیں گے تو بادشاہ و گدا ہفتہ بھر میں ایک سے ہو جائیں گے۔

لیکن خاصان خدا کے اجسام کو کیڑے مکوڑے نہیں کھلتے اور

مٹی نہیں چھیڑتی۔ تدفین کے سینکڑوں برس بعد کھدائی کرتے کرتے اُن کی لاشیں سامنے آتی ہیں تو بالکل ایسی جیسے ابھی کفن پہن کر لیٹے ہیں۔ پھر انبیا کا تو کیا کہنا۔ انبیا کے متعلق حضورِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ زمین کے لیے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کر دیا ہے لہٰذا بعدِ وفات حضور کے جسم کا محفوظ ہونا یقینی امر ہے اور ابنِ تیمیہ و ابن القیم کے چند پیروؤں کے سوا تمام اہلِ سنت و جماعت اِس کے قائل ہیں کہ حضورؐ اور جملہ انبیا برزخ میں زندہ ہیں۔

روح کسی کی نہیں مرتی۔ البتہ انبیا کی روحوں اور غیر انبیا کی روحوں کا ٹھہرنا الگ الگ ہے۔ خاصانِ خدا کی روحیں آرام سے سلا دی جاتی ہیں اور انبیاء کی روحیں بیدار رکھی جاتی ہیں۔

آرام سے سونا اور آرام سے نہ سونا اور انبیاء کی بیداری اور زندگی کس نوعیت کی ہے۔ یا قیامت کے بعد ہم سب کی زندگی کس نوعیت کی ہوگی۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ مر کر ہی جانا جائے گا یہاں اُس کا تصوّر محال[1] ہے، تاہم حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور درود و سلام کا پہنچنا اور امت کے اعمال کا صبح شام پیش ہونا

---

[1] علامہ تقی الدین سبکی کی رائے میں محال نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انبیاء اور شہدا کی برزخی زندگی دنیاوی زندگی کی مانند ہے۔ اِس کی دلیل اُن کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا ہے۔ نماز بغیر جسم کے نہیں پڑھی جا سکتی۔ لیکن قرآن مجید کے الفاظ صاف ہیں: بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۔ شہدا زندہ ہیں، مگر اُن کی زندگی تمہارے موجودہ شعور سے بالا ہے۔

مسلّم ہے ۔ درود و سلام اور اعمال کی رپورٹ خفتہ روح نہیں سن سکتی
حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا تھا کہ دُور
کے درود و سلام مجھے پہنچائے جائیں گے ۔ اور میری قبر پر کوئی درود و
سلام پڑھے گا تو میں کانوں سے سُن لوں گا اور جواب دوں گا (مشکوٰۃ)
علاوہ ازیں ایک حدیث ہے کہ حضورؐ نے وفات کے وقت حضرت
عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے خیبر کے کھانے کی تکلیف برابر رہی
ہے اور اب میری رگ جاں اسی زہر[1] (کے اثر) سے منقطع ہوتی ہے جس
کے معنی ہیں کہ حضورؐ نے شہادت پائی ۔

اور حضورؐ شہادت نہ پاتے تو جن کے طفیل شہیدوں کو زندگی عطا
کی گئی ہے اُن کی معمولی وفات کیا شہیدوں کی شہادت سے کم تھی کہ شہید
تو از روئے قرآن زندہ ہیں اور شہیدوں کو زندگی دلوانے والے شہیدوں
کے سردار اور آقا زندہ نہیں ہیں ۔ بھلا اسے کون سی عقل باور کرے گی ۔
طبعی اور عادی رحلت کی وجہ سے جو شخص حضورؐ کا جینا نہیں مانتا
اُسے شہیدوں کے جینے اور قیامت کے دن ہم سب کے جی اُٹھنے کا کیوں
یقین ہے ۔ اللہ قیامت کے دن ہم سب کو جِلا سکتا ہے تو کیا وہ حضورؐ کو
قبر میں دفن ہوتے ہی نہیں جلا سکتا ۔ حضورؐ ہی نہیں جملہ انبیا زندہ ہیں ۔
ہر نبی کا مرتبہ شہدا سے بلند ہے ، خواہ نبی نے شہادت پائی ہو یا نہ
پائی ہو ۔

---

[1] فتح خیبر کے موقع پر یہودیوں نے مسلمانوں کی دعوت کی تھی اور کھانے
میں زہر ملا دیا تھا ۔

معراج کے بیان میں ہے کہ حضورؐ نے انبیا کے ساتھ نماز پڑھی اور اُن کی امامت کی اور حضرت آدم، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ علیہم السلام وغیرہ خاص خاص پیغمبروں سے ملاقات فرمائی۔ انبیا کا نماز پڑھنا اور ملاقات کرنا انبیا کی زندگی ظاہر کرتا ہے۔

حضورؐ کا فرمان کہ زمین کے لئے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کیا ہے یوں صادر ہوا تھا کہ صحابہ سے کہا گیا کہ درود و سلام مجھے برزخ میں پہنچیں گے تو صحابہ نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! بوسیدہ ہڈیوں کو درود و سلام پہنچنے کا مطلب ہم نہیں سمجھے تو حضورؐ نے فرمایا کہ زمین کے لئے نبی کا جسم کھانا اللہ نے حرام کر دیا ہے۔

حضورؐ زندہ ہیں اور ایک دوسری حدیث کے مطابق حضورؐ کو رزق دیا جاتا ہے۔ زندگی کی کیا نوعیت ہے اور رزق کیا دیا جاتا ہے۔ اس کا پتہ ہمیں شاید مر کر چل جائے۔ حضورؐ کا ارشاد فقط اتنا ہے کہ فَنَبِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ (ابن ماجہ) رزق کی ضرورت جسم کو پڑتی ہے۔ روح رزق کی محتاج نہیں ہے۔

علامہ سیوطی شرح الصدور میں لکھتے ہیں :

ابو یعلیٰ اور بیہقی اور ابن مندہ نے حضرت انس سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا ہے کہ انبیا زندہ ہیں اور اپنی اپنی قبروں میں نماز ادا کرتے ہیں۔

علامہ سیوطی نے متعدد حدیثیں اور اقوال صلحا نقل کئے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب اور بیداری دونوں میں حضورؐ کی رویت ممکن ہے۔ حضورؐ جہاں چاہتے ہیں تصرف فرماتے ہیں، مگر جس طرح

فرشتے دکھائی نہیں دیتے اسی طرح حضورؐ بھی دکھائی نہیں دیتے ہاں اللہ نیک بندوں کو زیارت کرادیتا ہے۔